

منزل

لیفٹیننٹ کرنل عمر شبیر

853

ع م ر - م



آرمو پبلشرز



لیفٹیننٹ کرنل عمر شبیر گولڈ میڈلسٹ (فیض وارث اکیڈمی پاکستان)

"منزل" کے بارے میں دانشوران وطن کی آراء

☆ "منزل" میں واقعی ایک مجاہد نے اپنی قلم سے تلوار کا کام لیا ہے۔ (طارق اسماعیل ساگر) ☆ "منزل" ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب ہے، یہ بیٹیوں کے جہیز میں شامل کی جانی چاہیے۔ (پروفیسر غلام رسول آزاد) ☆ "منزل" کی کتابوں کی ایک کتاب ہے اسے اذانِ حرم کی صدائے بازگشت باور کیا جاسکتا ہے۔ (سید انوار غالب) ☆ "منزل" کی خوشبو ملک میں پھیلنی چاہیے۔ (پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی) ☆ عمر شبیر نے اپنی اس کاوش کے ذریعے درد دل رکھنے والوں کو بے باکانہ پکارا ہے۔ (پروفیسر اشفاق احمد ورک) ☆ "منزل" انسانیت کی معراج ہے۔ (شاہد منہاس)

○ ○ ○

○ دین اسلام کی لازوال سچائیوں کی امین "منزل" ○ فرقہ پرستی، جمود پرستی اور دہشت گردی کے خلاف ناقابل فراموش ادبی تخلیق "منزل" ○ اسرائیل اور بھارت کی پاکستان کے خلاف سازشوں کو طشت ازبام کرنے والی ادبی تخلیق "منزل" ○ پولیس کیڈٹس اور طلباء کے لیے سمتوں کا تعین کرنے والی ادبی تخلیق "منزل" ○ بیٹیوں اور بیٹوں کو ناقابل شکست حوصلے، عزم، بہادری اور پاکیزگی عطا کرنے والی موثر ترین اور ادبی تخلیق "منزل" ○ پاکستان کے نظام زندگی کو برباد کرنے والے جوہات کے خلاف ایک ادبی تخلیق "منزل" ○ عورت [illegible] "منزل" ●

منزل

(اکیسویں صدی کے لیے عظیم انقلابی ولادتی تخلیق)

لیفٹیننٹ کرنل عمر شبیر

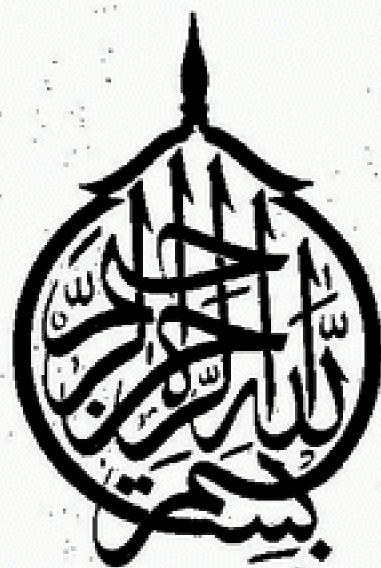


آرمو پبلشرز، لاہور

کچھ مصنف کے بارے میں

لیفٹیننٹ کرنل عمر شبیر نے 13 اپریل 1978ء کو افواج پاکستان میں آرمی ایجوکیشن کور میں کمیشن حاصل کیا اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول سمیت مختلف جگہوں پر ملٹری شعبوں میں پیشہ وارانہ خدمات سرانجام دیں۔

مصنف نے اوائل عمری میں ہی نہ صرف اکنامکس اور انگلش میں ماسٹرڈگریاں حاصل کیں بلکہ ایل ایل بی کے علاوہ ڈیفنس و سٹرٹیجک سٹڈیز میں ایم ایس سی کی ڈگری نمایاں حیثیت میں حاصل کی۔



ناشر : آرمو پبلشرز خیبر ہاؤس، نزد بوائز ڈگری کالج شیخوپورہ
سن اشاعت : مارچ 1998ء
ایڈیشن : دوم
تعداد : ایک ہزار
کمپوزنگ : فراز کمپوزنگ سنٹر، لاہور، فون 7352332
پرنٹر : بک پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور
رابطہ مصنف : خیبر ہاؤس، نزد بوائز ڈگری کالج سول لائنز، شیخوپورہ
قیمت : 300 روپے
اسٹاکسٹ : پرنٹ ویل پبلی کیشنز، 4 فلیمنگ روڈ، لاہور، فون 7651336

انتساب

"چراغِ حرم کے نام"

حرف آغاز

☆ "اس تحریر میں موجود سوائے قرآن کریم کی آیات اور اسلام کی تاریخی سچائیوں کے تمام کردار' حالات اور واقعات تصورات کی پرچھائیاں ہیں۔"

عمر شبیر

ضروری گزارش

میرے جذبوں نے جو مشاہدات چنے اور جن حقائق کا ادراک کیا۔ میں نے انہیں ناول کی صورت دینے کی کوشش کی ہے۔

ممکن ہے بعض اہل علم اور ذوق جمال سے سرشار لوگ اس ناول کے بعض گوشوں کو اجنبی خیال کریں۔ لیکن میری اس ساری تحریر کا مقصد جوان ہوتی ہوئی نسل کی توجہ کا رخ دین مبین کی جانب موڑنا ہے۔

میرا یقین ہے کہ جب تک عورت اعلیٰ تربیت سے مستقل اقدار کی امین نہیں بنے گی تب تک کوئی نسل بھی زندگی کا جمیل اور ارفع مقام حاصل نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ اس ناول میں ایسی ہی "منزل" کی نشاندہی کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

ناول میں موجود لڑکی' مقامات اور دیگر کرداروں کے لیے میں نے ناموں کے تعین سے اس بناء پر گریز کیا ہے تاکہ ان میں آفاقیت پیدا ہو سکے اور نئی نسل کی بیٹی یا بیٹا اگر اس ناول کا مطالعہ کرے تو وہ اپنے نام میں اس لڑکی کی شخصیت کو آئینہ نما کر سکے اور یوں ہی وہ دیگر مقامات اور کرداروں

کو تصوراتی طور پر اپنی پسند کے نام کا تشخص دے سکے۔

قاری سے میری گزارش ہے کہ اس ناول کو کہیں کہیں سے پڑھنے کی بجائے اور اختتام کو دیکھے بغیر شروع سے آخر تک پڑھنے کی کوشش کرے۔ تاکہ کوئی نتیجہ اخذ کر سکے۔

مصنف

لیفٹیننٹ کرنل عمر شبیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(1)

سفیرا نام کی یہ بستی اسرائیل نے عربوں سے چھینی گئی سرزمین پر نئی نئی بسائی تھی اور دنیا کے مختلف علاقوں سے یہودی ایسی ہی دوسری نئی بستیاں وہاں بسانے چلے آ رہے تھے۔ سفیرا میں آنے والے یہودیوں کا زیادہ تر تعلق ہالینڈ' روس اور امریکہ سے تھا۔ یہ بستی کوئی تین ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ سفیرا کے یہودیوں نے قریب کے عرب علاقوں میں اس لیے خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا تاکہ آنے والے وقت میں عرب نسلیں نئی اسرائیلی بستیوں کے باسیوں کے خلاف سر نہ اٹھا سکیں۔ ان بستیوں میں جو لوگ نقل مکانی کرکے آتے تھے وہ نئے دور کے مطابق تہذیب یافتہ تو تھے مگر مسلمانوں کے خلاف اپنی روحوں میں وہی تاریخی تعصب رکھتے تھے۔

اسی دوران اسرائیلیوں نے جو عبدالودود کے گھر کو جلا دیا تو اس کے نوجوان بیٹوں نے مشتعل ہوکر مسلم نوجوانوں کی ایسی تنظیم بنائی جس نے سفیرا کو تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اصل میں عربوں کی بستیوں کے یہ آخری خیمے تھے جو ابھی تک وہاں موجود تھے۔ یہودیوں کے آنے سے پہلے بھی یہ علاقہ بہت زرخیز تھا۔ جو عرب وہاں رہ گئے تھے انہوں نے ابھی تک اپنا تاریخی کلچر محفوظ کر رکھا تھا۔ انہیں جدید دور کی سہولیات میسر تھیں نہ ہی روزی کمانے کے بہت زیادہ مواقع موجود تھے۔ شاید اسی وجہ سے وہ حد

درجہ قناعت پسند ہو رہے تھے اور کسی بھی قسم کی معاشی کشمکش سے بھی آزاد تھے۔ اس علاقے کی آب و ہوا اور مشقت نے اگرچہ انہیں قوی و توانا بنا رکھا تھا مگر ذہنی طور پر وہ کسی بھی سیاسی الجھن یا لڑائی جھگڑے سے دور ہی رہتے تھے۔ ایک لحاظ سے یہ لوگ جمود پرست تھے اور تعلیم نہ ہونے کے باعث نئے ابھرتے ہوئے حقائق سے بے بہرہ تھے۔ اور بالکل ایسے ہی جیسے جنگل کے معصوم اور سادہ جانور اپنی طرف سے اطمینان لیے چراگاہوں میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور کوئی درندہ آکر انہیں جھنجھوڑ ڈالتا ہے۔ حالات و حقائق کی بے ادراکی' دوربینی اور بصیرت چھین لیتی ہے اس لیے ان میں جو بچ جاتے ہیں وہ پھر سے ویسے ہی سکون کے ساتھ جینا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے درندوں کی بار بار کی درندگی بھی ان سے یہ سکون نہیں چھین سکی۔ انہی عربوں کے آباؤ اجداد نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہی اپنی زمینوں کو یہودیوں کے ہاتھ بیچنا شروع کر دیا تھا اور یہودیوں نے قدم جمانے کے بعد عربوں کے علاقوں پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا تھا اور بہتر حکمت عملی کے تحت انہیں اس قدر ہراساں کر رہے تھے کہ ان میں سے اکثر نے خود ہی اپنے علاقے کو خیرباد کہہ دیا اور کسی اور جگہ کی تلاش میں نکل گئے جہاں انہیں امان مل سکے۔

سفیرا کا یہودی لیڈر ازمان مسلمانوں کا پرلے درجے کا دشمن تھا۔ کوئی مسلم عرب اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو صرف اس کی راکھ ہی میسر آتی۔ ازمان نے سفیرا کے یہودیوں کو اس حد تک مسلمانوں کے خلاف کر رکھا تھا کہ آس پاس کے تمام مسلم عرب خوف کے مارے سہمے رہتے۔ یہاں تک کہ انہیں بے گھر کرنے کے بعد ان کی دکانیں یا تو لوٹ لی گئی تھیں یا جلا

دی گئی تھیں۔ جو ان کی زمینیں تھیں انہیں سرکاری طور پر قبضے میں لے کر
یہودی آبادکاروں کے قبضے میں دے دیا گیا تھا۔

ازمان ایک زمانے میں عربوں اور فلسطینیوں کے خلاف دہشت
گرد بھی رہ چکا تھا اس لیے مسلمانوں کو دنیا میں نیست و نابود کرنے کے اسے
تمام حربے یاد تھے۔ پچھلے ہی دنوں اس نے لبنان میں مسلمانوں کی بستیوں
میں بہت سے بم دھماکے کروائے تھے جس سے بے حساب گھرانے برباد ہو کر
رہ گئے تھے اور مسلم بچے یتیم ہونے کے باعث گلیوں میں اپنے ماں باپ کو
آوازیں دیتے ڈھونڈتے رہتے تھے۔

ازمان کا کامیاب ترین حربہ شیعہ اور سنیوں کو آپس میں برسر
پیکار رکھنا تھا جس سے مسلمانوں کے یہ دونوں بڑے فرقے آپس میں خود ہی
لڑ مر کر اور ایک دوسرے کو تباہ کر کے ختم ہوتے جا رہے تھے۔ یوں خانہ
جنگی کے باعث لبنان مکمل طور پر اسرائیلیوں کے نرغے میں آ چکا تھا۔

سفیرا کے قریبی علاقوں کے عرب تو گھبرا کر اپنے آپ کو ذہنی طور
پر ازمان اور اسرائیلیوں کے حوالے کر چکے تھے۔ کھیلوں میں بھی عربوں کا
کوئی بچہ اگر جیت جاتا تو اسرائیلی مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیتے۔ یوں
اس بستی کے قریب والے عربوں کی جوان ہوتی ہوئی نسلیں ہر میدان میں
اسرائیلیوں سے ہار جانے کو ترجیح دیتیں۔ ازمان کو تل ابیب میں حکومت
اسرائیل کی مکمل حمایت و پشت پناہی حاصل تھی۔ اسی لیے اس نے سفیرا
کی درسگاہ میں متعصب ترین اساتذہ رکھے ہوئے تھے جو اسرائیلی طلباء کے
دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت پیدا کرتے تھے۔ اتنا
شدید تعصب لے کر پروان چڑھنے والے طلباء آگے چل کر چاہے دنیا کے

عظیم سکالر یا سائنس دان بھی بن جائیں وہ سچائیوں کی روشنی سے محروم
ہی رہتے ہیں۔ بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں جو خوش قسمت ترین ہوتے ہیں
اور وہ تعصب کے پہاڑوں سے پار اتر کر حقائق سے دامن بھر لیتے ہیں اور
تب تمام عمر عدل پر قائم رہتے ہیں۔

یوں بھی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آگاہی اور گمراہی کے مالک
اساتذہ ہی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اس ملکیت میں سے کسی کو کیا دیتے ہیں یہ ان
کے مقاصد پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اساتذہ کے مقاصد اپنی قوم کے اعلیٰ مقاصد
کے خلاف ہوں تو وہ قوم کبھی بھی ارفع مقام حاصل نہیں کر سکتی۔

اسرائیلی حکمرانوں نے اس حقیقت کا ادراک بہت پہلے سے کر لیا
تھا۔ ان کے پالیسی ساز اپنی تعلیمی ڈاکٹرائن کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ

"سوویت یونین صرف اپنے اساتذہ کے سہارے ہی چوہتر سال
تک سوشلزم کو مستحکم کرنے میں کامیاب ہوا اور جب اس کے اساتذہ
سوشلزم کے نظام زندگی سے متنفر ہوئے تو وہ اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکا۔"

ان کے اس تجزیے میں کتنی حقیقت تھی اس کے بارے میں کچھ
نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اسی ڈاکٹرین کی بنیاد پر اسرائیل نے اپنی چھوٹی بڑی
درسگاہوں میں کوئی ایک بھی استاد ایسا نہیں رکھا تھا جس کی پہلی ترجیح اپنے
طلباء کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن بنانا نہ ہو۔

(2)

یہ ایک برسات کی رات تھی۔ بارش اتنی تیز کہ طوفان نوح کا گمان ہوتا تھا۔ رہ رہ کر بادل کی گرج دلوں میں وحشت بھر دیتی۔ دور تک سیاہ اندھیرے کا اتھاہ سمندر ایسا کہ بجلی کی چمک بھی زمین سے ناکام لوٹ جاتی۔ ایسے میں گھرا ہوا کوئی بدنصیب مسافر شاید ہی کسی منزل پر پہنچ سکتا۔ کوئی چراغ' بجلی کا کوئی قمقمہ اس اندھیرے کا چیلنج قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ روشنی رکھنے کے باوجود یہ سبھی بے نور لگ رہے تھے۔ بارش کی تیز بوچھاڑ نے کئی پرندوں کو ان کے آشیانوں سے محروم کر کے رکھ دیا تھا اور ان میں سے بے حساب کو قفس زندگی سے بھی آزاد کر دیا تھا اور وہ جابجا درختوں کے نیچے پڑے کے پڑے رہ گئے تھے۔ کتے تو کیا کوئی خونخوار جنگلی جانور بھی اس اولوں بھری برسات کی رات میں نکلنے کی جرات نہ کرتا۔ سوائے بارش کے شور اور بادلوں کی گرج کے سارا ماحول گمبھیر سناٹے کی زد میں تھا۔

رات آدھی سے کچھ زیادہ ہی گزر چکی تھی کہ بوڑھے محمد کریم کو جس کا گھر سفیرا سے کافی دور ایک گاؤں سے باہر درختوں کے بڑے جھرمٹ میں تھا' دروازے پر دو ایک بار دستک محسوس ہوئی۔ کچھ دیر تک اسے وہ یوں ہی خواب یا بارش کی آواز سمجھ کر سوتے اور جاگنے کی حالتِ کشمکش میں رہا۔ یہ دستک دوبارہ دہرائی نہیں گئی تھی۔ اس لیے اس نے اٹھ کر باہر جھانکنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی لیکن پھر بھی اسے اپنے باہر کے دروازے پر جیسے اکھڑے ہوئے سانسوں کی آواز رہ رہ کر سنائی دینے لگی تھی۔ اس نے بادل نخواستہ اپنی ٹارچ لیے دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک

نوجوان لڑکی جو دروازے سے نیم مردہ حالت میں لگی ہوئی تھی' دہلیز پر بے ہوش جا پڑی۔

یہ دوشیزہ معلوم نہیں سر سے پاؤں تک بارش میں کب سے بھیگ رہی تھی اور اس کے چہرے سمیت جسم کے مختلف حصوں سے خون رس رس کر اس کے کپڑوں کو لہو رنگ کر چکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ بارش میں اندھیرے کی وجہ سے گرتے پڑتے رہنے سے اس کے جسم پر کافی چوٹیں آ چکی تھیں۔ بوڑھے کے لیے اس دوشیزہ کا چہرہ بالکل اجنبی تھا کیوں کہ آج تک آس پاس کے دیہاتوں میں بھی کبھی ایسی صورت اسے نظر نہ آئی تھی۔ بوڑھا کریم بڑی شفقت سے اپنے بوڑھے بے زور ہاتھوں سے اس خاتون کو بمشکل اٹھا' گھسیٹ کر کمرے تک لے آیا اور آگ جلا کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دنوں پہلے اس کی اسی عمر کی بیٹی کو ازمان نے قتل کروا دیا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں رہ رہ کر آنسو آ جاتے تھے۔ لے دے کر اس کے پاس بیٹی کے چند لباس رہ گئے تھے۔ جن کی خوشبو سے کبھی کبھی وہ اپنے دل کو سکون دے لیتا۔ اس لڑکی کو دیکھتے ہی وہ اپنی بیٹی کی یادوں میں کھو گیا اور یہ بھول گیا کہ بارش اور درد کی ماری اس نیم مردہ دوشیزہ کو بہت جلد بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ مگر وہ اس چیختی ہوئی سیاہ رات میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ اگر وہ دور و قریب کے کسی حکیم یا ڈاکٹر کو بلا بھی لاتا تو کیا معلوم وہ پناہ کی خاطر بھٹکنے والی لڑکی مزید کسی خطرے میں گھر جاتی اور رات گئے وہ یوں کسی کو بھی اس کی موجودگی کا بہتر جواز پیش نہ کر سکتا۔ اس نے آگ کی تپش اور اس کے لیے زندگی کی دعا کو ہی علاج جانا۔

کریم کے لیے یہ ایک عجیب تجسس بھری رات تھی۔ اس نے دو ایک بار گھر سے باہر جاکر دور تک دیکھنے کی کوشش کی تاکہ اس کے آنے کا کچھ تو اتہ پتہ مل سکے مگر بارش کی بوچھاڑ اور اندھیرے کی دیوار نے اسے کوئی خبر نہ ہونے دی۔ کچھ ہی دیر بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ معصوم جواں سالہ کسی ملائکہ کی طرح آنکھ کھول رہی تھی اور جیسے بزرگ دعائیں اسے حیاتِ تازہ سے آشنا کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بوڑھے کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔

اس کی نگاہیں پوچھ رہی تھیں کہ:

"میں کہاں ہوں؟ اور آپ کون ہیں؟"

مگر بوڑھا خاموش رہا۔

اب تو بارش بھی تھمنے لگی تھی اور تیز ہوا کے شوریدہ جھونکوں کا شور بھی مدھم پڑنے لگا تھا۔ کریم نے اپنی بیٹی کا لباس اس کے بھیگے بدن کے پاس لاکر رکھ دیا اور اس کے لیے کچھ کھانے کو تلاش کرنے لگا۔ کھجور اور شہد کے علاوہ گھر میں کوئی بہتر شے میسر نہ آسکی لیکن اس لمحے یہ بھی کسی تریاق سے کم نہ تھیں۔ اس طرح وہ مضمحل دوشیزہ آہستہ آہستہ سنبھل چکی تھی۔ اپنی بیٹی کی شبیہہ جان کر کریم نے انتہائی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میں کہاں ہوں؟"

بوڑھے نے کہا:

"تم گاؤں خارا میں ہو جس کے باہر یہ میرا گھر ہے۔"

لڑکی نے پھر تھکی ہوئی آواز میں کہا:

"آپ کون ہیں؟"

بوڑھے نے کہا:

"میرا نام کریم ہے اور پچھلے کئی سالوں سے میں یہاں مقیم ہوں لیکن تم کون ہو اور اس سیاہ طوفانی رات میں کیونکر بھٹک رہی ہو؟"

لڑکی نے عاجزی سے کہا:

"بابا! مجھے پناہ چاہیے تاکہ میں آپ کے سوالات کا جواب دے سکوں۔"

بوڑھے نے شفقت سے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"بیٹی! تم اس وقت بالکل محفوظ جگہ پر ہو اور میں آخری دم تک تمہاری حفاظت کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم چاہو تو مجھ سے اپنا حال کہہ سکتی ہو۔"

مگر لڑکی نے بڑی افسردہ آواز میں کہا:

"اس وقت مجھے جس خطرے کا سامنا ہے۔ اس کے مقابل آپ پناہ تو دے سکتے ہیں مگر حفاظت نہیں کر سکتے۔"

کریم حیرت سے اسے دیکھنے لگ گیا۔

اس نے پوچھا:

"راز کیا ہے؟"

لڑکی نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا:

"حقیقت یہ ہے کہ عبدالودود کے لڑکے کسی وقت بھی آپ کے گھر میں داخل ہو کر ہمیں قتل کر دیں گے یا پھر سے مجھے اٹھا لے جائیں گے۔" ان آخری الفاظ کے ختم ہوتے ہی کریم نے بہت دور سے آتی ہوئی کچھ لوگوں کی چاپوں کی آواز سن لی۔

بوڑھے نے کہا:

"مجھے لگ رہا ہے کہ تمہارا پیچھا کرنے والے کافی قریب آ چکے ہیں۔ اس لیے جتنی جلد ممکن ہو سکے ساتھ والے کمرے سے منسلک تہہ خانے میں جا چھپو اور دم سادھ لو۔" کریم نے ساتھ ہی اس کے بھیگے کپڑے بھی چھپا دیئے اور کوشش کی کہ لڑکی کی آمد کا کوئی نشان تک نہ رہے۔

رات کے اس وقت کوئی تین بج چکے ہوں گے۔ بارش کی پھوار اور تیز ہوا کے جھونکوں نے ویسے ہی اس اجنبی لڑکی کے قدموں کے نشانات راستوں سے مٹا ڈالے تھے۔ پیچھا کرنے والے کسی شک کی بنیاد پر تو وہاں آ سکتے تھے لیکن کسی یقینی کھوج کے سہارے یہاں تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ ویسے بھی سیاہ رات کا بھیگا اندھیرا بلا تفریق ہر چیز کو چھپا لیتا ہے اور سوائے روشنی کی للکار کے کسی کو کچھ خبر نہیں ہونے دیتا۔

بوڑھا حالت تذبذب میں پھر لیٹ گیا مگر پھر جیسے اس کی بیٹی کی روح اس کے پاس آ بیٹھی ہو اور محبت سے اسے تکتی جا رہی ہو۔ وہ چونک کر پھر بیٹھ گیا۔ سہم کر چھپی ہوئی اس لڑکی پر اسے اس قدر رحم آیا کہ اس نے تہیہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو وہ اس کی حفاظت میں جان دے دے گا۔ اسے یہ تجسس ضرور تھا کہ آخر "یہ لڑکی کون ہے"؟ آنے والے کریم کے گھر کی پچھلی طرف سے اتنے قریب آ چکے تھے کہ اب ان کی چاپوں کی آوازیں بھی آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس طرز کے ماحول میں بھی وہ اپنی بیٹی کے تصور سے پیچھا نہ چھڑا پا رہا تھا۔ شاید اس کی وجہ ماحول کی مماثلت تھی جس میں اسے شہید کیا گیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد کریم کے دروازے پر زوردار دستک ہونے

لگی۔ کریم نے بڑے اطمینان سے دروازہ کھولا اور تین کڑیل نوجوانوں کو اپنے سامنے پایا۔

"اس یہودی سفاک لڑکی کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟" انہوں نے بغیر تمہید کے بوڑھے کو جھنجھوڑ ڈالا:

"اور سنو! ہمارا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہمارے قید خانے سے بھاگی ہوئی لڑکی کے لیے اس راہ پر پہلی پناہ گاہ آپ ہی کا گھر ہے۔" بوڑھے نے بڑے اعتماد سے کہا:

نوجوانو!

"کیا یہ لازم ہے کہ وہ میرے ہی گھر کی جانب بھاگی ہو۔ فرار ہونے والا مشرق کی بجائے مغرب کو بھی تو جا سکتا ہے یا وہ کوئی بھی طرف لے سکتا ہے۔"

ایک نوجوان نے کریم کی طرف اپنی بندوق کا رخ کرتے ہوئے کہا:

"ہمارے پاس بحث کا وقت نہیں۔ ہمیں صرف اپنے سوالوں کا جواب چاہیے۔"

بوڑھے نے مزید اعتماد بھری آواز میں کہا:

"میری اپنی عمر گولیوں سے کھیلتے ہوئے گزری ہے۔ تم اس طرح مجھ سے کیا پوچھ پاؤ گے؟"

بڑے نوجوان نے اپنے ساتھی سے بندوق ہٹانے کو کہا:

کریم اسی دوران اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر لڑکی کو چھپانے کے بہانے تراش چکا تھا۔ اس نے اپنی بندوق کو بھی زیادہ دور نہ رکھا ہوا تھا مبادا کہ

اس کی ضرورت پڑ جائے۔ اس نوجوان کے بندوق ہٹانے پر بوڑھے نے بتایا:

"بارش کی تیز بوچھاڑ کے دوران ایک لڑکی آئی ضرور تھی لیکن اس کے ختم ہوتے ہی کچھ دیر پہلے میرے روکنے کے باوجود یہاں سے چلی گئی۔ لیکن اگر مجھے علم ہو جاتا کہ وہ کوئی ظالم یہودی خاتون ہے تو شاید میں آپ کے حوالے کرنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیتا۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ گھبرائی ہوئی تھی اور میرے تجسس کے باوجود وہ کچھ بتانے سے گریزاں تھی۔ میرا خیال ہے یہاں سے اس نے مشرق کی راہ لی ہوگی لیکن بہتر ہے تم میرے گھر کی تلاشی لے لو تاکہ آئندہ اس کی تلاش میں واپس لوٹ کر تم مجھ سے بار بار سوال نہ کر سکو۔"

اگرچہ ہوا سرد طوفانی تھی اور ان کا دل چاہا کہ کچھ دیر بوڑھے کے گھر میں آرام کر لیا جائے لیکن یہ ضروری تھا کہ لڑکی کو کسی بہت محفوظ مقام پر پہنچ لینے سے پہلے ہی جالیا جائے جس طرح کہ بوڑھے نے انہیں آگاہ کر دیا تھا۔ جانے سے پہلے تینوں نوجوانوں نے اپنے شکوک دور کرنے کے لیے اس کے گھر کی تلاشی لینا مناسب سمجھا اور یوں انہوں نے بے دھڑک سارے گھر کو چھان مارا۔

بابا!

"آپ کے گھر میں کوئی خاتون نہیں پھر یہ لباس کس کے ہیں؟" ایک جوان نے ایک لباس کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"یہ شہید ہونے والی میری بیٹی کے ہیں جو آزادی فلسطین کی جدوجہد میں کام آگئی۔" کریم بابا نے جواب دیا:

"کیا آپ اسارہ کی بات کر رہے ہیں جو اشبیلیہ میں لیکچرار تھی۔" بڑے نوجوان نے استفسار کیا:

"تم ٹھیک کہتے ہو! لیکن تم اسے کیسے جانتے ہو؟" کریم بابا نے حیرت سے پوچھا۔

نوجوان نے کہا:

"بابا! اسے کون نہیں جانتا۔ وہ تو آزادی کے لیے شعلہ بار جذبوں کی مالک تھی لیکن وہ عرب تھی نہ ہی فلسطینی۔ اس کے شہید ہونے کے بعد پتہ چلا کہ وہ پاکستانی تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔" بوڑھے نے اثبات میں ان کی بات کو مکمل کر دیا اور رائے دی:

"اس سے پہلے کہ وہ اسرائیلی لڑکی تمہاری رسائی سے کہیں بہت دور نکل جائے بہتر ہے کہ مزید وقت ضائع کیے بغیر اسے جالیا جائے۔ اور اگر اجازت دو تو میں بھی آپ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔"

بڑے نوجوان نے زیادہ مناسب سمجھا کہ بوڑھے کو ساتھ لے لیا جائے تاکہ اس کے تجربے اور علاقے میں اس کی جان پہچان کو بھی کام میں لایا جا سکے۔

رات پوری طرح ٹوٹی نہیں تھی اور ابھی دور تک صبح کے اشارے بھی نہیں تھے کہ وہ گھر سے نکل پڑے۔ نوجوانوں کو یقین تھا کہ وہ لڑکی کو نکلنے نہیں دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے تیز قدموں سے تلاش شروع کر دی۔ وہ رہ رہ کر موسم کو کوس رہے تھے کہ آج کے طوفان نے ہماری منزل کو بہت دور کر رکھا ہے۔ روشنی ہوتی تو اس کے قدموں کے نشانات مل جاتے تو وہ کبھی کا اسے واپس لے آئے ہوتے لیکن اس ماحول میں تو وہ

بہت سی راہوں میں بے راہ ہو چکے تھے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ایسے میں کس طرف کا رخ کیا جائے۔ لے دے کر ان کے پاس بوڑھے کی بتلائی ہوئی جانب تھی جس کی طرف انہیں فوراً" نکل پڑنا تھا۔

مشرق کی جانب چلتے ہوئے بڑے نوجوان نے کہا:

"بابا!

"آپ کو یقین ہے کہ وہ واقعی اسی طرف گئی تھی۔"

کریم نے کہا:

"جہاں تک میری نگاہ جاتی تھی اس کا راستہ تو یہی تھا لیکن آگے چل کر وہ کہاں نکل گئی ہو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

اس نے مزید حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

"فرار ہونے والا عقل سے زیادہ جسم سے کام لیتا ہے تاکہ پیچھا کرنے والوں سے بہت دور نکل جائے۔ اس لحاظ سے لڑکی تھک کر کہیں ادھر ادھر جا لگی ہوگی۔" لیکن یہ راستہ کافی دشوار گزار تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کانٹے دار جھاڑیاں تو تھیں ہی مگر سامنے چھوٹے سے تالاب کی دلدل دور سے ہی شروع ہو جاتی تھی۔ کریم نے تالاب پر پہنچ کر انہیں دائیں طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد پرندوں کی اڑان نے خبر دی کہ روشنی بہت دور نہیں ہے۔ آفتابی کرنوں کے ساتھ ساتھ بادل ٹوٹ رہے تھے اور بھیگی صبح اپنے سنہری ریشمی آنچل کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔

سب سے چھوٹے نوجوان نے کہا:

"ہم کیوں نہ الگ الگ راستوں پر نکل جائیں تاکہ ہماری جدوجہد بے کار نہ جائے۔" بڑے نوجوان نے اس کی تائید کی۔

کریم نے کہا:

"اگر وہ لڑکی مل جائے تو کیا آپ میں سے کوئی تنہا اسے واپس لانے میں کامیاب ہو سکے گا؟"

یہ ایک اہم سوال تھا جس کے لیے وہ متفکر ہو گئے۔ تب انہوں نے فیصلہ کیا کہ اکٹھے ہی مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے پوچھتے پچھاتے کہیں نہ کہیں اس کا اتہ پتہ نکال لیں۔

بڑے نوجوان نے کہا:

"جب ہمیں سفیرا سے اسے اغوا کرتے ہوئے مشکل پیش نہ آئی تھی تو اب وہ کیوں کر اپنی مدافعت کر سکے گی۔"

چھوٹے نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"بابا ٹھیک کہتا ہے۔ اس وقت وہ واردات سے بے خبر تھی مگر اب وہ پوری طرح سے ہوشیار ہو چکی ہوگی۔ ویسے بھی وہ ایک عام لڑکی نہیں لگتی کیوں کہ جب تک ہم اسے صحیح طور پر پہچان سکے۔ وہ اس سے پہلے ہی ہماری قید کو الوداع کہہ چکی تھی۔"

بوڑھے نے محسوس کیا کہ ان کا تیسرا ساتھی خاموش طبع ہے اور کہنے سے زیادہ سننے کو ترجیح دیتا تھا۔ کریم کا خیال تھا کہ انہیں مایوس ہو کر واپس نہیں جانے دے گا تاکہ لڑکی دوبارہ ان کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اگرچہ اس کی عقل کہتی تھی کہ وہ دشمن زاد ہے اور اپنی بیٹی کی شہادت کا بدلہ اس سے لیا جا سکتا تھا لیکن دل و ضمیر کہتے تھے کہ سنت اسلام یہ ہے کہ اگر دشمن کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا جائے تو پھر اس کی حفاظت بھی لازم ہو جاتی ہے۔ کریم کو یہ بھی خوف تھا کہ لڑکی اس کے گھر سے نکل کر کہیں وہی راہ

نہ لے لے جس پر وہ انہیں لیے گھوم رہا تھا۔ صبح، دوپہر تک آ گئی تھی لیکن نوجوان ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے پائے تھے۔

تیسرے ساتھی نے کہا:

"میرے خیال میں سامنے والا گاؤں زیادہ اہم ہے کیوں کہ لڑکی شام تک کسی نہ کسی گھر میں وہاں پناہ لے سکتی ہے۔ چنانچہ ایک طریقہ تو یہ ہے ہم کسی نہ کسی طرح کھوج لگاتے ہوئے گاؤں کو تلاش کر ڈالیں۔ لیکن اس طرح ہماری خبر پا کر وہ زیادہ ہوشیار ہو سکتی ہے۔"

"دوسرا طریقہ کیا ہے؟" بڑے نوجوان نے تجسس بھرے لہجے سے پوچھا۔

تیسرے ساتھی نے جواب دیا کہ:

"ہم بجائے گاؤں میں پتہ لگانے کے باہر رہ کر رات کا انتظار کرتے ہیں اور گاؤں کے چاروں طرف خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھتے ہیں۔" چھوٹے نوجوان کو یہ بات پسند آئی اور اس نے ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا۔

لیکن کریم نے کہا:

"اگر وہ گاؤں میں نہ ہوئی تو ہماری اب تک کی بھی تمام محنت اکارت جائے گی۔ اس لیے فی الحال ہمیں تلاش کرتے کراتے بڑھتے رہنا چاہیے۔ البتہ کسی ایک کو ہم یہاں چھوڑ کر آگے بڑھ سکتے ہیں تاکہ اگر وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر نکل جانے کی کوشش کرے تو صحیح وقت پر قابو کیا جا سکے۔" بڑے نوجوان کو یہ بات پسند آئی اور وہ اسی تجویز کے تحت آگے چل دیئے۔"

کچھ ہی دور جانے کے بعد انہوں نے ادھر ادھر سے کچھ کھانے کا سامان لیا اور پھر جلد ہی باقی علاقے کو چھان مارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

پرندوں کے لوٹنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ شام جلد ہی ستاروں بھرا آنچل اوڑھ لے گی۔ اور ابھی تک بادل بھی مکمل طور پر چھٹنے نہ پائے تھے۔

اسی لیے تیسرے ساتھی نے تجویز دی کہ

"اور آگے چلتے رہنا بے سود ہو گا کیوں کہ آج کی رات بناء چاند کے ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ بادل ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ ہم واپسی کا وہی راستہ اختیار کریں اور گاؤں کے باہر چھوٹے نوجوان سے جا ملیں۔"

اس موسم کی شامیں زیادہ سرد تھیں اور پچھلی رات کی برسات نے تو انہیں اور بھی بے رحم کر دیا تھا۔ اس لیے کریم نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

ویسے بھی اس کا خیال تھا کہ لڑکی اپنی پسند کے مقام پر پہنچ چکی ہو گی۔ کریم کو یہ بھی علم تھا کہ اگلے راستوں پر تو بہرحال اسرائیلی نئی بستیاں شروع ہوتی ہیں اس لیے آگے بڑھنا بالکل درست نہ ہو گا۔

چنانچہ کریم انہیں ادھر ادھر کی راہوں پر لیے ہوئے رات کے شروع ہونے تک واپس اسی سامنے والے گاؤں کے باہر لے آیا۔ اگرچہ وہ سردی سے بچنے کے لیے پچھلی رات سے بہتر لباس میں تھے پھر بھی رات بھر کے انتظار نے انہیں نڈھال سا کر دیا تھا۔ یوں بھی جاگتے جاگتے انہیں دو تین راتیں ہو چکی تھیں اس لیے وہ ایک جگہ پڑے پڑے ہی سو گئے اور انہیں کچھ خبر نہ رہی کہ وہ کون سی دنیا کے مسافر ہیں۔ اگلی دوپہر کو کہیں جا کر انہیں ہوش آیا تو چمکتا ہوا سورج ان کے سروں پر تھا۔ بڑے نوجوان نے سب کو واپسی کا مشورہ دیا۔ چھوٹے نوجوان نے آہ بھرتے ہوئے کہا:

"ہم اس بار بھی ازمان یہودی کو سبق نہ سکھا سکے اور ہماری یہ نامرادی اسے اور طاقتور بنا دے گی۔"

واپسی پر انہیں خبر ملی کہ اسرائیلی فوج نے پورے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور عبدلودود کے بیٹوں کی تلاش میں تھی تاکہ انہیں گرفتار کرکے اسرائیلی لڑکی کو ان سے بازیاب کروایا جا سکے۔ یہ خبر ان کے لیے انتہائی باعث تشویش تھی کیوں کہ اب ان کو اپنے لیے پناہ تلاش کرنا مشکل تھا۔ اگر لڑکی ابھی تک ان کے پاس ہوتی تو وہ اس کے بدلے میں کچھ سودے بازی کرسکتے تھے لیکن اب وہ قطعی طور پر نہتے ہو چکے تھے۔

(3)

اس علاقے کے لوگوں کا تجربہ تھا کہ اسرائیلی فوج جب گھیرا ڈال کر داخل ہوتی تھی تو پھر سماں قیامت سے کم نہیں ہوتا تھا جب تک کہ ان کا مقصد حاصل نہ ہو جائے ہر طرف گرفتاریاں اور قتل عام جاری رہتا تھا۔

یہ تو اب یقینی بات تھی کہ ان نوجوانوں کو اسرائیلی فوج پکڑ کر یا تو گولی مار دے گی یا ٹارچر سیل میں اس وقت تک زندہ رکھے گی جب تک کہ یہودی لڑکی کا پتہ نہیں چل جاتا۔ یہ بھی تجربہ تھا کہ اسرائیلی فوج محاصرہ شدہ علاقے میں داخل ہو کر تیزی سے پھیل جایا کرتی تھی اور فرار کے تمام راستے مسدود کر دیتی تھی۔

بوڑھے کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ اس نے ان نوجوانوں کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ لاشعوری طور پر انتقامی ہو چکا تھا اور بیٹی کے قاتلوں کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جسمانی طور پر اس میں اتنی توانائی نہیں تھی کہ انتقام کی آگ میں کسی سے زور آزما ہوتا۔ البتہ اس کا تجربہ اور دانش زیادہ قابل اعتماد تھے۔

کریم نے سوچا کہ اب تک لڑکی ویسے ہی جا چکی ہوگی اور لڑکوں کو لے جا کر اپنے ہی گھر میں اسی تہہ خانے میں چھپا دیا جائے۔ اس وقت جہاں وہ چل رہے تھے وہاں سے اس کا اپنا گھر اگرچہ بہت دور نہ تھا پھر بھی اس مقام کے قرب و جوار میں ان کی پہچان والا کوئی گھر نہ تھا۔ نوجوان جوں جوں آگے بڑھتے جاتے وہ اپنے آپ کو اسرائیلی فوج کے شکنجے میں محسوس کرتے۔

بڑے نوجوان نے کہا:

بابا!

"اب تو ہمارے لیے کوئی راہ نہیں! آپ کہیں اور چلے جائیں! کہیں آپ کو بھی ہمارے قصور میں شامل نہ کرلیا جائے۔"

چھوٹے نوجوان نے تائید کرتے ہوئے کہا:

"بابا یہ درست ہے۔ آپ اپنی راہ لیں اس لیے کہ اسرائیلی مخبروں کی خفیہ تنظیم امان بہت کامیاب ہے۔"

"ابھی تو صرف راہوں کے سنگ میل ہمیں دیکھ رہے ہیں پھر ہمارے خلاف گواہی دینے والے بہت سے اپنے بھی ہوں گے۔" یہ کہتے ہوئے وہ نوجوان افسردہ ہو گیا۔

لیکن بوڑھے نے یہ کہتے ہوئے جدا ہونے سے انکار کر دیا کہ:

"میں شہید ہونے والی اس بیٹی کا باپ ہوں جو فلسطین کے لیے ماری گئی۔"

کریم کو یقین تھا کہ لڑکی کے چلے جانے کے باعث وہ اسے پناہ دینے یا حفاظت کا ذمہ لینے کے وعدے سے سرخرو ہو چکا ہو گا۔ اس لیے اس نے تینوں نوجوانوں کو واپس اپنے گھر میں پناہ دینے کی پیش کش کی۔

لڑکی نے دور ہی سے درختوں کے جھنڈ میں سے بوڑھے کو دوبارہ انہی نوجوانوں کے ساتھ تھکے قدموں سے آتا دیکھ لیا۔ اس نے بغیر خوف زدہ ہوئے سوائے آنکھوں کے سارے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سب گھر میں داخل ہوئے تو بوڑھے کا رنگ زرد پڑ گیا اور جیسے اس کے دل و دماغ کہر بن کر جسم کے اندر پھیل گئے ہوں۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی بڑے نوجوان نے کہا:

بابا!

"یہ خاتون کون ہے؟"

"میں اسارہ کی بہن ہالیہ ہوں۔" اس نے کریم کی زبان کھلنے سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"اور میں کچھ ہی دیر پہلے آئی ہوں مگر میں حیران تھی کہ بابا کہاں چلے گئے؟ اس نے ان کی حیرانی کم کرنے کے لیے بات بنائی۔ اس نے آتے ہی انہیں آگاہ کر دیا کہ ساتھ والے گاؤں میں کافی شور ہے کہ اسرائیلی فوجی اپنی کسی لڑکی کی تلاش میں تین نوجوانوں کو گرفتار کرنے کے لیے گھر گھر تلاشی لے رہے ہیں۔ اسی لیے میرا خیال ہے کہ وہ ایک بار پھر ادھر بھی آ سکتے ہیں۔"

"کیا وہ پہلے بھی آ چکے ہیں؟" کریم نے پوچھا۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے اسرائیل کے دو فوجی آفیسر سارے گھر کی تلاشی لے کر جا چکے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"کیا انہوں نے آپ سے بھی کوئی پوچھ گچھ کی تھی؟" بڑے نوجوان نے پوچھا۔

"انہوں نے پوچھا تھا کہ یہاں کون کون رہتا ہے؟ تو میں نے بتا دیا تھا کہ یہاں صرف میں اور میرے بابا رہتے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

بوڑھے کریم کے لیے اس لڑکی کی اپنائیت بہت پر اسرار تھی اور ابھی تک اس کا گھر کو نہ چھوڑ دینا بھی بہت زیادہ باعث الجھن تھا۔

لڑکی نے کریم کو تذبذب اور ذہنی کشمکش میں محسوس کر کے سوال کیا:

بابا!

"آپ کے ساتھ یہ لوگ کون ہیں؟" کریم اپنی الجھن میں چونکا تو سہی لیکن بڑے نوجوان نے پہلے ہی کہہ دیا:

"آپ ہمیں نہیں جانتی ہو لیکن آپ کے بابا کی ہم سے پرانی شناسائی ہے۔"

چھوٹے نوجوان نے کہا:

"بابا کی بیٹی کی یہ بات بہت اہم ہے کہ اسرائیلی فوجی پھر ادھر کا رخ کر سکتے ہیں۔"

لڑکی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"آپ بھی تین ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ شک میں آپ سب کو دھر لیا جائے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آپ کہیں چھپنے کا بندوبست کریں۔ گاؤں سے باہر درختوں کا یہ جھنڈ ان کے لیے کافی پرکشش ہے اور اگر انہوں نے دوبارہ ادھر کا رخ کیا تو اس گھر کو اکیلا جان کر اس کی پھر سے تلاشی لے سکتے ہیں۔"

بوڑھا ابھی تک دم بخود پول کھل جانے کے خوف سے سکتے میں تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ ابھی تک چلی کیوں نہیں گئی مگر یہ اتنی حاضر دماغ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اسارہ کی بہن ظاہر کرکے ایک لمحے کے لیے بھی نوجوانوں کو شک نہیں ہونے دیا کہ یہ وہی اسرائیلی لڑکی ہے جسے وہ اغوا کرکے لائے تھے اور انہی کی قید سے بھاگ نکلی تھی۔

نوجوانوں نے سوالیہ نگاہوں سے بابا کی جانب دیکھا۔ یعنی وہ پوچھ رہے تھے کہ گھر میں کون سی محفوظ جگہ ہے جہاں وہ چھپ سکتے ہیں۔ کریم نے کچھ سوچ کر انہیں تہہ خانے میں چلے جانے کے لیے کہا۔ لڑکی نے تینوں

نوجوانوں کی اس جانب راہنمائی کی اور انہیں کھجوروں کی ایک تھالی اور چراغ دے کر باہر آ گئی۔

کریم خوف زدہ نظروں سے ابھی تک اس کو تکتا جا رہا تھا۔ لڑکی نہایت محبت سے اس کا بازو پکڑ کر باہر ذرا دور باغ میں لے گئی۔

اس نے کہا:

"بیٹی یہ آپ نے کیا کیا۔ میری تم سے استدعا ہے کہ چلی جاؤ۔ تاکہ یہ نوجوان محفوظ رہ سکیں۔ جس طرح میں نے تم کو پناہ دی اسی طرح یہ بھی میری پناہ میں ہیں۔ میں دونوں طرف سے گھر گیا ہوں۔ مجھے دونوں کی حفاظت کے لیے اپنے وعدے کو نبھانا ہے۔ نوجوانوں کو آپ کا پتہ چل گیا تو وہ میری ایک نہ سنیں گے اور اگر اسرائیلیوں کو ان کا پتہ چل گیا تو میں صرف جان دے سکوں گا مگر انہیں بچا نہ سکوں گا۔ اس لیے گزارش ہے کہ جو ہوا سو ہوا۔ اب جانے دو اور ان نوجوانوں کے بارے میں نہ بتلانا یا مجھے اس بندھن سے آزاد کردو اور کہو کہ تم میری پناہ سے نکل چکی ہو ورنہ اسرائیل کے فوجیوں نے اگر تم کو یہاں دیکھ لیا تو وہ ان کو گولی مار دیں گے اور میرے سمیت اس گھر کو آگ لگا دیں گے۔" لڑکی صرف ہلکا سا مسکرا کر خاموش رہی اور بابا کو کوئی جواب نہ دیا۔

ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ بابا کو کس بات کا کیا جواب دے کہ ان درختوں سے دور اس پار شور اور چیخوں کی آوازیں ابھریں۔ لڑکی بوڑھے کو لے کر گھر کے پاس آ گئی۔ وہ دونوں اسرائیلی آفیسر ساتھ والے گاؤں سے جیپ میں باندھ کر کچھ عورتوں اور مردوں کو لا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے دیکھا کہ مسلمان مردوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے

اور انہیں گولی سے اڑانے کے لیے انہی درختوں میں ایک درخت کے پاس کھڑا کر دیا تھا۔ ایک آفیسر عورتوں کو بالوں سے پکڑ کر ادھر ادھر گھسیٹ رہا تھا۔ یہ ایک دلدوز منظر تھا۔ بوڑھے کی زبان کچھ کہنے کے لیے لڑکھڑائی مگر لڑکی نے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ ان کو چھڑانے کے لیے گاؤں کے لوگ ماتم کرتے ہوئے ان درختوں کی جانب دوڑے آ رہے تھے۔

ایک آفیسر بوڑھے کی چھت پر چڑھ گیا اور اعلان کیا:

"اگر آپ عبدالودود کے بیٹوں کو جنہیں تم نے کہیں اپنے گاؤں میں چھپا رکھا ہے ہمارے حوالے نہیں کرو گے اور اس اسرائیلی لڑکی کو جنہیں وہ اغوا کر کے لائے ہیں ہمیں واپس نہیں کرو گے تو ہم ایک ایک کر کے ان سب کو گولی مار دیں گے۔"

سارے کا سارا گاؤں فریادیں کرنے لگ گیا کہ ہمیں علم نہیں کہ وہ لڑکے کون ہیں اور لڑکی کہاں ہے؟ آپ ہم پر ظلم نہ کریں۔

"اگر آپ لوگ بے قصور بھی ہیں تو بھی آپ کو قتل کرنا ضروری ہے تاکہ جس گاؤں میں وہ چھپے ہیں۔ ان کو آگاہی ہو جائے کہ ان کی گرفتاری تک یہ طریقہ چلتا رہے گا اور ان کا انجام آپ سے بھی زیادہ بھیانک ہو گا۔"

کریم کے پاس کھڑی وہ لڑکی جس نے سوائے اپنی آنکھوں کے تمام چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ آگے بڑھی اور بڑے حوصلے کے ساتھ گرجدار آواز میں کہا۔

"آفیسر اگر اس علاقے کے تمام انسانوں کو قتل کر کے بھی تم اس لڑکی کو بازیاب نہ کر سکو تو کیا کرو گے؟"

"تو آپ جیسی یہاں کی سب لڑکیوں کو اٹھا لے جائیں گے۔"

آفیسر نے جواب دیا۔

"تاکہ کل کو پھر کسی عبدالودود کے لڑکے تمہاری لڑکیوں کو اغوا کر کے لے آئیں۔" لڑکی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دے دیا۔ لڑکی بڑے جوش اور جذبے سے کہتی گئی:

"اور سنو تم کب تک فرعون اور موسیٰ کی داستان دہراتے رہو گے کہ دشمن کے مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں کو زندہ رکھا جائے۔"

"آفیسر یاد رکھو کہ اس طرح پھر کوئی موسیٰ پیدا ہو جاتا ہے۔ آج تک تم ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان مردوں اور عورتوں کو قتل کرتے آ رہے ہو لیکن کیا تم خود چین سے سو سکے ہو اور کیا تمہاری تمام تر طاقت کے باوجود تمہاری کسی لڑکی کو یہی مسلمان لڑکے اغوا کر کے نہیں لے آئے۔ کیا تم یہ واقعہ رکوا سکے تھے اور آفیسر کہو اپنے لوگوں سے کہ اپنی بندوقوں کی نالیوں سے نہیں بلکہ اپنے دماغوں سے سوچیں۔"

"لیکن تمہارے یہ الفاظ ہمیں متاثر نہیں کر سکتے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"تو یہ آپ کی اور آپ کی قوم کی بدقسمتی ہے کہ سچائیوں کو ٹھکرا دیتے ہو۔" لڑکی نے جواب دیا۔

آفیسر لاجواب ہو کر لڑکی کی جانب دیکھنے لگ گیا۔ نیچے کھڑے آفیسر نے چھت پر کھڑے ہوئے آفیسر کو نیچے آنے کا اشارہ کیا اور نہ جانے ان کے دل میں کیا آئی کہ ہوا میں گولیاں چلاتے ہوئے گاؤں والوں کو زندہ

چھوڑ کر چلے گئے۔

گاؤں والوں نے لڑکی کو گھیر لیا اور نہایت تشکر بھرے لہجے میں اس کا اتہ پتہ جاننے کی کوشش کرنے لگے۔ لوگ پوچھ رہے تھے کہ لڑکی کون ہے اور کس گھر سے اس کا تعلق ہے؟ بوڑھے نے اس کا تعلق اپنے سے ظاہر کرکے گاؤں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ لوگ حیران تھے اور آپس میں باتیں کر کرکے لڑکی کو خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے کہ ایک عمر سے کبھی کسی نے اسرائیلی فوجیوں کو یوں لاجواب نہیں کیا جتنا آج اس لڑکی نے کر دیا۔

بڑے بوڑھے کہہ رہے تھے۔

"اگر ہم میں اس قسم کے دو چار لوگ پیدا ہو جائیں تو ہماری تقدیر بدل جائے۔" لوگ آگے بڑھ بڑھ کر لڑکی کو دیکھنا چاہ رہے تھے۔ وہ لوگ جنہیں مار دینے کے لیے درختوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ انہیں کھولا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور جذباتی ہونے کے باعث بات نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ صرف ہاتھوں سے ہی اس کا شکریہ ادا کر رہے تھے اور کچھ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو چوم رہے تھے۔ یہ بڑا رقت انگیز منظر تھا۔ لوگ لڑکی کے پاس سے جانے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ بچے اس کا آنچل پکڑ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ کچھ روتے ہوئے اس کے دامن سے لپٹ چکے تھے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر لڑکی ان سے نہ ٹکراتی تو ان کے والدین کو گولیوں سے اڑا دیا جاتا۔

لڑکی بڑی مشکل کے ساتھ ہجوم سے بچتے بچاتے واپس گھر میں داخل ہوئی اور لوگ عافیت مناتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ لیکن کریم

کی وہ رات بھی تذبذب اور شک و شبے میں گزر گئی۔ کیوں کہ ابھی تک یہ اندیشہ تھا کہ اسرائیلی فوجی پھر آ سکتے تھے۔ نوجوانوں نے تہہ خانے میں ہی ٹھہرنا مناسب سمجھا۔ اگلی صبح خبر آئی کہ اسرائیلی کافی ظلم و ستم کر کے ناکام واپس چلے گئے ہیں۔

لڑکی نے دوپہر سے پہلے نوجوانوں کو تہہ خانے میں خبر دی اور باہر آنے کے لیے کہا۔ گھر کا پچھلا لان نسبتاً زیادہ محفوظ تھا اس لیے کریم انہیں لے کر وہاں چلا گیا۔ لڑکی نے جو قہوہ تیار کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ کھانے کو لے کر ان کے پاس ہی اپنے مخصوص ڈھانپے ہوئے چہرے کے ساتھ بیٹھ گئی۔ بڑے نوجوان نے کریم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"بابا اسارہ کی بہن نے گاؤں والوں اور ہم سب کو محفوظ کر لیا ورنہ کل قیامت برپا ہو جاتی۔"

کریم نے کہا:

"آپ کیسے جانتے ہو؟"

اس نے بتایا:

"پچھلی شام تک کی تمام آوازیں تہہ خانے کے چور روشن دان سے ہم تک پہنچتی رہی ہیں اور چھت پر کھڑے آفیسر سے تو کچھ بعید نہیں تھا کہ کسی وقت بھی لوگوں کو گولیوں سے اڑا دیتا اور اس گھر کو آگ لگا دیتا۔ نوجوانوں کے لیے تشویش اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ اسرائیلی لڑکی کو آسمان نگل گیا یا زمین کھا گئی۔ اسے وہ تلاش کر سکے نہ اسرائیلی فوج۔

تیسرے ساتھی نے کہا:

"ابھی تک لڑکی اسی علاقے میں کہیں بھٹک رہی ہوگی لیکن دشمن کے

خطرے کے باعث ہمیں پیچھا نہیں کرنا چاہیے۔"

بڑے نوجوان نے کہا:

"لیکن خطرہ ٹل گیا ہے۔ ہم تھوڑی سی مزید محنت کرکے اس کا سراغ لگا سکتے ہیں۔"

اس نے بابا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"وہ لڑکی بہت سخت جان تھی۔ ہم نے مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا تھا لیکن پھر بھی بھاگ نکلی۔ اب کے بار اگر وہ مل جائے تو اسے زندہ جلا کر اس کی راکھ اسرائیل کو تحفہ بھیج دیں گے اور ازمان کو سبق سکھانے کے لیے اس کا تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ آئندہ وہ کچھ سوچ کر ہی ہماری بستیوں کو ہاتھ ڈالے۔" پاس بیٹھی ہوئی لڑکی بڑے اطمینان سے قہوہ پیتی رہی اور بوڑھا کریم سہما ہوا چپ ان کی باتیں سنتا رہا۔

کچھ ہی دیر بعد لڑکی نے آہ بھری اور نوجوانوں سے یوں مخاطب ہوئی۔

معزز نوجوانو!

"تم نے دشمن کی لڑکی کو اغوا کرکے اپنے اسلاف کے کارناموں کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم نے بھی وہی کچھ کرنا ہے جو اسرائیلی کرتے ہیں تو پھر کس بنیاد پر ان سے اختلاف کرتے ہو۔ بہتر ہے تم دین اسلام کو خیرباد کہہ کر اپنے آپ کو کسی اور مذہب سے منسلک کرلو۔ اس لیے کہ جس طرح سورج اپنی ذات کے حوالے سے اندھیرے سے ناآشنا ہے اسی طرح دین اسلام کسی بھی طرز کی بے راہ اور مرتبہ انسانیت سے گری ہوئی زندگی کو اپنانے کی اجازت نہیں دیتا۔"

ایک نوجوان جذباتی ہو کر کھڑا ہو گیا اور اونچی آواز میں اس کا جواب دینے لگا۔ لڑکی نے سخت لہجے میں کہا:

"اونچی آواز نکالو گے تو کوئی بھی تمہارا اپنا تمہاری خبر اسرائیلیوں کو کردے گا اور تم اس لڑکی کی راکھ کی حسرت لیے رہ جاؤ گے۔"

بڑے نوجوان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"لیکن حالات بدل چکے ہیں۔ اسرائیلیوں نے نہ ختم ہونے والا ظلم شروع کر رکھا ہے۔ آپ دیکھتی نہیں ہیں کہ کتنی ہی مسلمانوں کی بستیاں جلا کر راکھ کر دی گئی ہیں۔ کتنے ہی بے قصور مسلمانوں کو برباد کر دیا گیا ہے۔ سرزمین عرب پر کون سا ملک ہے جو ان کی دہشت گردی سے محفوظ ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے کسی چھوٹے سے چھوٹے ردعمل کے نتیجے میں ہزاروں بارود کے گولے ان کے سروں پر برسا دیے جاتے ہیں۔ ایسے میں کون سی اخلاقیات کا سبق آپ ہمیں دینے نکلی ہو۔"

دوسرے دونوں نوجوان ان باتوں کے دوران جوشیلے اور جذباتی ہو کر اپنی مٹھیاں کھولتے اور بند کرتے رہے۔ تیسرا ساتھی ہاں میں ہاں ملاتا چلا گیا اور ویسے بھی وہ بڑے نوجوان کی کسی بات سے بھی اختلاف نہ کرتا تھا۔ کریم کے لیے تذبذب کے باوجود یہ بہت ہی دلچسپ صورت حال تھی۔ مگر لڑکی اس کی باتوں کا جواب دیے بغیر نہ رہ سکی اور ان سے یوں مخاطب ہوئی:

محترم نوجوانو!

"لیکن صرف ظاہری واقعات کے تسلسل کو نہ دیکھو۔ اگر تم نے علم حاصل کر رکھا ہے تو علم کی آنکھ سے بھی جانچو۔ بیتے ہوئے ماہ و سال سے پوچھو کہ

پہلی جنگ عظیم میں اسی سرزمین عرب پر مسلمانوں نے ہی مسلمان ترکوں کو کیا شکست سے دوچار نہیں کروادیا تھا اور اسی وجہ سے ہی اسرائیلی ریاست کے وجود کی راہ ہموار ہوئی"

اور سنو!

"مسلمان چاہتے ہیں کہ اسرائیلیوں کو فلسطین سے نیست و نابود کر دیا جائے اور اسرائیلی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے نہ صرف اپنا وجود منوایا جائے بلکہ ان پر غلبہ بھی حاصل کر لیا جائے۔ لیکن آج کی یہ کشمکش جو تباہ کن اور خونریز بھی ہے صرف انہی وجوہات کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ طلوع اسلام سے جاری ہے۔ اس کے لیے جو اپنے آپ کو منوالے گا' وہ رہ جائے گا۔"

چھوٹے نوجوان نے کہا:

"ہم اپنے آپ کو بس اسی طریقے سے منوائیں گے۔"

لڑکی نے جواب دیا:

"پہاڑوں کو تیروں سے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے بہت بڑا زلزلہ برپا کرنا پڑتا ہے۔ ایسا کہ جس سے ان کے جگر چاک ہو جائیں۔"

"بابا آپ کی یہ بیٹی کیا کرتی ہے؟" نوجوان نے پوچھا۔

"بابا نے مجھے تعلیم حاصل کرنے پر لگا رکھا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

بڑا نوجوان بڑی دیر تک تذبذب میں رہا اور لڑکی کی بے باکی و دانش مندی سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ اس لڑکی کو اپنی تنظیم کا ممبر بنا کر اس کی راہنمائی میں خواتین کی ایسی تنظیم قائم کی جائے جو اسرائیل کے ان منصوبوں کو ناکام کر سکے جو اپنی خواتین کی تنظیم کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ اسرائیل کی انٹیلی جنس کا شعبہ

خواتین دنیا بھر میں کامیاب ترین سمجھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے تقریباً" تمام ممالک میں ان کا رابطہ و اثر و رسوخ تھا۔"

پاکستان جیسے ملک میں تو بعض غیر ملکی خواتین صحافیوں نے بعض بڑے بڑے پالیسی اور فیصلہ سازوں سے اہم راز حاصل کرنے کی کئی بار کوشش کی تھی۔ بڑے نوجوان نے اس سلسلے میں کریسٹا لیمب کی کتاب "ویٹنگ فار اللہ" کا مطالعہ بڑے انہماک سے کر رکھا تھا۔ یہ کتاب پاکستان کے سیاسی' معاشی اور سماجی کلچر کے بارے میں بہت سی تفصیلات پر مشتمل تھی۔ یہ نوجوان سوائے جھنجلانے کے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ عالم اسلام میں اس کی نگاہ اگر کسی ایسے ملک کی جانب اٹھتی۔ جہاں انقلاب برپا ہو چکا تھا تو اسے مخصوص نظریات اور مخصوص فرقے کے عقائد سے لبریز پا کر پھر واپس پلٹ آتی۔ ابھی تک وہ اپنے آپ کو جیسے کسی ویرانے میں تنہا کسی پہاڑ جیسی بلا کا سامنا کرنے کے لیے آزردہ سا محسوس کر رہا تھا۔ تاہم اس لڑکی کی بہادرانہ اور بے تعصب منطق اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ اسے اپنے تمام شوریدہ جذبات اور حاصل کیا ہوا علم پرچھائیاں سی محسوس ہونے لگے۔ اسے احساس ہونے لگا کہ تاریخی کشمکش صرف جوشیلے اقدام سے نہیں جیتی جا سکتی۔ اس کے لئے بہت دور رس نگاہِ نکتہ بیں چاہیے اور یہ مرد یا عورت کو بغیر تخصیص کے ودیعت ہو سکتی ہے۔ یہ لڑکی اسے بڑے بڑے راہنماؤں سے بھی زیادہ بہتر دانش اور جذبوں کی مالک نظر آئی۔ اس لڑکی کو یہ بھی ملکہ حاصل تھا کہ جب وہ کسی موضوع پر اظہار کر رہی ہوتی تو یوں لگتا کہ جیسے اپنے الفاظ کو بامقصد اور متاثر کن معنی سے مزین کر کے دوسروں کو تحفہ میں دے رہی ہو۔ وہ یہ محسوس کر کے سرخوشی سے

جھومنے لگا کہ "عالم اسلام میں ایسی باکردار، بہادر اور ہوش مند خواتین بھی
ہیں جو دنیا کی کسی بھی قوم کا سامنا کر سکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنی تنظیم کی
راہنمائی اس لڑکی کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اسرائیلی لڑکی کی
تلاش کا ارادہ ترک کر کے اپنے دونوں ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔"

نوجوانوں کے چلے جانے کے بعد بوڑھے کریم نے نہایت شفیق
انداز میں اس کو اپنے پاس بٹھالیا اور صرف اتنا کہا:

"میری بیٹی آپ کون ہو اور ابھی تک یہاں کیوں رکی ہوئی ہو؟ اگرچہ میں
زیادہ نہیں جان پایا لیکن جہاں تک بھی جان سکا ہوں۔ اس سب کے باوجود
میں آپ کو ہر لحاظ سے بحفاظت واپسی میں آپ کی منزل تک ساتھ دینے
کے لیے تیار ہوں۔ اس سے پہلے کہ ہم کسی اور امتحان سے گزریں۔ آؤ
میں آپ کو وہاں تک لے جاؤں جہاں آپ یہاں سے زیادہ سلامتی اور
تحفظ محسوس کرتی ہیں۔ میں مسلمان ہونے کے ناطے اسلامی طور پر اپنے
وعدے کے مطابق آپ کو مکمل پناہ دینے کا پابند ہوں لیکن میں اپنی ذات
کے اندر ایک شعوری کشمکش لیے زیادہ دیر تک یہ وعدہ نہ نبھا سکوں گا۔"

لڑکی نے بوڑھے کریم کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلتے ہوئے کانپتے الفاظ
کو یہ کہہ کر روک دیا:

"اب سے آپ میری حفاظت کے پابند نہیں اور ابھی تک آپ نے میرے
بارے میں جو کچھ جانا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں آپ کو
واقعی اپنے بارے میں آگاہ کر سکوں۔"

بوڑھا اگرچہ بعض شبہات میں پہلے سے مبتلا تھا مگر اس نے اسے
ایک اجنبی کی داستان جان کر بادل نخواستہ اجازت دے دی۔ اسے یوں بھی

اس پر اک شباہت کی وجہ سے اپنی بیٹی کا سا گماں ہوتا تھا اس لیے تمام تر
وہموں کے باوجود وہ اسے اپنے پاس مزید دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ نفسیاتی کشمکش
اس کے لیے دلچسپ اور تلخ بھی تھی۔

لڑکی نے کہنا شروع کیا:

"ایک ہفتے کی شام کو امریکہ کی ایک ریاست میں کہ جہاں ہم رہا کرتے
تھے۔ میری ماں اور باپ دونوں مجھے لے کر کہیں دور شام منانے کے لیے
جا رہے تھے کہ ہم حادثے کا شکار ہو گئے۔ میرے ماں باپ دونوں یہودی
تھے۔ مجھے یاد ہے کہ وہ بہت خوب صورت تھے اور مجھ سے بے انتہا محبت
کرتے تھے۔ میری عمر اس وقت کوئی نو سال کی تھی۔ میرا باپ اور ماں
ذہین انسان تھے۔ انہیں دولت سے زیادہ علم عزیز تھا۔ ہماری گاڑی بالکل
بے صورت ہو گئی اور اس حادثے میں صرف میں ہی بچ سکی۔ میری ماں
گھریلو قسم کی خاتون تھی۔ اگرچہ وہ بہت پڑھی لکھی تھیں لیکن تلخ یا تند و
تیز نظریات کی مالک نہیں تھیں۔ وہ زندگی کے بارے میں بہت سادہ سے
خیالات رکھتی تھیں۔ میں نے دونوں کو شاید ہی کبھی آپس میں الجھتے دیکھا ہو۔
میرے باپ کو بحث کرنے کی عادت تھی اور وہ خاص کر یہودی مذہب کے
علماء سے بعض تلخ سوالات کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ کئی بار
ہمارے گھر سے ناراض ہو کر چلے جاتے اور میرا باپ بعد میں مسکراتا رہتا
تھا۔ اب میرا خیال ہے کہ ان کی وہ مسکراہٹ فتح کی دلیل ہوتی ہوگی۔"

لڑکی اپنی داستان حیات کہتی چلی گئی کہ:

"ہمارے رشتے کے لوگ دور دراز ممالک میں بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بہت
کم ہی آیا کرتے تھے۔ مجھے سوائے اپنی کزن کے کسی کی شکل تک یاد نہیں۔

وہ بھی اس لیے کہ اس کی شکل مجھ سے کچھ ملتی تھی۔ آپ جان سکتے ہیں کہ نو سالہ بچی کی یادیں زیادہ واضح نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس عمر تک کا میرا بچپن میرے لیے بہت ہی دھندلا خواب بن کر رہ گیا ہے۔ اس حادثے کے کچھ دنوں بعد مجھے امریکہ سے اسرائیل منتقل کر دیا گیا اور ان کی ایک خاص درس گاہ میں داخل کر دیا گیا۔ یہ درس گاہ ان کے عام طلباء کے لیے نہیں ہے۔ اس میں تعلیم حاصل کرنے سے زیادہ علم حاصل کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ طریقہ کار مسلمانوں کی سپین میں درسگاہ قرطبہ سے لیا ہوگا۔ وہاں کا تربیت یافتہ اور تعلیم یافتہ فرد دنیا کے کسی بھی محکمے میں کسی سے بھی زیادہ بہتر طریقے سے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اسی درسگاہ میں مجھے مسلمانوں کا مکمل دشمن بنا دیا گیا۔ میرا اندازہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی مسلمانوں سے اتنی نفرت نہیں کی ہوگی جتنی کہ میں نے، اور میرے پاس ان سے نفرت کے متعدد جواز موجود رہے ہیں۔"

اس دوران بوڑھا انتہائی انہماک سے اس کو سنتا اور دیکھتا رہا۔ کئی بار اس کا جی چاہا کہ وہ مداخلت کرے اور اس سے مختلف سوالات کرے لیکن یہ سوچ کر کہ پہلے اسے مکمل طور پر سن لینا بہتر ہوگا۔ وہ چپ ہی رہا اور لڑکی کہتی چلی گئی:

"اس نفرت کے باوجود اور اس نفرت کی انتہاؤں میں بھی میری روح سے کئی بار آواز اٹھتی کہ کیا مسلمان واقعی اک حد درجہ سفاک امت سے ہیں؟ کیا یہ لوگ واقعی اک بے معنی دین کے مالک ہیں؟ کیا یہ واقعی صرف ہمارے وجود کو تباہ کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں؟ ہمارے اخباروں میں چھپنے والی خبریں گواہ تھیں کہ کتنے مسلمان دہشت گردوں نے

اسرائیلیوں کے گھر برباد کر دیئے۔ 1967ء اور 1973ء کی عربوں اور اسرائیلیوں کی جنگوں نے بھی میرے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف پراگندہ کر دیا۔ حالانکہ وہ جنگیں میری پیدائش سے پہلے ہوئیں۔ ہمارے رسالوں اور تجزیہ نگاروں نے مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا ہوا تھا۔ اسرائیل میں چھپنے والا سارے کا سارا مواد مسلمانوں کے خلاف نفرت ہی پیدا کرتا ہے اور یوں یہ نفرت میرے ذہن میں آج تک قائم رہی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہوگا میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گی۔"

"میں نے بہت جلد فلسفے اور فزکس میں ماسٹر ڈگریاں حاصل کر لیں اور اسرائیل کے ہی ایک کالج میں لیکچرار ہو گئی۔ لیکن جلد ہی مجھے اصل مشن سونپا گیا۔ جس کے لیے تمام عمر مجھے تربیت دی گئی تھی اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کے صلے میں اسرائیل کی خفیہ تنظیم میں مجھے ایک بڑے عہدے سے نواز دیا گیا۔"

بوڑھا کریم یہ سن کر لرز گیا کہ وہ اب ایک ایسی خاتون کو سن رہا ہے جو اعتراف کر رہی ہے۔ اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی شکنیں اور گہری نظر آنے لگیں۔ اس کے لیے یہ بہت تکلیف دہ لمحے تھے۔ وہ اس کے بعد ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ فوراً ہی اس لڑکی کو کمرے میں بند کر کے انہی نوجوانوں کو بلا لائے اور بتا دے کہ وہ ہے تمہارا شکار جس کی تلاش میں تم اتنے دنوں سے سرگرداں ہو۔ لڑکی اپنی گفتگو کے دوران بوڑھے کو بہت کم اور فضاؤں کو زیادہ دیکھتی تھی اس لیے وہ یہ نہ جان سکی کہ بوڑھا کیا سوچ رہا تھا۔ بوڑھا کریم یہ سوچ کر پھر خاموش رہا کہ

میری خاموشی ہی اسے زیادہ گفتگو کرنے پر مائل کرے گی اور اس طرح اس کی اصلیت کا پتہ چل سکے گا کہ اسرائیلی ایجنٹس کس کس طرح سے مسلمانوں کی بربادی کے درپے ہیں۔ لڑکی بات کرتے کرتے خود ہی خاموش ہو گئی اور کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

بوڑھے نے نرمی سے کہا:

"کیا آپ کی داستان کا یہ اختتام ہے؟"

لڑکی نے سر اٹھایا اور کچھ دیر بعد بوڑھے کی جانب دیکھتے ہوئے پھر بات شروع کی:

"موساد میں مجھے جس عہدے سے نوازا گیا دراصل اس کے لیے میری بچپن ہی سے تربیت جاری تھی۔ جسمانی طور پر مجھے اتنا سخت جان کر دیا گیا کہ اچھے بھلے دو ایک عام مردوں کو تو کسی وقت بھی میں جان سے مار سکتی ہوں۔ اس کے لیے جاپان اور کوریا سے کچھ انسٹرکٹروں کو بلایا گیا جنہوں نے ہمیں جسمانی دفاع کے بہت سے جدید حربوں سے آگاہ کیا۔ یہ تربیت کا بہت ہی کٹھن مرحلہ تھا لیکن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ وہ مرحلہ ثابت ہوا جب مجھے گوریلا ٹریننگ کے لیے بہت ظالم انسٹرکٹروں کے حوالے کیا گیا۔ یہ ذہنی اور جسمانی طور پر اس حد تک سخت تربیت ہے کہ اسے وہی حاصل کر سکتا ہے جسے زندگی سے زیادہ موت عزیز ہو اور یہی وہ الفاظ ہیں جو وہاں ہمارے ماٹو کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مجھے تربیت کے دوران علم ہوا کہ یہ الفاظ ایک مسلمان سپہ سالار کے تھے جس نے ایرانیوں کو اپنے خط میں لکھا تھا کہ:

"میں اسلام کے ایسے وفاداروں کے ساتھ آ رہا ہوں جنہیں زندگی سے

زیادہ موت عزیز ہے۔"

"بہرحال مجھے جن نوجوانوں نے اغوا کیا وہ بھی کافی تربیت یافتہ معلوم ہوتے تھے کیوں کہ انہوں نے مجھے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اغوا کرتے وقت بڑا اور چھوٹا صرف دو نوجوان تھے جب کہ تیسرا ساتھی ان کا جو تھا وہ بعد میں نظر آیا جب مجھے انہوں نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ یہ بہت تند خو نوجوان ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے عبرت ناک سزا دی۔ مجھے اپنی تربیت کے فوائد اسی وقت ہی معلوم ہوئے۔ کوئی عام مرد یا عورت ہوتے تو یقیناً" مر جاتے لیکن میں سب کچھ برداشت کر گئی۔ اسی سزا کے دوران میرے ہاتھوں سے بندھی ہوئی رسیاں پٹائی کی وجہ سے کہیں کہیں سے بہت کمزور پڑ کر ٹوٹنے والی ہو چکی تھیں جن کا انہیں علم نہ ہو سکا۔ ایک جگہ پر سے تو بالکل ٹوٹنے کے قریب تھی کہ میں بے ہوش ہونے کا بہانہ کر کے گر پڑی اور یہ لوگ کمرہ بند کر کے چلے گئے۔ بس یہی میرے لیے فرار کے لمحے تھے۔ سو میں نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے گوریلا طریقوں کو استعمال میں لاتے ہوئے اور بچتے بچاتے آپ تک پہنچ گئی۔ البتہ میں ان مسلمان نوجوانوں کی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے ساتھ کوئی بھی اخلاق سے گری ہوئی حرکت نہیں کی۔"

لڑکی یہ کہتے کہتے رک گئی اور کچھ سوچتے ہوئے اس نے پھر کہنا شروع کیا:

"بابا میں اب بھی موساد کی ممبر ہوں اور عہدے دار بھی ہوں۔ مجھے بازیاب کروانے کے عوض آپ کو اسرائیل سے بے حساب ڈالر مل سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو مجھے آپ نے جو پناہ دی ہے۔ اس کے بدلے وہ سب کچھ وصول کر سکتے ہیں۔"

کریم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے لرزتے آنسوؤں سے کہا:

"یہ حقیقت ہے کہ ہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہیں لیکن تم نے میری قیمت لگا کر ایک مسلمان کے ایمان کی توہین کی ہے۔"

"لیکن میں احسان فراموش نہیں۔ میں کسی بھی طریقے سے آپ کی شفقت کا قرض اتارنا چاہتی تھی۔" لڑکی نے بوڑھے کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہہ دیا۔

بوڑھے نے لڑکی سے پوچھا:

"آپ کون سے عہدے پر فائز ہو اور آپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟"

لڑکی نے تفصیلاً آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"مجھے فلاں عہدہ عطا کرتے ہوئے موساد کے ایک فیصلہ ساز نے طویل نصیحت کرتے ہوئے تجزیہ کیا تھا۔"

"ہم برسوں کا سفر طے کر کے آج اس مقام تک آ گئے ہیں۔ جہاں سے وار کر کے پہلے عربوں کو اور بعد میں مسلمانوں کو نیست و نابود کیا جا سکتا ہے اور یہ مقصد صرف طاقت سے ہی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے لیے سب سے بڑا ہتھیار مسلمانوں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو پہچاننا اور ان سے فائدہ اٹھانا ہے۔" لڑکی ان الفاظ کو دہراتے ہوئے جیسے کچھ سوچ میں پڑ گئی اور خاموش سی ہو گئی۔

بوڑھا کریم خود بھی سوچنے لگا کہ میں نے جو اسے پناہ دے رکھی ہے۔ یہ تو جرم بھی ہے اور گناہ بھی۔ جب کہ میں اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہوں کہ یہ دشمن کی عام خاتون نہیں ہے لیکن اچانک اسے خیال آیا کہ

یہ ان تمام رازوں کو کیوں افشا کرنے پر تلی ہوئی ہے جو ایسے لوگ کوئی ایک راز بتانے پر بھی موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

انسانی دنیا میں جو کچھ وہ لڑکی بتاتی جا رہی تھی۔ وہ سب کچھ بتایا جانا عجیب ناممکنات میں سے محسوس ہو رہا تھا۔ بوڑھا کریم تو اور بھی تذبذب و کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے دل و دماغ بہت سے سوالات و شبہات سے لبریز ہو کر رہ گئے۔ اس نے سوچا کہ بہت سی وجوہات میں ایک قرین قیاس یہ ہے کہ لڑکی کسی نفسیاتی دباؤ سے مغلوب ہو کر خود بخود بول پڑی ہو اور وہ لاشعوری طور پر یا بے خبری میں سب کچھ بتلاتی چلی جا رہی ہو یا وہ کسی باقاعدہ سازش کا کوئی جدید اسرائیلی حربہ استعمال کر رہی ہو جس کی تہہ تک عام آدمی نہ پہنچ سکتا ہو۔ بہرحال یہ ایک معمہ تھا اور بوڑھا بہت جلد اس الجھن سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ کریم نے بغیر کسی تمہید کے لڑکی کو کہہ دیا:

"میں اب اور زیادہ اپنے ضمیر کے بوجھ تلے نہیں رہ سکتا اور اس سے پہلے کہ ہم ایک دوسرے کی زندگی کے درپے ہو جائیں بہتر یہی ہے کہ کسی اچھے دشمن کی طرح جدا ہو جائیں۔ البتہ تمہاری حفاظت کے وعدے کی تکمیل میں، میں تمہارے ساتھ تمہاری سرحد تک جانے کو تیار ہوں لیکن یہ خیال رہے کہ آج کے بعد میری بندوق تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔"

لڑکی نے پراعتماد مسکراہٹ سے کریم کی جانب دیکھا اور یہ کہتے ہوئے چلے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے:

"میں آپ سے جو کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ اسے سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔"

بوڑھے کو اپنے وسوسوں پر یقین تھا اس لیے دشمن کے کسی ایجنٹ
کو اور زیادہ دیر برداشت کرنے کی اس میں زیادہ ہمت نہیں تھی۔
لڑکی نے گھر سے باہر نکلتے ہوئے دہلیز پر رک کر اس کو اپنے ساتھ نہ چلنے کی
یہ کہہ کر گزارش کی:
"بابا مجھے اب آپ کی پناہ اور حفاظت کی ضرورت نہیں رہی۔ آپ کے گھر
کے باہر دوراہے پر مجھے اپنی پسند کی راہ چننی ہے۔ البتہ زندگی رہی تو آپ کا
احسان لوٹانے آؤں گی۔"
بابا دیر تک اور دور تک اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں
سے اوجھل ہو گئی۔

(4)

گھر کے آنگن میں بیٹھ کر بوڑھا کریم بہت دیر تک اپنے ضمیر کی
خلش کو محسوس کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو فلسطینیوں کا غدار
اور مجرم سمجھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے اسرائیلی لڑکی کو اتنے دنوں
تک پناہ دے کر عظیم گناہ اور جرم کیا ہے۔ اسے مزید احساس ہوا کہ اس
لڑکی کو زندہ آزاد کر دینا ہی ناقابل معافی غلطی ہے۔
بوڑھا اسی سوچ اور پچھتاوے میں گم تھا کہ اسے وہی تینوں
نوجوان اپنے گھر کے قریب ہی آتے دکھائی دیئے۔ وہ اتنے قریب آ چکے
تھے کہ اس کے لیے اندر سے دروازہ بند کر کے کہیں بھاگ جانا ناممکن تھا۔
وہ سب نوجوان کھلے دروازے کے پاس آ کر بڑی بے تکلفی سے اجازت
لے کر اندر داخل ہو گئے۔ کچھ توقف کے بعد بڑے نوجوان نے انتہائی
رازدارانہ لہجے میں اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔
نوجوان نے کہا:

بابا!
"اجازت دو تو آپ کی چھوٹی بیٹی جس سے پہلے دن ہماری ملاقات ہوئی
تھی۔ اسے ہم خواتین کی فلسطینی تنظیم کا صدر بنانا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ
اس وقت عالم اسلام میں ایسی خواتین جو بہت زیادہ دانشمند اور دلیر ہوں،
ان کی بہت کمی ہے۔ جب سے مسلمان زوال کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کا پہلا
نشانہ ہی عورت بنی ہے۔ اسی لیے اسے کمزور، خوف زدہ، جاہل اور
بدصورت بنانے کی مسلمان مردوں نے سعی جاری رکھی ہے۔ ہمارے یقین

کے مطابق آپ کی بیٹی خرد مند بھی ہے اور لاخوف بھی۔ چنانچہ وہ فلسطین
کی بقاء کے لیے احسن کارنامے سرانجام دے سکتی ہے۔ ہم نہایت ادب
سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ اسے اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ اس کی
راہنمائی میں خواتین کی تنظیم کو فعال بنایا جا سکے۔ اس کے لیے ہم آپ کے
بے حد نیاز مند ہوں گے۔"

اس ساری گفتگو کے دوران بابا انتہائی شرمساری سے سر جھکائے
بیٹھا رہا۔ نوجوان نے اپنی بات کو نئے سرے سے مختلف انداز میں دہرایا
تاکہ بابا اپنی بیٹی کو اجازت دے دے۔ اس بار دوسرے نوجوانوں نے بھی
بڑے نوجوان کی ہر تجویز کی حمایت و تائید کی اور مختلف انداز و دلائل سے
بابا کو قائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ پہلے ہی کی طرح بغیر کوئی جواب
دیئے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ نوجوانوں نے مایوس ہو کر سخت لہجے میں جانے کی
اجازت چاہی۔ بابا بھی ان کے ساتھ ہی اٹھا مگر اس نے نوجوانوں کو روک
کر پھر سے بیٹھ جانے کو کہا۔

بوڑھے نے پھر سر جھکا لیا اور نیچی نگاہیں کیے ہوئے اس نے نوجوانوں سے
کہا:

"میں آپ سب کا مجرم ہوں اور اللہ کی بارگاہ میں گناہ گار بھی ہوں۔"

سب نوجوان حیرانی و استعجاب سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

کریم نے بھرائی ہوئی آواز میں اٹک اٹک کر کہا:

"بہتر ہے آپ مجھے قتل کر دیں۔"

نوجوان اور بھی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

بڑے نوجوان نے کہا:

"بابا جلدی کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

بوڑھے کریم نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جس کا ابھی تک وہ اپنے
ضمیر پر بوجھ اٹھائے شرمسار تھا۔

سب نوجوان طیش و جنون میں شعلہ بار الفاظ کہتے ہوئے اٹھ
کھڑے ہوئے۔

بڑے لڑکے نے بہت ہی جوشیلے انداز میں کہا:

"بابا تم نے بہت ظلم کیا ہے لیکن ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اب ہم
زمین کی پاتال سے بھی اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسی گھر میں اس کو لے کر
ہی داخل ہوں گے اور اس کے ٹکڑے کر کے اسی جنگل کے بھیڑیوں کو ڈال
دیں گے۔" وہ یہ کہتے ہوئے اس کے گھر سے نکل گئے۔ ان کے جانے کے
فوراً بعد بابا بھی بجلی کی طرح اپنی بندوق لے کر لڑکی کا پیچھا کرنے چل پڑا
اور بہت دور تک اسے تلاش کرتا رہا۔

اس علاقے کے مسلمانوں میں لڑکی کی دانش و بہادری کے بہت
چرچے تھے۔ گھر گھر لوگ اسی کی باتیں کرتے۔ خواتین خاص کر اسے ملنے کا
اشتیاق رکھتیں۔ کئی بار لوگ کریم کے گھر آتے تاکہ اس کی بیٹی کا دیدار کر
سکیں لیکن بوڑھے نے اپنا جرم چھپانے کے لیے انہیں کہہ دیا کہ وہ واپس
یونیورسٹی پڑھنے کے لیے چلی گئی ہے۔

بابا اگلے روز بھی اسے تلاش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اگلی شام تک وہ
اسرائیلی سرحد کو جاتے ہوئے تمام راستے دیکھ چکا تھا۔ اسی دوران اس نے
کئی راہ گیروں سے لڑکی کا حلیہ بتا کر پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر
تاحال اس کی شعلے برسانے والی بندوق اپنے شکار کو تلاش کرنے میں ناکام

رہی تھی۔ اسی روز اتنی سی دیر میں لڑکی کا غائب ہو جانا اس کے یقین کو مزید تقویت بہم پہنچانے کے لیے کافی تھا کہ قریب ہی کہیں اسرائیلی مددگار اسے لے جا چکے ہوں گے۔

بابا اس روز بھی مایوس ہو کر اپنے ضمیر پر بھاری بوجھ لیے گھر لوٹا اور بے سدھ سا ہو کر گھر میں تہہ خانے کے پاس ہی لیٹ گیا۔ رات گئے اس کی آنکھ کھلی اور بھوک کی شدت کم کرنے کے لیے وہ تہہ خانے میں پڑے شہد کو لینے چلا گیا۔ اسے یہ دیکھ کر اور بھی کراہت اور نفرت کا احساس ہوا کہ لڑکی اپنا کالا و سرخ لباس وہیں چھوڑ گئی تھی اور اس کی بیٹی کا گہرا سبز لباس پہن کر چلی گئی تھی۔ بوڑھے نے پاؤں کی ٹھوکر سے اس کے لباس کو سمیٹ کر ایک کونے کی طرف کر دیا۔ تاکہ صبح ہونے پر اسے کوڑے کے ڈھیر پر رکھ کر جلا دے۔ تہہ خانے سے شہد لے کر لوٹتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کیوں نہ سامنے رکھے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت سے دل و ضمیر کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔ چنانچہ وہ شہد کے ساتھ قرآن کریم کو بھی لے آیا۔ سوکھی روٹی اور کچھ شہد کھانے کے بعد اس نے انتہائی خشوع و خضوع سے قرآن مجید کو کھولا اور تلاوت شروع کی۔

مگر قرآن مجید کے اندر رکھے ہوئے کاغذ اور پنسل کو دیکھ کر وہ دنگ سا رہ گیا۔ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر پر کہیں کہیں آنسوؤں کے قطرے بھی سوکھے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ تحریر پورے تسلسل سے لکھی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا کہ تحریر میں دل و دماغ دونوں نے حصہ لیا ہوگا۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ اگرچہ بالکل ادھوری تھی مگر بے حد جاں گداز تھی۔ بوڑھا کریم بابا اس تحریر کو پڑھتا تھا اور عجیب سی کیفیت محسوس کرتا۔ یہ

تحریر چلی جانے والی لڑکی کی تھی۔ جو اس طرح سے تھی:

"جن حالات سے میں گزر رہی ہوں ان میں ممکن ہے کہ میں اگلے ہی لمحے قتل کر دی جاؤں۔

لیکن اے قرآن عظیم تو گواہ رہنا کہ:

"میں تیری سچائیوں کو مان کر مسلمان ہو چکی ہوں۔"

اور اے اللہ!

"تو تو دلوں کے حال خوب جانتا ہے مگر ان مسلمانوں میں کوئی شخص میرا اسرائیلیوں سے منسلک پرانا کردار جان کر یہ یقین نہیں کرے گا کہ میں واقعی مسلمان ہو چکی ہوں۔"

اے اللہ!

"دنیا والوں کو دکھانے کے لیے میرے پاس اپنی کوئی سچائی کی گواہی نہیں ہے۔

اور اے اللہ!

"ان دنوں میں جو توفیق تو نے مجھے عطاء کی ہے کہ قرآن عظیم کو پڑھ اور سمجھ کر آخری دین پر ایمان لا سکوں تو یہ تیری خاص رحمت ہے۔ مجھے ایسے ہی اسلام پر قائم رکھنا اور مجھ میں وہ ہمت اور شعور پیدا نہ کرنا جو تیرے آخری رسولؐ کے دین کے منافی ہو۔

اے اللہ!

"میرے مارے جانے سے پہلے مجھے ضرور موقع دینا کہ میں تیرے دین کی کم سے کم ہی سہی مگر خدمت ضرور کر سکوں تاکہ تیرے حضور پہنچنے سے پہلے اپنے دامن میں کچھ نہ کچھ لے کر حاضر ہو سکوں۔ جو شاید تھوڑا بہت

میرے گناہوں کا کفارہ ثابت ہو سکے اور ________

یوں یہ تحریر نامکمل تھی اور اس سے آگے کچھ نہیں لکھا جا سکا تھا۔ لگتا تھا کہ کسی اچانک واقعہ کی وجہ سے وہ لڑکی مزید کچھ نہ لکھ پائی تھی اور قرآن کے آخری صفحے میں اس تحریر شدہ کاغذ کو رکھ کر جلدی سے تہہ خانے سے باہر چلی آئی تھی اور پھر اسے واپس تہہ خانے میں جاکر یوں تحریر مکمل کرنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔

کریم اس تحریر کو پڑھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ:

وہ یہ تحریر لے کر نوجوانوں کی طرف جائے اور انہیں آگاہ کر دے۔ لیکن یہ سوچ کر اس کے قدم واپس آ گئے کہ نوجوان لڑکی کی تلاش میں بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ جہاں خود انہیں تلاش کرنا ممکن نہیں ہو گا اور بالفرض وہ مل بھی گئے تو وہ اس تحریر سے قائل نہیں ہوں گے اور میری ہی طرح اسے اسرائیلی چال سمجھ کر جھٹک دیں گے اور یقین کر لیں گے کہ اسرائیل کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو ان کی تنظیم میں داخل کرنا چاہتا ہے۔

بوڑھے کریم کی نگاہوں میں وہ سارا منظر گزرنے لگا۔ جس میں لڑکی نے نہایت خوب صورت اور بے باکانہ انداز میں نوجوانوں اور علاقے کے لوگوں کو اسرائیلی افسروں کے پنجے سے محفوظ کر لیا تھا۔ اسے آہستہ آہستہ یقین آنے لگا کہ لڑکی قرآن حکیم کی تاثیر سے ضرور مسلمان ہو چکی ہوگی۔ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ لڑکی اپنی معصومیت اور بے چارگی کو لے کر کہاں جا سکے گی اور یقیناً" نوجوانوں کی گولیوں کا نشانہ بن جائے گی۔ مگر یہ سوچ کر اس کی ڈھارس بندھ جاتی کہ اگر اللہ نے

اس سے مسلمانوں کے حق میں کوئی کام لینا ہو گا تو وہ اسے ضرور محفوظ کر لے گا۔ اس کی نظروں میں رہ رہ کر اس کی شکل ابھر آتی۔ اپنی تمام عمر میں بوڑھے نے اتنا حسین سراپا نہیں دیکھا تھا جتنا اللہ نے اس لڑکی کو عطاء کیا تھا۔ بار بار اس کی نگاہوں میں اس کے ساتھ اس کی اپنی بیٹی کی مسکراہٹ بھی ابھر آتی۔ اس کے لیے تو یہ اور بھی تکلیف دہ سماں تھا۔ وہ کئی بار سوچتا کہ کاش وہ برسات کی رات نہ آتی یا اس کا گھر لڑکی کے راستے میں نہ ہوتا تو وہ ایک پچھتاوے سے نکل کر دوسرے پچھتاوے میں مبتلا نہ ہو جاتا۔ وہ اپنی بیٹی کے صدمے سے پہلے ہی دوچار تھا کہ اس لڑکی کو گھر سے نکال دینا اس کے لیے اور بھی تکلیف دہ ہو گیا۔ تاہم اسے یہ پریشانی لاحق تھی کہ اگر لڑکی نوجوانوں کے ہتھے چڑھ گئی تو پھر وہ اسے بچانے میں ناکام رہے گا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک چھلک کر نیچے گرنے لگے اور اس کے ہاتھ خود بخود دعا کے لیے اٹھ گئے کہ:

اے بار الٰہا!

"تیرے پیغام سے ہم ہی ناآشنا ہیں۔ ہم جو تیرے آخری رسولؐ کی امت ہیں تو ہم نے ہی تیرے قرآن حکیم کو سینے سے لگا کر اپنے اعمال و فکر سے اسے جھٹلایا ہے۔ ہمیں تو علم ہی نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے اور جس کی ہمیں سزا مل رہی ہے مگر میرے تاریک گھروندے میں تو نے ایک غیر مسلم کے دل کو نور ایمانی سے منور کر دیا ہے۔ اس نے فریاد کی ہے کہ اسے دین مبین کی خدمت کا موقع عطاء کرنا۔

اے اللہ!

"زندگی میں اگر میری کوئی نیکی ہے تو اس کے بدلے اسے محفوظ کر لینا۔

اے اللہ!

"تو تو آگ کے شعلوں میں انسان کو زندہ رکھ لینے والا ہے"

اور اے اللہ!

"تو تو سمندر کی لہروں کو ساحل بنا دینے والا ہے۔ اے اللہ! اس لڑکی کو محفوظ کر لینا۔ میں بے زور ہوں اور اب کہیں بھی اس کا سہارا نہیں بن سکتا۔ اب تو یقیناً" تیرے سوا اس کا کوئی سہارا نہیں۔"

اے اللہ!

"میری بیٹی جیسی اس لڑکی کو محفوظ رکھنا اور اسے ہمت و طاقت عطاء کرنا تاکہ ______" بوڑھا کریم ان الفاظ کے آگے کچھ نہ کہہ سکا اور اس کے لب ہلتے ہلتے رہ گئے۔

(5)

اسرائیلی تنظیم کا خفیہ ادارہ دن بدن اس لڑکی کے غائب ہو جانے پر زبردست متفکر تھا۔ موساد کے چیئرمین نے اتنے دنوں لڑکی کے بازیاب نہ ہو سکنے پر متعلقہ ڈائریکٹر سے رپورٹ طلب کر لی تھی۔ جس میں یہ تجاویز بھی مانگ لی تھیں کہ اگر لڑکی کسی وقت بھی مل جائے تو اس کے مستقبل کا کیا فیصلہ ہو۔ ڈائریکٹر نے اپنے ذہین آفیسروں کے مشورے سے جو رپورٹ تیار کی۔ اس میں نہایت دور رس نکات بیان کر کے اہم تجاویز بھی دی گئی تھیں۔ جو یوں تھیں:-

☆ کیوں کہ لڑکی انتہائی تعلیم یافتہ' ذہین' حساس اور دلیر ہے۔ وہ مسلمانوں کی قید میں رہ کر اگرچہ اسرائیلی راز تو افشاء نہیں کر سکتی مگر نظریاتی کشمکش میں مبتلا ہو کر آیندہ اسرائیل کی تذویراتی چالوں کے لیے بڑا خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا تجویز کیا جاتا ہے کہ اب اسے بازیاب کروانے کی بجائے جہاں ہے اور جیسے ہے قتل کروا دیا جائے تاکہ اس کی جانب سے ہر قسم کا خطرہ ختم ہو جائے۔

☆ لڑکی کا فوری کھوج لگانے کے لیے لبنان اور خطے کے دیگر ممالک اور اہم قصبوں' بستیوں اور دیہاتوں میں جہاں جہاں بھی اسرائیلی ایجنٹ موجود ہیں۔ انہیں اس کی تصویر کے ساتھ آگاہ کر دیا جائے تاکہ اس کا جلد از جلد خاتمہ ہو سکے۔

☆ لڑکی کے خاتمے کو اس علاقے کے ان مسلمانوں کے سر چڑھا دیا جائے۔ جہاں پر اسرائیلی زیادہ خطرہ محسوس کرتے ہیں اور اسی بہانے

سے ان پر چڑھائی کرکے ان کا قلع قمع کر دیا جائے تاکہ وہاں پر مزید نئی بستیاں بسانے کی راہ ہموار ہو سکے۔

اسرائیل کے فوجی آفیسروں نے جن کا تعلق خفیہ ادارے امان سے تھا اور موساد کے چیئرمین نے بھی رپورٹ سے اتفاق کیا اور اس کے مطابق فوری اقدامات کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ اسرائیل کے متعلقہ خفیہ ادارے کو اگرچہ اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ لڑکی عبدالودود کے لڑکوں کی قید سے بھاگ چکی ہے لیکن اس کا واپس اپنے ادارے میں نہ پہنچنا ان کے لیے زیادہ باعث تشویش تھا۔ وہ اپنے طور پر مقدور بھر کوشش کر چکے تھے۔ لڑکی کا نہ ملنا یا اس کا کسی بھی قسم کا کھوج تک بھی نہ لگا سکنا اسرائیل کے تمام خفیہ اداروں کی بہتر کارکردگی پر سوالیہ نشان تھا۔

کسی نامعلوم مخبر کی وجہ سے اسرائیلی فوجی بوڑھے کریم کو گرفتار کرکے لے جا چکے تھے اور انتہائی بے دردی سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ گچھ میں مصروف تھے۔ اس لحاظ سے آسمان کے نیچے تقریباً وہ تمام انسانی شعبے یا لوگ جن کا کچھ بھی اس لڑکی سے تعلق یا جان پہچان تھی۔ اب اس کی جان کے پیاسے ہو چکے تھے اور کسی بھی وقت کسی کی گولی اس لڑکی کے سینے کو چھلنی کر سکتی تھی۔ ان حالات میں اب اسے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ نہ ہی مشرق وسطی کے کسی ملک کے کسی گھر میں وہ پناہ لے کر محفوظ رہ سکتی تھی۔

(6)

لڑکی کو تلاش کرتے ہوئے یہ کوئی تیسرا چوتھا دن تھا مگر نوجوان اس کا کھوج پالینے میں ناکام رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکی بنی یاس سے جنوب مشرق کی جانب لائن اے ون یا مغرب میں سنائر کی طرف جا سکتی ہے۔ یہ تمام علاقہ گولان کی پہاڑیوں میں اسرائیل کی نئی بستیوں کے لیے مختص کر دیا گیا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ سب ان علاقوں کو برق رفتاری سے جانچ آئے تھے مگر لڑکی نے بنی یاس سے شمال کی جانب ماؤنٹ ہرمن کی راہ لی تھی۔ جہاں سے انتہائی دشوار گزار راستے لبنان کو جا نکلتے تھے۔

کسی لڑکی کا تنہا اور بے یار و مددگار ماؤنٹ ہرمن کی طرف چلے جانا ناممکنات میں سے تھا۔ لیکن وہ بڑے اطمینان اور احتیاط سے زندگی اور موت کے درمیان گامزن رہی۔ بظاہر زندگی اسے کمزور ترین ساتھی دکھائی دیتی تھی اور موت اپنے پورے کروفر کے ساتھ کسی سمندر کے خونی طوفان

کی طرح بانہیں پسارے اسے اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بڑھتی ہی چلی آ رہی تھی۔

یوں تو اس سے پہلے بھی وہ ایک بار ایسے حالات سے گزر چکی تھی اور اس وقت اس کے دل و دماغ خوف سے لرزاں اور موت سے ہراساں تھے۔ اس کی وہ فرار تو صرف اپنی زندگی بچانے کے لیے تھی۔ ایک ایسی زندگی جو بے مقصد اور صرف آب و دانہ کے لیے ہو۔ اسی لیے اس طرح کی زندگی جو بھوک اور پیاس برداشت نہ کر سکے وہ خوف و ہراس کے عذاب میں مبتلا رہتی ہے۔ اس فرار کے دوران وہ ہزار بار زندہ ہوئی ہزار بار مری تھی۔ اپنے دل کی دھڑکنوں سے لے کر اپنے ہی پیروں کی آہٹیں اس کی جان لے لے جاتی تھیں۔ بھیگی ہوا اور سرد جھونکے اس کے لیے ہر قدم پر دارورسن تھے۔ مگر اب کے بار وہ عجب سکون اور روح کے اطمینان سے سرشار تھی۔ یہ تھا زندگی کا وہ حسن جو قرآن حکیم کی دنیا میں داخل ہو کر اسے نصیب ہوا تھا۔ وہ بے خوف اور مطمئن اپنی کسی انجانی منزل کی جانب چلتی ہی جا رہی تھی۔ پتھروں کی نوکیلی رکاوٹیں ابھی تک اس کا راستہ روکنے میں ناکام رہی تھیں۔

رات بڑی تیزی سے بانہیں پھیلائے آ رہی تھی اور سرحد لبنان ابھی کافی دور تھی۔ شام کے ستارے ایک ایک کر کے روشن ہو رہے تھے۔ چلتے چلتے کبھی وہ آسمانوں کی وسعتوں کو رک کر دیکھنے لگ جاتی اور کبھی دور تک پھیلتی ہوئی اندھیرے کی سیاہ چادر کو گھورنے لگ جاتی۔ وہ ابھی تک اپنے آپ کو اسی بے خودی اور سرخوشی میں ڈوبا ہوا محسوس کر رہی تھی جس کی آشنائی وہ قرآن حکیم سے حاصل کر چکی تھی۔ اس کی زبان سے بار

بار سورہ فاتحہ کی حمد جاری ہو جاتی اور وہ حیرت زدہ ہو کر اس کی گہرائیوں اور گیرائیوں میں کھو جاتی اور بار بار اس کے مفہوم کی عظمت سے لطف اندوز ہو کر جھوم جھوم جاتی کہ:

اے اللہ!

"ہر جہان اور ہر کمال کو تو نے ہی تخلیق و منتظم کیا ہے۔ سو تو ہی قابل ستائش ہے اور تیری ہی رحمتیں سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ تو ہی یوم دین کا لاشریک حکمران ہے اور ہم تیرے ہی عطاء کیے ہوئے نظام حیات کی مکمل پیروی کے لیے تجھ ہی سے توفیق چاہتے ہیں۔ اور اے اللہ! مجھے سیدھے راستے اور بے خطا طریقہ زندگی سے آشنا کر دے اور وہ انداز حیات عطاء کر کہ جنہوں نے اسے اپنایا اور وہ تیرے انعام و رحمت سے نوازے گئے اور اے اللہ! ایسے لوگوں کے راستے پر چلا جو تیرے عتاب سے محفوظ رہے۔ اس لیے کہ وہ نہ گمراہ ہوئے اور نہ ہی بھٹکے ہوئے تھے۔"

وہ بہت دیر تک اسی سوچ میں ڈوبی رہی کہ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ کی عنایات صرف ان پر ہوتی ہیں جو صرف اسی کے بتلائے ہوئے طریق زندگی اپناتے ہیں۔ پھر مسلمان ایسے راستوں پر کیوں چل رہے ہیں جو صریحاً" اللہ کا راستہ ہی نہیں ہے یعنی وہ ایسا نظام حیات اپنائے ہوئے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ نظام زندگی سے بالکل مختلف ہے۔ لڑکی سوچتی کہ اس لحاظ سے تو مسلمان گمراہ بھی ہیں اور بھٹکے ہوئے بھی ہیں۔ تب وہ اللہ کی بارگاہ سے کیسے رحمتوں کے نزول کی امید کر سکتے ہیں۔

بہرحال اس دعا سے لڑکی زندگی کو ہلکا اور نہایت منظم محسوس

کرنے لگی۔ اس سے پہلے اسے زندگی گزارنا کبھی اتنا آسان نہیں لگا تھا۔ جتنا قرآن کو سمجھنے کے بعد وہ محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ سے فریب، منافقت، تضادات اور خوف کی الجھنیں چھٹ چکی تھیں۔ اسے تمام فلسفے ہیچ نظر آنے لگے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر اس یقین تک آ گئی کہ الجھے ہوئے فلسفوں اور نظریات میں نورانی راستوں کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ تو صرف ظن و تخمین کی تماشہ گاہ ہیں مگر ان تمام مشاہدات اور نتائج کے باوجود وہ اپنے منطقی، قیاسی، تجزیاتی اور سائنسی علوم کی بے حد مشکور تھی کہ جن کی بدولت وہ قرآن کو بہت جلد سمجھنے کے قابل ہو سکی۔

اسی بے خودی میں چلتے چلتے لڑکی کو احساس تک نہ رہا کہ وہ کہاں کی کہاں پہنچ گئی ہے۔ اس دوران گھپ اندھیرا ہو چلا تھا اور ماؤنٹ ہرمن میں رہنے والے بھیڑیے اپنے شکار کو معاف کرنے کے عادی نہیں تھے۔ ان کی دنوں کی بھوک بہت دور سے اپنے شکار کا پتہ لگا لیتی اور اس پر وہ بجلی کی طرح لپکتے اور جھپٹتے تھے۔ قریب کی بستیوں کے لوگ کسی بھی حالت میں خاص کر رات کو اس ماؤنٹ میں سے گزرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ یہ ماؤنٹ ویسے بھی وسیع و عریض علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور کسی صحرا ہی کی طرح اگر کوئی راستہ بھول جائے تو اس کی جان پر بن آتی تھی۔ البتہ اسرائیلی پہرے دار، جاسوس اور فوجی آفیسر ماؤنٹ ہرمن کے ان راستوں پر ضرور آتے جاتے رہتے جو لبنان کی جانب جاتے تھے۔ اس لحاظ سے لڑکی کے لیے لبنان میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔ لڑکی نے بنے ہوئے راستوں سے ہٹ کر چلنے کو ترجیح دی مگر اندھیرے میں بے راہ ہو جانا صریحاً" موت ہی کی وادی میں چلتے رہنا تھا۔ یوں تو روشنی میں بھی اگر راستہ گم ہو جائے تو

جان پر بن آتی ہے چہ جائیکہ اندھیرا ہی ہو اور جانی ہوئی راہوں کو خود ہی خیرباد کہہ دیا جائے۔ ممکن ہے کہ وہ دل کی روشنی کے سہارے بڑے اعتماد کے ساتھ کسی جانب چل پڑی ہو۔ ہر قدم پر ٹھوکریں تو تھیں مگر اس طرح دشمن سے بچ جانا کچھ آسان نظر آ رہا تھا کیوں کہ اگر پیچھا کرنے والے اس طرف آ بھی جاتے تو یقیناً وہ اپنے اپنے راستوں کو قطعی طور پر چھوڑ کر یوں اس کو اسی جگہ پر تلاش نہ کرتے۔ تاہم روشنی ہوتی تو وہ تیز تر سفر کرتے ہوئے ان کی رسائی سے دور جا نکلتی لیکن پتھروں کی دیواروں نے اسے زیادہ دور تک نہ جانے دیا اور وہ تھوڑی ہی دور انہی پتھروں کی نوکیلی قطاروں کے نیچے بیٹھ رہنے پر مجبور ہو گئی۔ البتہ یہاں تک کسی جیپ کا آ جانا یا اس کی روشنی کا پڑنا ممکن نہ تھا۔ یہ جگہ غار نما سی تھی اور بظاہر کسی جنگلی جانور کی کچھار معلوم ہوتی تھی۔ لڑکی کے پاس لے دے کر کھجوروں کی وہی تھیلی تھی جو بابا کے گھر سے نکلتے ہوئے اس کے ہاتھ میں تھی اور جس سے وہ بڑی کفایت کے ساتھ اپنی بھوک مٹانے کا کام لے رہی تھی۔

اسے دور سے روشنی نظر آئی جو بظاہر اسی جانب بڑھ رہی تھی جہاں سے لڑکی فاصلے طے کر آئی تھی اور بعید نہ تھا کہ آخرکار وہ وہیں آ کر رک جاتی جہاں لڑکی چھپی ہوئی بیٹھی تھی۔ لڑکی نے فوراً محسوس کر لیا اور جانچنے کی کوشش کی کہ وہ روشنی یا تو اسرائیلیوں کی کسی جیپ کی ہو گی یا کچھ لوگ تیز روشنی میں چل رہے ہوں گے جو کسی طاقتور بیٹری کی ہو سکتی تھی۔ روشنی کے آگے پیچھے اور ادھر ادھر ہونے سے لگ رہا تھا کہ کوئی کسی کی تلاش میں ہے۔

البتہ لڑکی اپنے اس خیال کو ابھی تک جھٹک نہیں پائی تھی کہ

تینوں نوجوانوں میں درمیانے والا نوجوان اس کے لیے کچھ کچھ جانا پہچانا تھا۔
اسے اپنی دھندلی سی یادداشت میں یوں لگا کہ وہ اسرائیل کی ملٹری انٹیلی
جنس امان کا کوئی آفیسر تھا اور ان دونوں نوجوان بھائیوں کے درمیان
جاسوسی کی غرض سے رہ رہا تھا۔ لڑکی کا اندازہ تھا کہ اگر اس کا خیال
درست ہے تو وہ نوجوان دونوں بھائیوں کو لے کر اس کی تلاش میں ماؤنٹ
ہرمن کی طرف ضرور آئے گا اور لبنان کے اندر تک اس کا پیچھا کرے گا۔
خفیہ ادارے کے اصولوں اور قوانین کے مطابق لڑکی کو یقین تھا کہ اگر وہ
نوجوان اس تک پہنچ گیا تو وہ ہر صورت اسے قتل کرنے ہی کی کوشش
کرے گا اور یوں وہ اسے تلاش کرنے میں دن رات ایک کر دے گا۔ ایشار
ہیرل جو اسرائیلی اداروں کا سربراہ رہ چکا تھا' کی ڈاکٹرین لڑکی کو ازبر تھی۔
اس ڈاکٹرئن میں یہ نظریہ پیش کیا گیا تھا:

"اگر ان کے خفیہ ادارے کے کسی ممبر کا اک خاص عرصے تک علم نہ ہو
سکے تو اس کے ملنے پر اس کا ختم کر دیا جانا اس کے زندہ رہنے سے زیادہ بہتر
ہوتا ہے۔"

ایسے ممبر کو ڈھونڈنے والا اور ٹھکانے لگانے والا بڑے انعام اور
ترقی کا مستحق قرار پاتا تھا۔ یہ ایک معجزہ نما تبدیلی تھی کہ مسلمان ہونے کے
بعد لڑکی کا جینا مرنا صرف اسلام کے لیے ہی ہو چکا تھا اور مسلمانوں کے لیے
اس کی نفرت نہ صرف ختم ہو چکی تھی۔ بلکہ وہ جیتے جی ان کی ہی مددگار رہنا
چاہتی تھی۔

درمیان والے نوجوان کے ہوتے ہوئے لڑکی کو بوڑھے اور
دونوں نوجوانوں کی قسمت ڈوبتی اور زندگانی مختصر ہوتے محسوس ہوئی کیوں

کہ وہ جانتی تھی کہ وہ جاسوس اسرائیلی آفیسر انتہائی ذہین اور سفاک ہے۔
لڑکی کو یاد آیا کہ اس کی ملاقات اس درمیان والے نوجوان سے صرف ایک
بار ایک اسرائیلی انٹیلی جنس کے ادارے کی خفیہ میٹنگ میں ہوئی تھی جہاں
اس نے کسی کامیابی پر ایوارڈ وصول کیا تھا اور سربراہ نے اس کی اچھی
خاصی تعریف کی تھی۔ شروع شروع میں لڑکی انتہائی مختصر ملاقات کی وجہ
سے اسے پہچان نہ پائی تھی۔ البتہ ماؤنٹ ہرمن سے گزرتے ہوئے اس کے
تحت الشعور سے جب ان تینوں نوجوانوں کی شبیہہ ابھری تو اچانک اس کی
آنکھوں کے سامنے ماضی کے دھندلکے میں وہ چہرہ ایوارڈ وصول کرتے
ہوئے محسوس ہوا۔ لڑکی کو اس کے ساتھ والے مسلمان نوجوانوں کی سادگی
اور بے خبری پر رہ رہ کر رحم آنے لگا۔ اسے یہ بھی حیرت ہوئی کہ
عبدالودود کے بیٹے اسرائیلی ظلم و ستم کے خلاف بنائی جانے والی اپنی تنظیم
کے ممبران سے ہی واقف نہیں۔ لڑکی کو اپنے اسرائیلی باس کا وہ لیکچر بھی یاد
آیا۔ جس میں وہ بتایا کرتا تھا کہ:

"موجودہ مسلمان نوجوانوں کی شخصیات کا نفسیاتی تجزیہ بالکل مشکل
نہیں۔ یہ نوجوان جوشیلے اور عارضی طور پر جنونی ہوتے ہیں اور بہت کم
عقل و دانش کو استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے بڑے مشن اور
منصوبے شروع کرنے کے فیصلے کرتے ہیں مگر انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے
کی سکت نہیں رکھتے کیوں کہ بہت جلد بددل ہو کر اپنے مشن سے علیحدہ ہو
جاتے ہیں۔ چنانچہ ان پر قابو پانے کا طریقہ یہی ہے کہ ان کو ان کے مشن
سے بددل کر دیا جائے۔ اس کامیابی کے لیے ان کے مشن میں زور و شور
سے حصہ لینا چاہیے اور اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ وقف کرنے کے

ثبوت مہیا کرنے چاہئیں۔ اور اس سے پہلے کہ وہ قابل عمل منصوبہ بندی کا آغاز کریں انہیں پورے مشن کے صرف تاریک پہلوؤں کو ازبر کروا دینا چاہیے۔ جس سے ان میں پھوٹ پڑ جائے اور اس طرح ان کے مقاصد ادھورے رہ جائیں گے۔"

"دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان میں جو بھی تنظیم ہے۔ اس میں صرف ایک ہی فرقے کے آدمیوں کو داخل ہونے دیا جانا چاہیے۔ تاکہ آگے چل کر تنظیم کو خراب کرنے کا الزام مخالف فرقے پر لگا کر تنظیم کو فرقہ بازی میں بدل دیا جائے۔ یوں یہ مسلم نوجوان اپنی پوری طاقت آپس میں ہی مخالف فرقے کے جوانوں اور راہنماؤں کو ختم کرنے میں صرف کر دیں گے۔"

لڑکی کو مسلمانوں کے بارے میں اپنے باس کے وسیع علم پر حیرت ہوئی۔ وہ اسرائیلی آفیسر مسلمانوں کے زوال کی وجوہات کا محقق تھا اور اس نے لڑکی کو بھی اسلامی تاریخ پر تحقیق کا کام سونپ رکھا تھا۔ اپنی تحقیق کے نتیجے میں لڑکی نے کم از کم سات سو نامور مسلمان شخصیات کے انداز زندگی کے بہترین اور کمزور ترین پہلوؤں کی نشاندہی کی تھی۔ لڑکی کے لاشعور سے اسرائیلی آفیسر کے دیئے ہوئے بہت سے لیکچر ابھرنے لگے اور اسے یاد آنے لگا کہ وہ کس طرح اپنے ماتحتوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھرا کرتا تھا۔ لیکن اس کی باتوں میں بہت سچائی تھی کیوں کہ لڑکی کو قدم قدم پر مسلمانوں میں وہی خامیاں نظر آئیں۔ جن کے بارے میں وہ بتایا کرتا تھا۔

وہ کہا کرتا تھا کہ:

"اب مسلمان صرف نام کے توحید پرست ہیں۔ انہوں نے اپنے دلوں اور دماغوں میں کئی قسم کے بت تراش رکھے ہیں۔ جنہیں وہ ہر لمحہ پوجتے رہتے ہیں۔"

وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ:

"مسلمان اپنے نبی سے صرف دکھاوے کا پیار کرتے ہیں اور انہوں نے بہت سی شخصیات کو دیوتاؤں کا مقام دے رکھا ہے اور اپنی زندگیاں اندھے عقائد کی بنیاد پر گزار رہے ہیں۔" اس کا کہنا تھا۔

"ایسے میں مسلمان بالکل بے منزل ہو کر بے راہنما ہو چکے ہیں اور یوں ان کے دلوں میں پہلا سا ایمان نہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر غلبہ حاصل کرنا مشکل نہیں۔"

لڑکی کی نگاہوں میں جوں جوں وہ باتیں ابھرتیں توں توں اسے عبدالودود کے دونوں جواں بیٹے اور زیادہ معصوم محسوس ہونے لگتے۔ جو اپنے درمیان اسرائیلی جاسوس آفیسر کو نہ پہچان سکے تھے اور اسے ساتھ لیے اسرائیلیوں کے خلاف تنظیم سازی کرتے پھر رہے تھے۔

لڑکی کو اسلامی تاریخ کے وہ نوجوان یاد آنے لگے۔ جو عقابی نگاہیں رکھتے تھے اور حق و باطل کے معرکوں میں ماتھے کی شکنوں سے دلوں کے راز پڑھ لیا کرتے تھے اور جنہیں دشمن کسی بھی رنگ میں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ اپنی تحقیق کے دوران وہ ان کے کارناموں سے دشمن ہونے کے باوجود متاثر ہوا کرتی تھی اور ان کے مقابل دیگر اقوام کے جوان کاہل، بے دانش اور بے راہنما ہونے کے باعث گمراہ و بے منزل دکھائی دیتے تھے۔ لڑکی اپنی روح کو انہی زمانوں میں محو پرواز محسوس کرتی اور انہی تصورات

میں گم کئی بار خود ہی مسکرا کر رہ جاتی مگر اس کا مشاہدہ و تجربہ گواہی دیتا تھا کہ بیسویں صدی کے آخری ایام تک بھی نوجوانان اسلام ایک بے موتی صدف کی مانند ہیں اور صرف جوش و جذبے کو ہی اپنا پہلا اور آخری ہتھیار سمجھے بیٹھے ہیں۔

لڑکی نے ان سب تصورات و خیالات کو جھٹک دیا کیوں کہ اس وقت وہ خود موت کی منزلوں سے گزر رہی تھی اور کوئی بھی لمحہ اس پر قضا بن کر طاری ہو سکتا تھا۔ اسے بہرحال یقین تھا کہ وہ جاسوس آفیسر اس کا ہر صورت پیچھا کرے گا۔ دراصل لڑکی نے بوڑھے کے گھر سے نکل کر درختوں کی اوٹ سے اور بہت دور سے ہی ان نوجوانوں کو اس گھر کی جانب جاتے دیکھ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے کوئی اور راہ لینے کی بجائے ماؤنٹ ہرمن کے راستے کو چن لیا تھا۔ بہت دور سے نظر آنے والی ادھر ادھر جھانکتی ہوئی روشنی اب تک کافی آگے آ چکی تھی اور ابھی تک اس کا بار بار غائب ہو کر منور ہونا ظاہر کرتا تھا کہ کوئی کسی کی تلاش میں ہے۔ اسی خطرے کے پیش نظر اس نے اپنے آپ کو مزید سمٹ سمٹا کر ایک جھکے ہوئے بڑے سے نوکیلے پتھر کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تاکہ ڈھونڈنے والوں کو پہلی نظر میں ہی اس کا کوئی نشان نہ مل سکے۔ ابھی وہ پیچھے سرکنے کی کوشش میں ہی مصروف تھی کہ پتھر کے اوپر سے کوئی بھوکا بھیڑیا چمکتی آنکھیں لیے اس پر حملہ کرنے کی غرض سے سامنے آکھڑا ہوا۔ لڑکی کے لیے یہ ایک عجیب و غریب ماحول تھا۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" دور تک خطرات ہی خطرات۔ اسے زندگی موت کے خونی پنجوں میں سسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایک لمحے سے بھی پہلے اسے فیصلہ کرنا تھا کہ

زندگی کو کیسے محفوظ کر لیا جائے۔ لڑکی کے ذہن میں قرآن حکیم کے وہی الفاظ گونجنے لگے جن کا مفہوم یہ تھا کہ:

"زندگی اور موت کا خالق صرف اللہ ہی ہے اور اللہ ہی کی یاد انسان کو مشکلات سے نجات دلا سکتی ہے اور کائنات کی ہر چیز کو انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔"

اس نورانی گونج نے لڑکی کے قلب و شعور میں خود اعتمادی اور قوت ایمانی کو پختہ تر کر دیا اور اسے اپنے جسم میں بجلیوں کی سی قوت ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ لڑکی نے اپنی بہترین گوریلا تربیت کو صرف اللہ ہی کی مدد کے تابع کر دیا اور عین اس وقت اس نے بھیڑیئے کی شہہ رگ میں اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ جب کہ وہ حملے کی غرض سے اس پر لپکا۔ اس نے جب بھیڑیئے کو چھوڑا تو وہ مرنے کے قریب تھا کیوں کہ اس کے دونوں ہاتھوں کی مضبوطی نے بھیڑیئے کی شہہ رگ کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ لڑکی نے اس واقعہ کو کوئی غیبی اشارہ سمجھا اور اس جگہ کو چھوڑ کر آگے کہیں اور چل دی۔

وہ ابھی ہٹے ہوئے راستے سے زیادہ دور نہ نکل پائی تھی کہ اس کا اندازہ درست نکلا اور ابھرتی ہوئی آوازوں سے اس نے پہچان لیا کہ اس جلتی بجھتی روشنی کے پس پردہ وہی تینوں نوجوان تھے۔ چنانچہ وہ وہیں کی وہیں دو بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے دم سادھ کر بیٹھ رہی۔ تلاش کرنے والے خود بھی بنے ہوئے راستے سے ذرا ہٹ کر ادھر ادھر روشنی پھینک کر بڑھے چلے جا رہے تھے۔ اندھیرے میں لڑکی کو ان کی آوازوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف اور اس سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ ان کی ابھرتی

ہوئی آوازوں میں اسے بڑے نوجوان کی آواز سنائی دینے لگی۔
وہ درمیانے نوجوان سے پوچھ رہا تھا کہ:
"آخر ہمارے پاس کیا ثبوت ہے کہ ہمیں پتہ بتانے والے راہ گیر نے جس لڑکی کا پتہ بتایا تھا۔ وہ یقیناً وہی لڑکی ہو جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں۔"
اور جواب دینے والا نوجوان کہہ رہا تھا کہ:
"بتانے والے مسافر نے جو نشانیاں بتائی تھیں وہ ہوبہو اسی لڑکی کی ہیں اور اس کے بتائے ہوئے فاصلے کے مطابق لڑکی اب تک اگر مسلسل چلتی بھی رہے تو یہاں سے اور زیادہ دور نہیں جا سکتی۔"

لڑکی کے لیے یہ منظر بہت دلچسپ موڑ اختیار کر چکا تھا اور وہ روحانی طور پر مطمئن بیٹھی اللہ کے کرشموں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ کوئی کمزور ایمان کا شخص ہوتا تو اس حد تک موت کو قریب دیکھ کر کئی دفعہ مر چکا ہوتا۔ مگر وہ سنت رسولؐ سے لحہ بہ لحہ روشنی حاصل کر رہی تھی اور جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے وہی واقعہ ہو کہ جب آخری نبی کو تنہا جان کر دشمن ان کے سرہانے تلوار تان کر کھڑا ہو گیا تھا اور پوچھا تھا کہ "میرے ہاتھ سے اب آپ کو کون بچائے گا؟۔" اور محمدؐ نے جواباً" فرمایا تھا کہ "میرا اللہ۔"

لڑکی کے لیے یہی کچھ کافی تھا اور یہی مشعل راہ تھا۔ حالانکہ اس پر ظاہر تھا کہ اگر وہ ان کے ہتھے چڑھ گئی تو اب کے بار وہ اس کی ایک نہ سنیں گے اور مارتے گھسیٹتے اسے لے جائیں گے اور راستے میں ہی قتل کر کے اسے کہیں پھینک دیں گے اور وہ دونوں بھائیوں کو یہ یقین بھی نہ

دلا سکے گی کہ تم دونوں ایک سفاک اسرائیلی جاسوس کو ساتھ لیے پھر رہے ہو۔ دور تک اب اس کے سامنے کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ سوائے ایک بہت پرانے درخت کے جو کسی دیو کی طرح ساکت کھڑا تھا اور اندھیرے ہی سے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کی ڈالیاں سورج اور چاند کی روشنی کو زمین تک نہ پہنچنے دیتی ہوں گی۔ لیکن اب وہ اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں تک نہ جا سکتی تھی کیوں کہ اس کی ذرا سی حرکت دور تک خاموشی کو توڑ دیتی اور وہ اپنی بندوقوں کا رخ اسی جانب کر دیتے۔

چند ہی لمحوں بعد عین اسی نوکیلے پتھر پر رکتے ہی درمیانے نوجوان نے اس مردہ بھیڑیئے کو زندہ جان کر اس پر گولی چلا دی۔ جس کی آواز یقیناً میلوں دور سنی گئی ہوگی۔ بڑے نوجوان نے انتہائی سخت الفاظ میں اسے یہ کہتے ہوئے ڈانٹ پلا دی کہ "اس وقت رات کی گشت پر نکلے ہوئے اسرائیلی فوجی ادھر ہی کا رخ کریں گے اور ہمیں ہر طرح اپنا نشانہ بنا ڈالیں گے۔"

اس کا اندازہ درست نکلا اور گولی کی آواز کے ساتھ ہی دور ایک جیپ کی روشنی نمودار ہوئی جو تیزی سے انہی کی جانب دوڑی چلی آ رہی تھی۔ دونوں بھائی اسے دیکھتے ہی ایک طرف دوڑنے لگ گئے اور کچھ دور فاصلے پر جا کر کہیں چھپ گئے جب کہ درمیان والا نوجوان ان کے پیچھے بھاگنے کی بجائے وہیں سے راستے کے دوسرے کنارے کی جانب بھاگ اٹھا اور وہیں کہیں جھاڑی کے پاس لیٹ گیا۔ جو لڑکی کے مقابل زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

لڑکی نے دیکھا کہ اس نوجوان نے بڑی احتیاط سے بہت ہی معمولی

سرخ سی روشنی سے جیپ کو ذرا پرے ہی رکنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی جانتی تھی
کہ یہ عمل انہیں باقاعدہ سکھلایا اور سمجھایا جاتا ہے تاکہ اس سے موقع کی
مناسبت سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور جو سپاہی گشت پر ہوتے' انہیں بھی اس
سے باخبر کر دیا جاتا ہے اور باقاعدہ تربیت بھی دی جاتی ہے۔ وہ دونوں بھائی
تو کہیں دور جا چکے تھے مگر درمیان والا نوجوان رینگتا ہوا جیپ والوں کے
پاس آ رہا۔ اس نے آتے ہی اپنی شناخت کے بعد سرگوشی کے انداز میں
گفتگو شروع کر دی۔ یہ لوگ ان دو پتھروں سے جن میں لڑکی چھپی ہوئی
بیٹھی تھی۔ اتنے فاصلے اور ایسے زاویئے پر تھے کہ وہ انتہائی غور اور احتیاط
کے باوجود ان کی صرف دو ایک باتیں ہی سن پائی۔

جیپ میں بیٹھے ہوئے آفیسر نے اس سے کہا:

"آپ نے جس بوڑھے کو گرفتار کروایا تھا اس سے لڑکی کا اتہ پتہ نہیں مل
سکا۔ البتہ اس کے گھر سے ایسا کاغذ ملا ہے جس پر لڑکی کے اپنے ہاتھ کی
تحریر ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے۔ بوڑھا چند گھنٹوں
کی سزا اور تشدد کے باعث مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ اسی لیے اسے واپس
اسی کے گھر پھینک دیا گیا تھا۔"

درمیان والے نوجوان نے کہا:

"ہمیں علم ہوا ہے کہ لڑکی اسی ماؤنٹ ہرمن کی جانب آئی ہے۔ ہم نے
یہاں تک اس علاقے کو ٹٹولا ہے مگر تاحال اس کا نشان نہیں ملا۔ میرا خیال
ہے کہ وہ ذرا اور آگے تک جا چکی ہوگی اور آپ لوگ واپسی پر اگر دائیں
بائیں دیکھتے جائیں تو اس کا کچھ نہ کچھ اتہ پتہ مل سکتا ہے۔" یہ گفتگو زیادہ
دیر نہ جاری رہی اور درمیان والا نوجوان رینگتا ہوا دوبارہ کہیں اور جا

چھپا۔ جیپ والا آفیسر چند لمحے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جیپ سمیت واپس چلا
گیا۔

لڑکی کو اندازہ تھا کہ وہ دونوں بھائی درمیان والے نوجوان کی
سازش اور گفتگو سے بے خبر ہیں اور کسی بھی طریقے سے اٹھ کر ان تک
پہنچنا درمیان والے نوجوان کی گولیوں کا نشانہ بننا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ کے
بھروسے پر دم سادھے بیٹھی رہی۔

اندھیری رات کی سیاہ خاموشی کسی بھی ہلکی ترین آہٹ کو چھپانے
اور جذب کرنے سے عاری تھی۔ دونوں بھائی درمیان والے نوجوان کو
تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ جو لڑکی کی مخالف سمت تھوڑی ہی دور چھپا بیٹھا
تھا۔ بڑے نوجوان نے اسے آواز دی تو وہ اٹھ کر ان کی جانب چلا آیا۔
اب کی بار لڑکی ان سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر تھی۔

چھوٹے نوجوان نے استفسار کیا:

"اب ہمیں کہاں کی راہ لینی چاہیے؟۔"

بڑے نوجوان نے کہا:

"ہم نے چاروں طرف کسی بھی خاتون کی رفتار سے زیادہ فاصلہ طے کر کے
اسے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ بہتر ہے آگے جانے
کی بجائے واپسی کی راہ لی جائے۔"

چھوٹے نوجوان نے کہا:

"اب اگر وہ ہمارے ہاتھ نہ بھی آئے تو افسوس نہیں کیوں کہ اتنے سے
دنوں کے دوران وہ ایسے کسی راز سے آشنا نہیں ہو سکتی۔ جو آگے چل کر
ہماری تنظیم کے لیے خطرہ ثابت ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ہمارے

ٹھکانوں ہی کی خبر کر سکتی ہے۔ جنہیں ہم پہلے ہی چھوڑ کر اپنے اس ساتھی
کی تجویز کے مطابق نئی جگہوں پر جا چکے ہیں۔ تیسرے ساتھی کو ان کا واپس
چلے جانا پسند نہ آیا۔ چنانچہ وہ اپنی رائے پر زور دیتا رہا کہ ہمیں اسی علاقے
کو مزید ٹٹولنا چاہیے تاکہ لڑکی کو دن کی روشنی میں تلاش کیا جا سکے۔ اصل
میں یہ شخص لڑکی کو جلد از جلد مار کر اپنے لیے اسرائیل کے خفیہ ادارے
میں کسی بڑے عہدے کی تاک میں تھا۔

اس نے بڑے لڑکے کو تجویز دی:

"ہم لبنان کی سرحد کے اندر تک سفر جاری رکھ سکتے ہیں اور دو ایک روز
مزید تلاش کرنے کے بعد واپس اپنی تنظیم کے ٹھکانے پر آ جائیں گے۔" مگر
بڑے نوجوان کو یہ بات عجیب سی لگی۔ اس نے سوچا کہ لڑکی اسرائیلی بستی
یا کسی اور اسرائیلی ٹھکانے میں پناہ لینے کی بجائے آخر لبنان کا رخ کیوں
کرے گی؟۔

اس شک کو رفع کرنے کے لیے تیسرے ساتھی نے کہا:

"لبنان کی سرحدوں کے کافی حصے پر اسرائیلیوں کا قبضہ ہے۔ جس میں
ہماری تنظیم مؤثر نہیں ہے اور لڑکی جان چکی ہے کہ ماؤنٹ ہرمن سے لے
کر انتہائی جنوب تک گولان کی پہاڑیوں میں میوہما کی بستی اور اردن کی
سرحد تک اسرائیل کی نئی بستیوں میں ہم رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ
وہ ادھر کا رخ تو نہیں کرے گی۔ اسی وجہ سے اس نے لازماً لبنان کی
طرف کو ہی چنا ہو گا اور آپ کو یاد بھی ہو گا کہ آپ نے ہی بوڑھے کریم کے
گھر میں اس کے سامنے اپنی تنظیم کے بعض منصوبوں پر گفتگو کی تھی اور
کریم کو یہ پیش کش بھی کی تھی کہ اسی لڑکی کو لبنان میں اپنی تنظیم کے شعبہ

خواتین کا سربراہ بنا دیا جائے۔ کیوں کہ ہماری تنظیم کا وہاں کوئی اثر و رسوخ
نہیں۔ وہ لڑکی اس سلسلے میں ہماری بعض کمزوریوں سے آگاہ ہے اور جانتی
ہے کہ وہاں تک محفوظ سفر کر کے واپس اسرائیل کے قابض دستوں کی
وساطت سے اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ سکے گی۔"

اسی دوران لڑکی کو اپنی جگہ پر اور کچھ دیر تک دم سادھ کے ہی
بیٹھنا پڑا۔ کیوں کہ اس کے تھوڑی ہی دور رکے رکے ابھی یہ فیصلہ نہیں کر
پائے تھے کہ تلاش جاری رکھتے ہوئے لبنان کی سرحد تک کا علاقہ دیکھ لیا
جائے یا واپسی کی راہ لی جائے۔ بڑے کی نسبت چھوٹا نوجوان زیادہ محتاط
تھا۔

اس نے مشورہ دیا:

"لبنان کی سرحد پر پہنچ کر واپس آنا کئی حوالوں سے ناممکن ہو گا کیوں کہ
اسرائیل والے بہت چاق و چوبند ہیں اور اس بات کے زیادہ امکانات ہیں
کہ وہ اسی جرم میں دھر لیے جائیں اور پھر وہ کبھی بھی زندگی کا منہ نہ دیکھ
سکیں گے۔" بڑے نوجوان کو اپنے تیسرے ساتھی کی باتیں منطقی تو لگتی
تھیں لیکن اس کا دل انہیں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے چھوٹے
نوجوان کے مشورے کی تائید کی اور واپس اپنے گھر کی جانب چل دیئے۔"

(7)

بھیڑیے کے ساتھ لڑائی کی وجہ سے لڑکی کچھ زخمی بھی تھی اور یوں بھی اس وقت چلتے چلتے اور چھپتے چھپتے مضمحل سی ہو رہی تھی۔ بظاہر تلاش کرنے والوں کی جانب سے خطرات ٹل چکے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کے بعد جن حالات سے وہ گزر رہی تھی۔ ان میں اسے کوئی راہ اور کوئی منزل سجھائی نہ دیتی تھی۔ اپنی غار نما جگہ کو چھوڑ کر وہ اوپر پتھر پر آ کر بیٹھ گئی۔ وہ دور آسمان پر ستاروں کے قافلوں کو کسی جانب رواں دواں دیکھنے لگ گئی۔

وہ سوچتی رہی:

"اگرچہ ظاہری منزلیں اس سے چھوٹ چکی ہیں اور وہ بے یار و مددگار محو سفر ہے مگر وہ ایسی باطنی منزل سے ہمکنار ہو چکی ہے جہاں پر پہنچ کر اس کی روح، دل اور دماغ اطمینان آشنا ہو چکے ہیں۔" وہ دیر تک اس جہالت پر

غور کرتی رہی کہ:

"نسل انسانی تو ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ایک ہی جیسے ذہن و شعور کے مالک ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ ایک دوسرے کو فنا کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں؟"

اس کے ذہن میں اس کا ایک ہی جواب ابھرتا:

"انسانوں نے اس راہنمائی سے منہ موڑ رکھا ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبروں اور خاص کر محمدؐ کے ذریعے ان تک پہنچائی تھی۔"

اس نے سوچا:

"یہ کشمکش اس وقت تک بڑھتی ہی چلی جائے گی جب تک فرد یا افراد اپنے شعور کو پاکیزہ نہیں کر لیتے اور اس پاکیزہ شعور کو وحی سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے مختص نہیں کر لیتے۔" لڑکی اپنی زندگی کی ایسی سچائیوں کے بارے میں ابھی بہت زیادہ دیر تک نہ غور کر پائی تھی کہ اسے جبین جبرائیل کی مانند آسمان کی پہنائیوں میں اختر صبح نمودار ہوتا نظر آیا۔ گزرتی ہوئی رات کا یہ اندھیرا اسے بڑا مبارک لگا کیوں کہ اس نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا تھا۔ دھیرے دھیرے یہ رات اسے الوداع کہہ رہی تھی اور صبح کا نورانی چہرہ جلوہ افروز ہونے کو تھا لیکن ایسے میں لڑکی کی موجودگی کا ظاہر ہو جانا بعید نہ تھا۔

بڑے نوجوان نے لبنان کی سرحد تک لڑکی کو تلاش کرنے کا کام اپنے تیسرے ساتھی کے سپرد کیا اور خود چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر اگلے روز لڑکی کو تلاش کرنے کے لیے اپنے واپسی کے علاقے کا ہی انتخاب کیا تھا تاکہ اس کے بعد جلد اپنی تنظیم کے ٹھکانے تک پہنچ سکے۔ لڑکی چھپے ہوئے

ہی ایک جھاڑی کی شاخوں کی اوٹ سے جہاں تک نظر جا سکتی تھی۔ ان کے تیسرے ساتھی کو جاتے دیکھتی رہی تھی تاکہ یہ علم ہو سکے کہ اس نے لبنان کی طرف کی کون سی راہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شمال کی جانب چلا گیا تھا مگر وہ راستہ لڑکی کے خیال اور مشاہدے کے مطابق ذرا دور سے گھوم کر واپس ان دونوں نوجوان بھائیوں کی راہ کی جانب ہی چلا جاتا تھا۔

لڑکی نے ان کے تیسرے ساتھی کو شمال کی جانب جاتے دیکھ کر خود مغرب کی راہ لی۔ وہ اگرچہ اپنی تربیت' ارادے اور تجربے کی بناء پر غیر معمولی حوصلے اور برداشت کی مالک تھی۔ مگر اگلی دوپہر تک چلتے چلتے اسے اپنا جسم کچھ زیادہ ہی مضمحل ہوتا محسوس ہوا۔ وہ پسینے سے شرابور ہو چکی تھی اور جلد ہی کہیں ایسی بستی میں چلے جانا چاہتی تھی جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو مگر تاحال دور تک بے آباد سا علاقہ تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ اسے اور بہت دیر تک چلتے رہنا ہو گا لیکن مٹی اور پسینے میں لپٹی اپنی قمیض اسے اس وقت زیادہ بوجھل محسوس ہونے لگی جب اس کے اندر کی جانب سلے ہوئے فالتو کپڑے نے پسینے سے بھیگ کر بار بار جسم سے ٹکرانا شروع کر دیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ تھک کر ایک دفعہ بیٹھ گئی تو پھر نہ جانے کب تک سوتی رہے اور اس دوران اسے ڈھونڈنے والوں میں سے کوئی بھی اس کا پتہ پالے اور اس کی زندگی کی داستان ختم ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی قمیض کی اندر کی جانب سلے ہوئے اس کپڑے کے فالتو ٹکڑے کو اتار ڈالا۔ تاکہ مزید ہلکا ہو کر چلتی رہے مگر جونہی اس نے اسے اتارنے کی کوشش کی تو اس میں سے کچھ کاغذات نکل کر نیچے گر پڑے۔

لڑکی نے انہیں اٹھالیا مگر جانچنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ بوڑھے کی شہید ہو جانے والی بیٹی کا پاسپورٹ تھا۔ جس کے ساتھ پاکستان جانے کے لیے کچھ کاغذات اور جہاز کی ٹکٹیں تیار و مکمل ہو چکی تھیں مگر شہادت نے اسے پاکستان جانے کی مہلت نہیں دی تھی۔ لگتا تھا کہ بوڑھے نے کچھ دنوں تک انہیں اپنے سامنے رکھ کر آنسو بہائے ہوں گے مگر بعد میں مستقل یاد کے طور پر ان کاغذات کو اپنی بیٹی کے سبز والے لباس کے اندر کی جانب جیب سی بنا کر سی دیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے ان تمام اخراجات کے لیے پیسوں کو بھی انہی کاغذات میں رکھ دیا ہوا تھا۔ جو اس کی بیٹی ساتھ لے کر پاکستان جانے والی تھی۔

لڑکی کو یقین ہو گیا کہ قرآن کے پیغام کے مطابق "جب اللہ کسی کی مدد کرنا چاہتا ہے اور اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو وہ اپنی بارگاہ سے انسان کے لیے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔" لڑکی کو یوں لگا جیسے اسے اپنی منزل مل گئی ہو۔ اس نے مزید سفر کرنے سے پہلے کہیں چھپ کر بچی کھچی کھجوریں کھا کر مکمل نیند کر لینا ضروری سمجھا اور یوں ایک جانب کہیں جا کر سو رہی۔ یہاں تک کہ اگلی صبح ہو گئی۔ اگرچہ اس دوران اس کی دو ایک بار آنکھ کھلی مگر بے آب و گیاہ ویران سے علاقے کی سیاہ رات میں روشن ستاروں کو دیکھ کر وہ پھر سو رہی۔ آج کی رات اگرچہ سیاہ تھی مگر اسے اپنی منزلیں روشن نظر آ رہی تھیں اور وہ اپنے آپ کو اب منزل کی جانب رواں دواں سمجھ رہی تھی۔
اگلی صبح وہ اسی پاسپورٹ پر پاکستان کے لیے اپنا سفر جاری رکھنے کا قصد کرکے چل پڑی۔

(8)

کسی بھی مجاہدہ کی طرح اس نے اپنا چہرہ مکمل طور پر ظاہر نہیں کر رکھا تھا اور اس کے آدھے چہرے پر باوقار سا پردہ رہتا تھا تاکہ دشمن کی تیز نظروں سے بھی محفوظ رہ سکے۔ مگر اس ضرورت سے زیادہ وہ قرآن کے پیغام کے مطابق اپنے آپ کو سراپا باحیا رکھنے کی شعوری کوشش کرتی رہتی۔ اسرائیل میں تربیت کے دوران جن مسلمان ممالک کے بارے میں اسے زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ ان میں پاکستان کو بطور خاص شامل کیا ہوا تھا۔ ویسے بھی اسرائیل کے خفیہ محکمے نے لڑکی کو پاکستان کے لیے ہی تیار کر رکھا تھا۔ تاکہ کسی مناسب موقع پر اسے پاکستان میں بطور ایجنٹ بھیجا جا سکے۔ اسی وجہ سے اسے پاکستان کے مختلف علاقوں، شہروں اور کلچر کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ پچھلے دو ایک سال کے دوران وہ پاکستان کی قومی زبان اور بعض علاقائی زبانوں کے امتحانات

پاس کر چکی تھی۔ اسرائیل کا تربیت دینے والا ادارہ زبان کے سیکھنے کے ساتھ ساتھ لہجے پر خاص توجہ دیتا تھا تاکہ بھیجا ہوا ایجنٹ لہجے کے حوالے سے کبھی بھی نہ پہچانا جا سکے۔

لڑکی کو ویسے بھی پاکستان کے دیہاتوں اور شہروں کا کلچر امریکہ سے بہت مختلف لگا۔ جو اس کے لیے ہمیشہ ہی باعث دلچسپی رہا تھا۔ اسی دوران اس نے پاکستان کی متعدد فلمیں بھی دیکھ رکھی تھیں اور کسی حد تک اس خطے کی موسیقی سے بھی آگاہی حاصل کر رکھی تھی۔ اسرائیل کی تربیتی ڈاکٹرین کے مطابق ایجنٹوں کے لیے متعلقہ ملک کے کلچر کو سمجھنا اور اپنانا مرکزی اہمیت کا حامل تھا۔ کلچر کی بنیاد کیوں کہ جذبوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اسی پر آئندہ سماجی اقدار کی عمارت تیار ہوتی ہے۔ اسی لیے کلچر کو سمجھنے اور اپنانے سے کوئی بھی فرد اس معاشرے کا بڑی آسانی سے حصہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے بڑی حد تک اسی سلسلے میں پاکستان سے آگاہی حاصل کر لی ہوئی تھی۔

پاکستان کے بارے میں اپنے وسیع مطالعے سے لڑکی نے اس ملک کی بہت سی شخصیات، ان کے آباؤ اجداد اور ذرائع آمدنی کے متعلق بھی کافی زیادہ معلومات حاصل کر رکھی تھیں۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ پاکستان بننے سے لے کر اس کے بعد بے حساب سالوں کے اندر کون کون سے سیاستدان، پالیسی ساز، فیصلہ ساز کس کس طرح اقتدار میں آئے اور ان میں بعض کیسے کیسے اور کیا کیا حربے اور حیلے وسیلے اختیار کرتے رہے۔ اسے یہ تک خبر تھی کہ پاکستان کی کن کن شخصیات کے مغرب کی کن کن ایجنسیوں اور اداروں سے کس حد تک تعلقات ہیں اور کون سے لوگ کن

کن کے لیے کام کر رہے ہیں۔

اسرائیل میں لڑکی کو تربیت کے دوران پاکستان کے کلچر اور سیاست کے بارے میں متعدد فلمیں دکھائی جاتی تھیں۔ پاکستان کے بارے میں غیر ملکیوں کی لکھی ہوئی کتابیں اس کے لیے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوتیں۔ اسی تربیت کے دوران اسے پاکستان کے خلاف جو اہم راز بتایا جاتا، وہ یہ تھا:

"پاکستان اپنی نظریاتی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکا اور بے حساب نظریاتی تضادات کا شکار ہے۔"

چنانچہ اسرائیلی ایجنٹوں کو پاکستان میں دیگر مقاصد حاصل کرنے کے علاوہ مندرجہ ذیل امور کے لیے اہم منصوبہ بندی کرنے کا کام سونپا جاتا تھا۔

- پاکستانیوں کو قرآن کریم کسی ایسی زبان میں نہ پڑھنے دیا جائے جس سے ان میں قرآنی تعلیمات کا شعور اجاگر ہو سکے اور وہ قرآن کے معنی و مطالب سمجھ سکیں۔
- پاکستانیوں میں علامہ اقبال کے کلام کے لیے دلچسپی پیدا نہ ہونے دی جائے۔
- سنیوں، شیعوں اور وہابیوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ نفرت پیدا کی جائے اور جن وجوہات کی بنیاد پر یہ فرقے معرض وجود میں آئے ہیں۔ انہیں مبالغہ آمیز طریقے سے بڑھا چڑھا کر پیش کروایا جائے۔

تربیت کے دوران لڑکی حیران ہوتی تھی کہ خود اسے بھی قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں تھی اور کلام اقبال پڑھنے کی بھی ممانعت تھی۔ البتہ

تربیت کے آخری مراحل میں اسے پاکستان سے تعلق رکھنے والی بعض ایسی شخصیات کے بارے میں آگاہی دی گئی جو اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہتی تھیں۔

یہ محض قدرت کا کرشمہ تھا کہ لڑکی کو بے منزل ہو کر پاکستان کو اپنی منزل بنانا تھا۔ اسرائیل اس لڑکی کو اپنے مقاصد کے لیے تیار کرتا رہا مگر قدرت اسے اپنے لیے تراشتی رہی۔

لڑکی نے بڑی مہارت سے بوڑھے کی بیٹی کا پاسپورٹ استعمال کیا اور ایسے جہاز پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ جس کے ذریعے وہ آخر کار پاکستان پہنچ سکتی تھی۔ جہاز میں اپنے سارے سفر کے دوران وہ ایک نہ ختم ہونے والے سلسلہ تصورات میں محو رہی۔ ایئرپورٹ پر اسے خولہؓ پر لکھی ہوئی کتاب مل گئی۔ جسے دیکھتے ہی اس نے خرید لیا تھا۔ وہ سفر شروع ہونے کے کچھ ہی دیر بعد تک اسے بڑی محویت سے پڑھتی رہی۔ وہ اس عظیم ہستی سے اتنا متاثر ہوئی کہ اسے بار بار نگاہ تصور سے دیکھتی اور اس سے ہم کلام ہونے کی کوشش کرتی کہ:

"اے عظیم مومنہ!

"مجھ پر بھی قوت ایمانی کے وہ راز افشاء کر جو تم پر آشکار ہوئے۔ حق و باطل کے معرکوں میں جانوں کو کس طرح ہتھیلیوں پر رکھ کر ثابت قدم رہا جاتا ہے۔ مجھے بھی ان اسرار سے آشنا کر دے۔"

اس کے لبوں پر یہ سوچ کر دھیمی سی مسکراہٹ آ جاتی کہ کل تک جس مملکت کی دشمنی اس کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی آج وہی مملکت اس کے لیے محبت اور خوابوں کی سرزمین تھی۔ مگر اس خیال سے وہ

آزردہ سی ہو جاتی کہ پاکستان میں جا کر کسے بتائے گی کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے اور پاکستان کے لیے ہی جینا مرنا چاہتی ہے اور کون اس کی بات پر یقین کرے گا۔ وہ اپنی معلومات کے مطابق ایک کم نظریاتی مملکت سے نکل کر روح اسلام پر مبنی ایک عظیم و برتر نظریاتی مملکت کی جانب گامزن تھی۔

وہ سوچتی رہی کہ:

"پاکستان میں اسے کہاں پناہ لینی چاہیے؟ اور وہ دیر تک بڑے دلچسپ تضادات کا تجزیہ کرتی رہی۔"

"پاکستان کی دشمنی اور تباہی کے لیے تو اسے پاکستان کے اندر بڑی بڑی سینکڑوں پناہ گاہیں مل جاتیں جو اسے ہر آفت سے محفوظ کر رکھتیں مگر پاکستان سے محبت کی وجہ سے ابھی اسے کوئی بڑی پناہ گاہ جو ہر لحاظ سے موثر بھی ہو اور اس پر یقین بھی کر سکے تاحال نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے تربیت کے دوران حاصل کی گئی معلومات کے تصوراتی طور پر سبھی دروازے کھٹکھٹائے جہاں رک کر وہ کسی کو کہہ سکے کہ:

"وہ مسلمان ہو کر اسلام کے لیے ہی جینا اور مرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے اس نے پاکستان کو ہی اپنا دیس چن لیا ہے۔" لیکن ابھی تک وہ اپنے آپ کو اجنبی ہی محسوس کرتی رہی۔"

اسے خیال آیا:

"اللہ کی اس مملکت میں کروڑوں ایسی پناہ گاہیں ہوں گی جنہیں وہ جا کر آزما سکے گی۔" چنانچہ یہ سوچ کر وہ بہت جلد افسردگی اور ناامیدی کی کیفیت سے باہر آ گئی۔

اسے اب ایسے امور سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی کہ اسرائیل کیا کر

رہا ہے، عرب کیا کر رہے ہیں اور فلسطینیوں نے اپنے لیے خودمختار علاقہ لے کر اس میں کس طرح مکمل آزادی پر مبنی اپنا تشخص قائم رکھنا ہے۔ اسے جو فکر تھی وہ یہ کہ وہ کس طرح اپنی پوری زندگی قرآن کے احکام کے مطابق ڈھال دے تاکہ اللہ کی بارگاہ سے نفس مطمئنہ مانگ سکے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے وہ جوان ہوتی ہوئی مسلم نسلوں کو عظمت اسلام کی جانب مائل کر سکے تاکہ امت اسلامیہ ایک بار پھر اپنی فردوس گم گشتہ کا سراغ پا سکے۔ اس کے لیے اس نے بند آنکھوں میں ہی بہت سے خاکے اور منصوبے تیار کیے جو ریت کے گھروندوں کی طرح بار بار گر جاتے۔ یوں وہ سفر کے دوران سوچتی رہی اور خواب بنتی رہی۔

وہ ایسی ہی سوچوں میں گم آنکھیں بند کیے پڑی تھی کہ اچانک ایئر ہوسٹس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے چونکا دیا۔ ہوسٹس نے اسرائیلی زبان میں اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی۔ جسے لڑکی نے سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں ہوسٹس اسے اس کی پہچان بتا رہی تھی اور اس سے پوچھ رہی تھی کہ:

"کیا وہ فلاں فلاں لڑکی ہے۔" لڑکی ویسے تو ہوسٹس کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی۔ کیوں کہ کسی ایک تربیت کے دوران کچھ روز کے لیے وہ ایک جگہ اکٹھی رہ چکی تھیں مگر اس نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ لڑکی جانتی تھی کہ ہوسٹس اسرائیل کے کس خفیہ ادارے کی ایجنٹ ہے۔ چنانچہ اس نے بڑے اعتماد سے اشاروں سے اسے بتا دیا کہ وہ اس کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے۔ لڑکی کے چہرے پر ابھی تھوڑا سا پردہ تھا جو محویت کی وجہ سے ڈھلکا ڈھلکا سا تھا اسی لیے ہوسٹس معذرت کرتی ہوئی چلی گئی کہ اسے اس پر اپنی

کسی سہیلی کا گمان ہوا تھا۔

جہاز جب پاکستان میں داخل ہوا تو وہ کھڑکی سے اس کی فضاؤں اور دور اوپر سے اس کی سرزمین پر دکھائی دینے والے نقش و نگار کو تکتی رہی۔

(9)

پاکستان کے ایک شہر کے ائرپورٹ سے نکل کر لڑکی نے اسی صوبے کا مخصوص لباس خرید کر پہن لیا اور اسی صوبے کے اندرونی دوسطی غریب علاقوں کی جانب ایک بس پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی۔

لڑکی کا خیال تھا کہ کسی دور دراز والے دیہات میں کسی بے یار و مددگار غریب سے گھرانے میں پناہ لے کر اور عملی طور پر آہستہ آہستہ اس کے کلچر سے مانوس ہو کر اور وہاں کسی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھ کر اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے عام کرنے کی خدمات کے لیے وقف کر دے گی۔ دراصل وہ دیہات میں رہ کر مستقبل کے لیے اپنی پہچان اور بنیاد تیار کرنا چاہتی تھی تاکہ کسی بھی تعارف میں وہ اسی دیہات اور اس کے کسی مخصوص گھرانے کا نام استعمال کر سکے۔

چنانچہ یوں ہی اس نے اپنے خیال کی پرچھائیوں کا پیچھا شروع کر

دیا تاکہ کہیں نہ کہیں تو پہنچ سکے۔ اسے یہ دن بہت سہانا سا لگ رہا تھا۔ وہ ایک ایسی بس میں سوار ہو گئی جو اس صوبے کے دور دراز کے علاقوں کی جانب جاتی تھی۔ لکھے ہوئے بورڈ کے مطابق بس کا آخری سٹاپ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ بس اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔ راستہ پکی سڑک کا نہ تھا البتہ کہیں کہیں ٹوٹے ہوئے سڑک کے ٹکڑے بتاتے تھے کہ کبھی کسی نے سڑک بنانے کی کوشش کی ہو گی' جو سرے نہ چڑھ سکی۔ مگر تھوڑے ہی فاصلے پر لڑکی کو ایک بڑا سا بورڈ لگا دکھائی دیا' جس پر لکھا تھا:

"یہ سڑک فلاں وزیر کے دور اقتدار میں تکمیل پائی اور انہی کے دست مبارک سے اس کا افتتاح ہوا۔ بتاریخ ___ ___

بورڈ پر یہ تحریر کوئی دو سال پہلے کی تھی۔ لڑکی کے لیے یہ امر باعث حیرت تھا کہ بنائی گئی سڑک اتنے کم عرصے میں کیسے صفحہ ہستی سے مٹ سکتی ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد پہلی بار اس کے دل میں خوف سا پیدا ہوا اور اس کے پاؤں لرزنے لگے۔ اسے خیال آیا کہ کہیں وہ ایسے علاقے یا بستی کی جانب تو رواں نہیں جو قوم عاد یا ثمود جیسے کسی عذاب کے گھیرے میں ہو کہ جہاں اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہو کہ نہ صرف راستوں کے نام و نشان مٹ جاتے ہیں بلکہ قوم کی ہڈیاں ٹھیکریوں کی طرح رلتی رہ جاتی ہیں تاکہ آیندہ نسلیں ان سے عبرت حاصل کر سکیں۔ مگر اس نے اس خیال کو جھٹک دیا کیوں کہ وہ اپنی معلومات کے مطابق ایسی مملکت میں عمر گزارنے آ رہی تھی جس کی اساس قرآن کے پیغام سے اٹھائی گئی تھی اور جہاں اسے یقین تھا کہ وہ اطمینان سے سادہ و پاکیزہ زندگی گزار سکے گی۔ بہرحال لڑکی کے لیے یہ راستہ ذرا بھی مانوس نہ تھا کیوں کہ اسرائیل میں یا اس کی نئی

بستیوں میں کہیں بھی اتنے سے عرصے کے دوران تباہ ہو جانے والا کوئی راستہ یا سڑک نہ تھی۔

راستے کے اردگرد جھاڑیاں تھیں اور دور دور تک زمین قابل کاشت لگ رہی تھی مگر جھاڑیوں سے اٹے ہوئے یہ میدان بتلاتے تھے کہ اس کے مالک اپنے وطن کی زمین کی محبت سے عاری ہیں۔ اس لیے کہ وہ زمین اپنی زرخیزی کے لحاظ سے پھل اور پھول دینے کے لیے بے تاب نظر آتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ راستے پر چلتے ہوئے یا ٹھہرے ہوئے زیادہ تر لوگ پرانے اور بوسیدہ سے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ بلکہ بس کے اندر کے مسافر بھی کچھ اسی قسم کے حلئے میں تھے۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ بس بے حساب لوگوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ ان علاقوں میں بہت ہی کم بسیں چلتی ہیں اور یوں بہت دیر بعد آنے والی بس میں بے حساب لوگوں کا سوار ہو جانا ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ سرکاری وردی میں ملبوس کچھ اہل کاروں نے بس کو سواریوں سمیت کسی دوسرے راستے پر ڈال دیا اور ڈرائیور کو حکم دیا کہ فلاں جگہ بس لے جائیں اور حکومت کے کسی بڑے عہدے دار کے جلسے میں شمولیت کریں۔ اسرائیلی لڑکی کے لیے یہ عجیب و غریب بات تھی کہ لوگ جو اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے انہیں دھکیل کر کیوں جلسہ گاہ میں لے جایا جا رہا ہے۔"

بس کا ڈرائیور سہما ہوا بس کو جلسہ گاہ کے قریب کھڑا کر کے افسردہ ہو کر آنکھوں میں آنسو لیے سر جھکا کر بس کے سائے میں ہی کھڑا ہو گیا۔ سواریوں کا موسم کی شدت کی وجہ سے برا حال تھا۔ لڑکی نے محسوس کیا کہ

لوگ مضمحل تھے اور خوف کے مارے جلسہ گاہ میں تقریر کرتے ہوئے عہدے دار کو سننے پر مجبور تھے۔ چاروں طرف پولیس کی نفری تھی اور جو افراد بھی نکلنے کی کوشش کرتے انہیں گھیر گھار کر واپس بٹھا دیا جاتا۔ تقریر کرنے والے نے دو اڑھائی گھنٹے تقریر کی اور بے حساب دعوے کئے۔

اس نے یہ بھی کہا کہ:

"پاکستان چند انسانوں کا نہیں کہ اپنی مرضی سے اس کی قسمت کا فیصلہ کریں۔ اب ہم ان سے ایک ایک بات کا حساب لیں گے۔ ہم یہاں پر کسی کو بھوکا ننگا نہیں دیکھنا چاہتے۔ ہم کسی پر ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ ہم بلا تخصیص سب کو انصاف مہیا کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور جنہوں نے اس ملک کو لوٹا ہے۔ ہم انہیں کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لیں گے۔"

لوگ چپ چاپ بیٹھے سہمے ہوئے تقریر سن رہے تھے۔ اچانک ایک شخص نے اٹھ کر زور سے بولتے ہوئے کہا کہ:

"جناب والا! آج سے کچھ سال پہلے اقتدار میں آنے کے لیے آپ نے ایسی ہی تقریریں کی تھیں اور ہم نے ہر دباؤ کے باوجود آپ کو ہی منتخب کیا۔ اب آپ کو اقتدار میں آئے ہوئے کچھ سال ہو گئے ہیں مگر آپ کے اسی عرصہ اقتدار میں ہم پر فلاں فلاں مسلسل ظلم اور جبر ہو رہے ہیں مگر کوئی بھی ہماری فریاد نہیں سن سکتا۔ ہم پر ہر جانب سے انصاف کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ شہروں اور دیہاتوں میں ہر جگہ لوگ بلک اٹھے ہیں۔ آپ کے بڑے بڑے ساتھی اور کارندے ہر طرف لوٹ مچا رہے ہیں اور ستم پہ ستم کرتے جا رہے ہیں مگر انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مہربانی سے آپ اس کا نوٹس لیں تاکہ لوگوں کی جان و عزت اور حقوق محفوظ رہیں۔"

لوگوں نے اس نوجوان کی دلیری اور سچائی پر بے حساب تالیاں بجائیں۔

مگر تقریر کرنے والی شخصیت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"یہ لوگ دشمن پارٹیوں کے بھیجے ہوئے ہیں جو ملک کا امن و امان تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ شخص یقیناً کوئی دہشت گرد ہے جو اس عظیم جلسے کو خراب کرنا چاہتا ہے۔"

یہ کہنا تھا کہ سرکاری عہدے دار اس پر پل پڑے اور اسے مارتے پیٹتے جلسہ گاہ سے باہر لے گئے۔ جس طریقے سے اس کا مار مار کر حشر کیا جا رہا تھا۔ وہ ایک دلدوز منظر تھا۔

لڑکی یہ سب کچھ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ اسے اپنے خواب ریزہ ریزہ ہوتے دکھائی دیئے لیکن مایوس ہونے سے پرامید رہنا اس نے زیادہ بہتر جانا۔ تاہم وہ بہت گہری سوچ میں ڈوبی رہی۔ اسے اسلامی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد آیا۔

"جب بھرے دربار کے ہجوم میں اسلامی خلیفہ دوم عمر فاروقؓ کو کسی شخصیت کے ہاتھوں سخت تنقید کا نشانہ بننا پڑا اور انہیں اپنی سچائی کے ثبوت میں باقاعدہ گواہی پیش کرنا پڑی تھی مگر تنقید کرنے والے کو خلیفہ دوم نے بہت محترم قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

"جب تک ایسے لوگ خلافت میں موجود رہیں گے۔ اس وقت تک مسلمان ہر تباہی سے محفوظ رہیں گے۔"

بہرحال تقریر کرنے والی شخصیت نے تقریر ختم کی تو اسے مہنگی ترین گاڑی میں سوار کر کے جلسہ گاہ سے نکالا گیا۔ اس گاڑی کے آگے پیچھے

اس دور کی اور بہت سی اس جیسی ہی کاریں اور گاڑیاں وغیرہ دوڑ رہی تھیں۔ جلسہ گاہ میں بیٹھے ہوئے اور آس پاس بہت سے لوگ جو صبح سے ہاتھوں میں اپنی فریادوں کی درخواستیں پکڑے کھڑے تھے وہ بھاگ بھاگ کر اس شخصیت تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے تاکہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے درخواست پہنچا سکیں۔ یہ لوگ ہاتھوں میں اپنی اپنی درخواستیں لیے اس کی کار کے آگے پیچھے ساتھ ساتھ بھاگنے لگے۔ بھاگنے والوں میں ہر عمر کے مرد اور عورتیں تھیں۔ ان میں بہت سے بہت پڑھے لکھے نوجوان بھی تھے۔ جن کے بوسیدہ حلیے بتاتے تھے کہ انہوں نے کتنی مشکل سے تعلیم حاصل کی ہوگی اور طویل بے روزگاری نے ان کو اور زیادہ بے حال کر رکھا تھا۔ اس شخصیت کی کار کے آگے پیچھے چلنے والی گاڑیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ فریادیوں کو کوئی بھی راستہ نہیں مل رہا تھا کہ کوئی ایک درخواست ہی اس تک پہنچا سکیں۔ گاڑیوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ اس شخصیت کے حق میں بہت اور بڑے بڑے نعرے لگا رہے تھے اور درخواستیں لیے بھاگتے ہوئے بھی اس کے حق میں نعرے بھی لگاتے جاتے اور ساتھ ساتھ گرتے پڑتے اپنی درخواستوں کو سنبھالتے بھاگے بھی جا رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر لڑکی نے کئی بار اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ بھاگنے والوں میں کئی بوڑھے مرد اور عورتیں بھی تھیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے دھکے کھاتے اور نیچے گر جاتے اور پھر اٹھ کر سنبھل کر تیز تیز چلنے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی ان کی درخواست بھی بڑوں تک آگے کر دے۔ ان سب کے سروں، چہروں اور جسموں پر گاڑیوں سے اٹھتی ہوئی زبردست گرد پڑ چکی تھی۔ مگر وہ اس امید پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئی گاڑی کے ساتھ

ساتھ بھاگ رہے تھے کہ شاید ان کی سنی جائے اور ان کی مشکل حل ہونے کا کوئی سبب نکل آئے۔ اسی دوران کئی بیمار اور کمزور لوگ بھاگتے ہوئے گر گئے اور ان کی درخواستیں کاروں کے پہیوں کے نیچے آکر رلتی اور پھٹتی رہیں اور وہ زخمی و پریشان ہو کر واپسی کی راہ لیتے رہے۔ لڑکی نے کئی سادہ دل لوگوں کو نامراد واپس جاتے جاتے یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ:

"اگر ان کی درخواست اس بڑی شخصیت تک پہنچ جاتی تو ان کی مشکل ضرور حل ہو جاتی۔"

جلسے کے اختتام پر پیچھے رہ جانے والی گاڑیوں میں سے ایک پر وائرلیس وغیرہ لگی ہوئی تھی اور اس میں وردی پہنے کوئی بڑا عہدے دار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے پاس ہی کسی کی گاڑی پوری شان و شوکت سے رکی اور اس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بڑی تمکنت سے اس عہدے دار کو کہا:

"میرے علاقے میں کسی کو کیسے جرات ہوئی کہ وہ بھرے جلسے میں کھڑا ہو کر بڑی شخصیت کو کوئی سوال کرے۔ یقیناً تم نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے۔ ہم نے ان لوگوں سے اس لیے ووٹیں نہیں لیں کہ انہیں اپنے ہی خلاف بولنے کا موقع بھی دیں۔ اور تم اپنے آپ کو آج سے معطل سمجھو۔" وہ بڑا وردی والا ابھی کہنا ہی چاہ رہا تھا۔

جناب!

"میری گزارش ______" کہ حکم دینے والا تیزی سے گاڑی میں آگے بڑھ گیا۔

بس ڈرائیور نے سواریوں کو آواز دی اور تھوڑی دیر بعد لڑکی

نے دیکھا کہ بس دوبارہ واپس اپنے راستے پر چل پڑی تھی۔ اس کے پاس ٹکٹ آخری سٹاپ تک کی تھی۔ اسی دوران کیوں کہ بس کا کافی وقت صرف ہو چکا تھا اس لیے یہ امید نہیں تھی کہ وہ دن کو ہی اپنے آخری سٹاپ پر پہنچ سکے گی۔ لڑکی نے یہ تو پوچھ رکھا تھا کہ آخری سٹاپ کتنے میل دور ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا کہ بس کب اتنا فاصلہ طے کرپائے گی۔ وہ باہر دیکھتے دیکھتے تھوڑی ہی دیر کے بعد بس کی تھکا دینے والی رفتار سے بے نیاز ہو کر اپنی تربیت کے ایام کے تصور میں کھو گئی کہ جب اسے بتایا جاتا تھا:

"پاکستان اسرائیل کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لیے کہ وہ دین اسلام کی بنیاد پر لیا گیا ہے۔ اس کے عوام نے نہتے رہ کر بھی انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف آواز بلند کیے رکھی۔ یہ ایسی عوام کا ملک ہے جو جذبہ اسلام سے سرشار ہے۔ اس لیے ان کے خلاف ہمیں ہر حربہ استعمال کرنا چاہیے اور بہترین حربہ یہ ہے کہ ان کے اہل اختیار اور اہل اقتدار کی جماعت یا ان کے لیے متوقع افراد کے مفادات بڑھا دیئے جائیں اور انہیں ایسے عوامل سے منسلک کر دیا جائے جن پر کسی نہ کسی حوالے سے ہمارا اپنا اختیار ہو تاکہ آئندہ وہ اسلام تو کیا بلکہ کوئی بھی ایسا نظام زندگی نہ اپنا سکیں جس کی وجہ سے مجموعی طور پر پاکستان کے عوام ترقی و خوش حالی حاصل کر سکیں۔"

لڑکی کے لیے اسرائیلی پالیسی سازوں کی زیرکی اور ایک ایک پالیسی انتہائی قابل توجہ تھی۔ اسے ان کی پالیسی کے اثرات قدم قدم پر نظر آنے لگے تھے۔ بس تیز جھٹکے سے کسی سٹاپ پر رکی تو لڑکی کی یادوں کا سلسلہ ٹوٹا۔ اس نے باہر غور کیا تو پھر وہی پیلے چہروں والے سہمے اور خوفزدہ سے

لوگ نظر آئے جو غربت اور ناداری کے مارے تھے۔ البتہ کہیں کہیں جدید ماڈل کی گاڑیاں بھی بس کے پاس سے گرد اڑاتی گزرتیں تو بس ڈرائیور دور سے ہی ایسی گاڑیوں کے لیے سڑک خالی کر کے بس ایک طرف کر لیتا تاکہ ان کے مالکوں کے عتاب سے محفوظ رہے۔ ڈرائیور سمیت بس میں بیٹھے کئی لوگ ہاتھ کے اشاروں سے سر جھکا کر گاڑیوں میں بیٹھے انسانوں کو سلام کرتے رہتے مگر وہ بغیر دیکھے بے اعتنائی سے گزرتے چلے جاتے۔ بس میں بیٹھے ہوئے کسی کی یہ جرات نہ تھی کہ وہ ٹوکے کہ:

"گزرنے والی ان کاروں کے لیے بس بار بار کیوں سڑک سے اتار کر کھڑی کر دی جاتی ہے۔"

لڑکی حیران تھی کہ تربیت کے دوران تو اسے بتایا جاتا تھا:

"پاکستان کے لوگ اپنے دین اور وطن کے لیے بے دھڑک جانیں دینے والے ہیں۔ کیوں کہ وہ صرف قرآن اور آخری نبیؐ سے راہنمائی حاصل کرنے والے ہیں۔ جس کے مطابق کسی انسان کو دوسرے انسان کا اس حد تک احترام کرنے کی اجازت نہیں کہ اس پر پرستش کا گمان ہونے لگے اور نہ ہی کہیں کسی کو یہ اجازت ہے کہ وہ خدائی طور طریقوں سے اپنی دھاک انسانوں پر بٹھائے۔"

لڑکی عجیب کشمکش میں مبتلا تھی کہ:

"اسلام میں تو کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اپنے اردگرد کے نادار و بے کس انسانوں میں رہ کر ان سے بلند تر اور کروفر کی زندگی اپنائے۔"

اسے رہ رہ کر قرآن حکیم کا پیغام یاد آنے لگا اور وہ اس کے مفہوم پر غور کرنے لگی کہ:

"اللہ جب کسی کو حکمت اور نبوت سے سرفراز کرتا ہے تو اسے بھی اجازت نہیں کہ لوگوں کو کہتا پھرے کہ اللہ کی غلامی (بندگی) چھوڑ کر اس کی غلامی (بندگی) اختیار کی جائے۔"

لڑکی نے سوچا:

"جب یہاں کے لوگوں کو اپنے دین کا علم ہی نہیں تو وہ کیوں کر اپنے دین سے سچی محبت کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کے پیغام سے واقف ہی نہیں۔ یہ لوگ تو انسانوں کو اللہ جیسا احترام دیتے ہیں اور ایسا احترام لینے والوں نے یہاں کے انسانوں کو مجبور کر رکھا ہو گا کہ وہ جاہل رہیں اور ان سے یوں ہی خوف زدہ رہیں۔"

یوں ہی سوچتے سوچتے اسے خیال آیا کہ کسی نے پوچھ لیا کہ:

وہ کون ہے؟ تو وہ کیا جواب دے گی؟۔"

چند لمحوں کے غور و فکر سے اس نے اپنے لیے ایک فرضی داستان گھڑ لی۔

(10)

بس جب اپنے آخری سٹاپ پر رکی تو سورج کی کرنیں پیڑوں کی چوٹیوں کو آخری سلام کہہ رہی تھیں۔ لڑکی نے بغیر رکے مشرق کی جانب کا سفر شروع کر دیا اور پگڈنڈی نما راستے پر چلتی ہی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آخری سٹاپ والے قصبے سے جتنی دور چلے جائے اچھا ہو گا تاکہ اس سے سوال و جواب کرنے والے بہت کم رہ جائیں۔ کچھ ہی دور اس نے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر چل دی۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی تربیت کے دوران عام مردوں سے زیادہ ذہین اور طاقتور قرار دی جا چکی تھی اور اس دوران اسے اپنے اوپر بے پناہ بھروسہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن مسلمان ہونے کے بعد اسے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ ہوتا تھا۔ وہ چلتی ہی گئی۔ ان بے منزل راستوں پر اسے اگر کوئی حادثہ پیش آ جاتا تو اس کی پہچان کے لیے گواہی دینے والا کوئی بھی نہ

ہوتا۔ وہ یہاں کے کسی گاؤں یا شخص کے نام تک سے واقف نہیں تھی۔ ایسے میں اس نے چلتے رہنا ہی مناسب سمجھا۔ یہاں تک کہ رات کا پہلا پہر ختم ہونے کو آگیا۔

رات اگرچہ چاندنی تھی مگر راستے انجان ہونے کی وجہ سے بے رحم سے لگ رہے تھے۔ وہ راستے آخر کہاں جاکر ختم ہوتے تھے۔ اس کی تو اسے خبر ہی نہیں تھی۔ اس نے کئی بار آسمان کی جانب دیکھا۔ چاند کے سامنے تارے یوں بھی کم کم نورانی تھے مگر یہ بھی اسی وقت راہنمائی کرتے ہیں، جب کوئی منزل تو ہو۔ بے منزل راہی کی صرف دل ہی راہنمائی کرے تو کرے ورنہ سبھی راہیں مسدود اور پناہیں بے سود سی لگتی ہیں لیکن وہ چلتی رہی جب تک چاند دھندلا نہ گیا۔

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو گئی۔ اسے دور کچھ جھلملاتے چراغوں کی قطاریں نظر آئیں۔ بادل نخواستہ اس کے قدم انہی کی جانب اٹھ گئے۔ جب تک وہ وہاں پہنچی اس وقت تک پرندے اپنے آشیانوں سے نکل چکے تھے اور دہقانوں کے آخری گیت بھی خاموش ہو چکے تھے۔ البتہ واپس جاتے ہوئے بیلوں کے گھنگروؤں کی گھنیناں نغمہ ریز تھیں۔

جہاں تمام رات چراغ جلتے رہے تھے۔ وہاں ایک درگاہ تھی اور اس کے اردگرد بہت بڑا قبرستان تھا۔ لگتا تھا کہ اس درگاہ کا کوئی دن منایا جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے کسی دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ دیگر قبریں صرف مٹی کا ڈھیر بن کر رہ گئی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں بڑے کتبے لگے تھے جن سے مرنے والوں کا بڑا خاندان اور جاہ و جلال ظاہر ہوتا تھا۔

لڑکی نے دیکھا کہ لوگ منہ اندھیرے ہی وہاں آنا شروع ہو گئے

تھے۔ درگاہ کے باہر ایک تخت نما جگہ سنواری اور سجائی گئی تھی۔ جس پر ایک بڑی سی چمکیلی کالی داڑھی والا شخص کسی دیوتا کی طرح بیٹھا تھا اور لوگ آ آکر اس کے سامنے جھکتے اور ان میں سے کئی اسے سجدہ بھی کرتے۔ ہر آنے والا اسے نذر و نیاز دیتا۔ عورتیں بھی سجدہ کرتیں اور اس کی جانب پشت کیے بغیر لوگ پیچھے ہٹتے اور پھر درگاہ میں داخل ہو کر قبر کو بھی سجدہ کرتے۔ اس شخص کے اردگرد چند ہٹے کٹے آدمی بھی تھے جو نذر و نیاز وصول کر رہے تھے۔ لڑکی ایک طرف کھڑے کھڑے دیر تک یہ منظر دیکھتی رہی۔ اس کالی داڑھی والے شخص کے ہاتھ میں ایک لمبی سی تسبیح تھی اور وہ ہر سجدہ کرنے اور سر جھکانے والے کے سر پر ہاتھ رکھ کر جلالی آواز میں کچھ الفاظ دہراتا مگر لڑکی انہیں نہ سمجھ سکی۔

درگاہ کے اندر بڑا سا ڈبہ رکھا ہوا تھا۔ جس میں ہر آنے والا اپنی اپنی توفیق کے مطابق پیسے ڈالتا چلا جاتا۔ ڈبے میں پیسے ڈالنے والے زیادہ تر لوگوں کے لباس پھٹے پرانے تھے اور پیسے ڈالتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے تھے۔ لگتا تھا کسی خوف نے ان کی روحوں کو مضمحل کر رکھا تھا۔ ان کے پژمردہ چہرے اور ہلتے ہونٹ یہ بھی بتلاتے کہ وہ بڑی مشکل سے درگاہ کے لیے پیسے جمع کرپائے تھے اور ان کے دل و دماغ میں یہ کشمکش تھی کہ درگاہ میں وہ پیسے دیئے جائیں یا بچا لیے جائیں۔ ان میں جو بیمار تھے انہوں نے اپنی دوائیوں کے لیے جو پیسے جمع کیے تھے۔ وہ انہیں بھی درگاہ میں ڈال رہے تھے کہ شاید اس سے انہیں شفا ہو جائے۔

لڑکی نے اس نذر و نیاز وغیرہ کا سبب ایک عورت سے پوچھا۔

اس عورت نے بتایا کہ:

"کالی داڑھی والا شخص درگاہ کا وارث ہے اور اس کا حکم ہے کہ ہر فصل کے آخر میں اگر وہاں کے لوگ درگاہ کو نذر و نیاز نہ دیں گے تو ان پر آفت آئے گی۔"

لڑکی حیران سی ہو کر چل پڑی مگر نیند اور تھکن سے چور و مضمحل ہونے کی وجہ سے ذرا دور جا کر ایک قبر کے ساتھ ہو کر لیٹ رہی۔

شاید یہ واحد لڑکی تھی جس نے وہاں سر جھکایا تھا اور نہ ہی سجدہ کیا تھا اور نہ ہی وہاں بیٹھے ہوئے کسی شخص کی تعظیم کی تھی۔

کالی داڑھی والے شخص نے ایک مجاور کو بھیجا تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ:

"وہ لڑکی کون ہے؟" 32692

لڑکی کے پاس کچھ کتابیں اور ایک چھوٹا سا ریڈیو دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ ان کے علاقے کی خاتون نہیں تھی۔ مجاور نے آکر بھیجنے والے کو بتا دیا کہ وہ لڑکی کوئی راہ گیر ہے۔ کافی دیر تک سوچ و بچار کرنے کے باوجود انہیں یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ لڑکی کون ہے اور کس گھرانے سے تعلق ہے۔ لہٰذا وہ گومگو کی وجہ سے خاموش ہو رہے۔ لڑکی نیند کی آغوش میں یوں چلی گئی جیسے کوئی شیر خوار بچہ ماں کی گود میں راحت محسوس کرتا ہے۔ پچھلے کتنے ہی دنوں سے وہ بے خواب سی تھی۔ چنانچہ وہ اتنی گہری نیند سوئی کہ کوئی ہلکا سا خواب بھی اس کے پاس نہ پھٹک سکا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو شفق ابھر رہا تھا اور دھوپ سنہری ہو چکی تھی۔ سارا دن اس درگاہ پر کتنے سجدے ہوتے رہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس دوران وہ یہ بھی نہ جان پائی کہ کیسے کیسے لوگ وہاں آتے رہے اور جاتے رہے۔ ہر آنے جانے والا ابھی تک اپنی منتوں اور نیازوں میں گم تھا۔ شام سے پہلے ہی لگتا تھا کہ کچھ علماء بھی ان میں شامل ہو چکے تھے اور انتظام و اہتمام سے محسوس ہو رہا تھا کہ لوگوں کو وعظ سنایا جانا تھا۔

یہ رات پچھلی رات سے زیادہ پر ہجوم تھی۔ لڑکی نے اپنے چھوٹے سے بیگ سے کچھ کھانے کی اشیاء باہر نکالیں اور بھوک مٹائی۔ شام ہونے کے کچھ ہی دیر بعد کچھ لوگ بال بکھرائے ہوئے دھمال ڈالتے رہے۔

لڑکی نے دیکھا کہ:

"ان تمام اوقات میں درگاہ کے زائرین وغیرہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور کہیں دور سے آتی ہوئی اذان کی آواز کو بھی سنی ان سنی کر دیتے تھے۔

لڑکی اٹھ کر خواتین کے گروہ میں جا بیٹھی۔ دھمال ڈالنے والے عجیب و غریب حلیے میں تھے۔ ان کے چہرے بھی پیلے تھے اور وہ یوں بھی بیمار سے لگ رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ کچھ نے لوہے کے موٹے موٹے کڑے پہن رکھے تھے۔ جب رات نے اپنی سیاہی اور بڑھائی تو ایک شخص نے اپنا وعظ شروع کیا۔ وہ طویل وعظ میں لوگوں سے کہتا چلا گیا:

لوگو!

"تم جس ہستی کی درگاہ پر آئے ہو یہ وہ ہستی ہے جس کی وجہ سے یہ علاقہ ہر آفت سے محفوظ ہے اور جس کی وجہ سے تمہاری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور یہ اس درگاہ کے گدی نشین کی کرامت ہے کہ موسم خراب ہونے کے باوجود ابھی تک تمہاری فصلیں تباہ ہوئی ہیں اور نہ ہی کوئی بڑا سیلاب آیا ہے۔

یاد رکھو!

"جہاں اس قسم کی درگاہیں ہوتی ہیں۔ وہاں قدرتی آفات بھی اپنا رخ بدل لیتی ہیں۔ اس درگاہ پر ایسا بہترین انتظام یہاں کا بڑا شخص ہی کر سکتا ہے۔ یہ اس علاقے کا وہی بڑا شخص ہے جس کی مہربانی سے آپ کو کھانے پینے کا سامان مل رہا ہے اور جس نے تمہیں اپنی زمینوں میں ملازمت دے رکھی ہے۔ جو لوگ اپنی ایسی درگاہوں' ان کے گدی نشینوں اور ان جیسے بڑے اشخاص کی مکمل اطاعت نہیں کرتے اور سرتابی کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں یہاں اور آخرت میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔"

لڑکی سے رہا نہ گیا۔ اس نے ساتھ بیٹھی ہوئی خاتون سے پوچھ ہی لیا کہ:

"یہ کون سے مذہب کے لوگ ہیں؟

یہ سوال سن کر ساتھ بیٹھی خواتین حیرانی سے اسے دیکھنے لگ گئیں۔ اگرچہ لڑکی کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا مگر لہجے کی کھنک سے وہ عام خاتون نہیں لگ رہی تھی۔

اس عورت نے لڑکی کے سوال کا جواب دینے کی بجائے لڑکی سے پوچھا:

"تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟"

لڑکی کو جن مشکل سوالات کا ڈر تھا۔ وہی اس کا پیچھا کرنے لگے۔

اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور جواباً کہا:

"میں آپ کو کہاں کی لگتی ہوں؟" ساتھ بیٹھی عورت نے کہا:

"تم یہاں کی نہیں ہو سکتی۔ ضرور کسی بڑے شہر سے آئی ہو۔"

لڑکی کو سوال سے نکلنے کا راستہ مل گیا۔ اس نے انتہائی اعتماد سے کہہ دیا:

"آپ نے صحیح جانا ہے۔"

ایک دوسری خاتون نے کہا:

"شہروں کے لوگ مذہب سے ہٹے ہوئے ہیں اسی لیے انہیں درگاہ والی ہستیوں کی خبر ہے نہ قدر۔"

ایک اور ساتھ بیٹھی عورت کا بچہ بلکتا جا رہا تھا کیوں کہ ماں کی چھاتی میں دودھ نہیں تھا۔ وہ بہت کمزور تھی مگر اپنے پلو سے بندھے پیسے وہ درگاہ میں پڑے ڈبے میں ڈال آئی۔ واعظ کا وعظ جاری تھا اور جو لوگ زیادہ نذر نہ دے سکے تھے۔ وہ اس وعظ کے اثر سے اپنے آپ کو مجرم اور گناہ گار سمجھ رہے تھے۔ لوگ درگاہ سے مٹی اور مرجھائے ہوئے پھولوں کی پتیاں جمع کر کر کے اپنے اپنے پاس تبرک کے طور پر رکھ رہے تھے۔

لڑکی نے ایک بوڑھے سے بزرگ سے پوچھا:

"وہ یہ مٹی کیا کرے گا؟"

اس نے جواب دیا:

"اس مٹی کے صدقے میرا بیٹا میری عزت کرنے لگ جائے گا اور ہماری دیگر مشکلات حل ہو جائیں گی۔"

سوکھے پھولوں کی پتیاں جمع کرنے والی عورت سے لڑکی نے پوچھا:

"ان پھولوں کا کیا کرو گی؟"

تو اس نے کہا:

"ان کے صدقے میرا شوہر میری عزت کرنے لگے گا اور ہمارے دیگر مسائل حل ہو جائیں گے۔"

لڑکی نے دیکھا کہ:

"بہت سے مرد اور عورتیں درگاہ کی خاک اپنے کپڑوں اور جسموں پر مل رہے ہیں۔

وہ سمجھ گئی کہ:

"یہ سب لوگ اس کے صدقے اپنی اپنی مرادیں پوری ہو جانے کی امید لیے پھرتے ہیں۔"

مگر وہ ابھی تک تذبذب میں تھی کہ:

"آخر کار یہ لوگ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟"

وہ اپنا یہ سوال کسی کے سامنے بھی دہرانے کو تیار نہ تھی کیوں کہ وہ پہلے ہی بڑی مشکل سے اپنے آپ کو ایسے ہی سوال کے ردعمل سے بچا پائی تھی۔

لڑکی پر اپنے سوال کا جواب اس وقت افشاء ہوا جب واعظ اپنا وعظ سمیٹتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ:

"اللہ اس درگاہ پر ہم سب کی حاضری قبول فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو اسلام کے سچے اور سیدھے راستے پر چلتے رہنے کی توفیق دے اور اس درگاہ کی ہستی کو اور ان کے گدی نشین کی ہستی کو ان تمام مسلمانوں کے لیے جنہوں نے یہاں حاضری دی ہے نجات کا ذریعہ اور وسیلہ بنائے۔ کیوں کہ ان کے اور ان جیسی ہستیوں کے ذریعے سے ہماری اللہ تک رسائی ہو سکتی ہے اور یہی ہم مسلمانوں کے سرپرست ہیں۔"

یہ سب کچھ دیکھ کر لڑکی کے ذہن میں بے حساب سوالات ابھرے اور وہ حیران و پریشان کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

وہ دیر تک سوچتی رہی:

"صحابہ کرامؓ جنہوں نے دین کو ہر لحاظ سے بہتر سمجھا اور بہتر عمل کیا۔ کیا یوں ہی درگاہوں میں زندگی گزارتے تھے اور یوں ہی درگاہوں میں گدی

نشین بن کر بیٹھے رہتے تھے؟" وہ سوچتی رہی۔

"دین اسلام نے تو زندگی سے عزلت اور رہبانیت کے ہر انداز کو مسترد کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر یہ ملک کہ جس کی اساس ہی دین اسلام پر مبنی ہے۔ اس میں آخر کار مسلمان اپنی زندگیوں کو کیوں آخری نبیؐ کے طریق کار یا ان کے صحابیوں کے طریق کار کے مطابق نہیں ڈھال سکے۔"

اس کے دل و دماغ میں اقبالؒ کا یہ سوال چپک کر رہ گیا کہ۔

امتیں مرتی ہیں کس آزار سے؟

اسے قرآن کا پیغام رہ رہ کر یاد آنے لگا جو سورہ الزمر میں ہے اور وہ اس کے مفہوم پر غور کرنے لگی کہ:

"(اے محمدؐ!) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے۔ لہٰذا تم اللہ ہی کی غلامی و فرماں برداری (بندگی) کرو۔ دین کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں۔ (اور اپنے فعل کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ اللہ یقیناً ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو جھوٹا اور منکر ہو۔"

لڑکی کو یہاں کے مسلمانوں کی ذہنی پستی اور قلبی حالت زار دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا۔ دیر تک اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

وہ جان چکی تھی کہ:

"ان مسلمانوں کے سامنے وہ چاہے لاکھ بار قرآن کا پیغام پڑھ پڑھ کر

سنائے۔ یہ لوگ نہیں مانیں گے اور وہ لوگ جو معصوم اور سادہ انسانوں
کے قلوب و اذہان اور ان کے روزی کے ذرائع پر اسلام کے نام پر حکمرانی
کر رہے ہیں۔ وہ کسی صورت بھی قرآن کا سچا و برحق پیغام ان تک نہیں
پہنچنے دیں گے اور نہ ہی انہیں وہ پیغام سمجھنے کی اجازت دیں گے کیوں کہ
انہوں نے قرآن حکیم کے پیغام کو توڑ مروڑ کر صرف اپنے مفادات اور
اپنے نظریات کے حق میں کر رکھا ہے۔"

اسے پھر صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کی یاد آنے لگی جنہوں نے کہ:
"آخری نبیؐ کے طریق زندگی کے مطابق اپنے دور خلافت میں ہر طرز اور
ہر قسم کے وہم' وسوسے اور شخصیت پرستی کا خاتمہ کرکے رکھ دیا تھا۔"

اپنی سوچ میں وہ اس حد تک ڈوبی رہی کہ اسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ
ایک بے منزل راہی ہے اور پچھلی رات کی طرح ستاروں کے قافلے چاند
کے ہمراہ آسمان کی وسعتوں میں گامزن ہو چکے ہیں۔ درگاہ کو پوجنے والے
پجاری جا چکے تھے اور پچھلی رات کی طرح چراغ بھی روشن نہ تھے۔ اسے
سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شہر خاموشاں کی مہیب خاموشی میں وہ اب کہاں کی
راہ لے؟

لڑکی نے دائیں طرف کا رخ کیا اور قبرستان سے باہر نکلنے والے
ایک تنگ راستے پر چل پڑی لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر اس نے ایک تنہا گھر
میں کسی کو دروازہ بند کرتے دیکھ لیا۔ یہ سوچ کر کہ آخرکار وہ کہاں تک
چلتی رہے گی کیوں نہ اسی گھر کو مسکن بنانے کی کوشش کی جائے۔ اسے یہ
گھر اس لیے بھی بہتر لگا کہ اس کے ہمسائے نہیں تھے جو اس کے مکینوں سے
اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھتے رہتے۔ لڑکی نے بے دھڑک جا
دروازہ کھٹکھٹایا!

(11)

اسرائیل کے خفیہ اداروں کے لیے لڑکی کی گمشدگی اک معمہ بن
چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے فیصلہ سازوں کی ایک کانفرنس طلب کر لی۔
اس کانفرنس کے بلائے جانے کی بنیادی وجہ لڑکی کی وہ تحریر تھی جو بوڑھے
کریم کے گھر کی بار بار تلاشی کے بعد ان کے ہاتھ لگی تھی۔ یہ تحریر ہر لحاظ
سے گواہ تھی کہ لڑکی منحرف ہوکر مکمل طور پر مسلمان ہو چکی تھی۔
اسرائیل کے انٹیلی جنس کے اداروں کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا کیوں
کہ اس لڑکی کی پرورش اور تربیت پر انہوں نے خاص توجہ دی تھی اور
بے حساب فنڈز بھی خرچ کیے ہوئے تھے۔ زیادہ اہم بات یہ تھی کہ لڑکی
کے پاس اسرائیل کے خفیہ اداروں کے بہت سے سربستہ راز بھی تھے جو
خود ان کے خلاف استعمال ہو سکتے تھے۔ اسرائیل کے پالیسی سازوں کا خیال
تھا کہ لڑکی مسلمانوں کے خفیہ اداروں کے لیے انتہائی کارآمد ثابت ہو سکتی

تھی۔ جس کی وجہ سے اسرائیل ایک عرصے تک خطرناک قسم کی پریشانیوں
میں گھر جاتا۔

اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں عربوں کی وہ تنظیمیں
جو اسرائیل کے خلاف سرگرم عمل تھیں ان سے منسلک خاص خاص
کارندوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کو ممکن حد تک خفیہ رکھا گیا
تھا۔

لڑکی کا اندازہ سو فی صد درست تھا۔ کیوں کہ عبدالودود کے بیٹوں
کی تنظیم کا وہ نوجوان جو ان کا تیسرا ساتھی تھا کو خاص کر اس کانفرنس میں
شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور کانفرنس کے دوران لڑکی کے بارے میں
سب سے زیادہ معلومات اسی نے بہم پہنچائی تھیں۔

اس کا کہنا تھا کہ:

"بوڑھے کریم کو آیندہ گرفتار نہ کرنا زیادہ بہتر رہے گا۔ کیوں کہ وہ بذات
خود لڑکی کا جانی دشمن ہے اور یقیناً وہ لڑکی کے مسلمان ہو جانے والی تحریر
سے بے خبر ہے اس لیے کہ لڑکی کے اس گھر سے نکل جانے کے بعد اور یہ
علم ہو جانے پر کہ وہ اسرائیلی ہے' بوڑھا بذات خود لڑکی کو قتل کرنے کی
غرض سے مارا مارا پھرتا رہا تھا۔"

اس نے مزید کہا کہ

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ:

"وہ تحریر بوڑھا پڑھ چکا تھا تو بھی وہ اس پر کسی صورت یقین نہیں کرے گا
کیوں کہ وہ خود عبدالودود کے بیٹوں کو نصیحت کرتا تھا کہ:

"کسی اسرائیلی پر کسی حالت میں بھروسہ نہ کرنا۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کو

برباد کرنے کے بے حساب حربے اختیار کیے ہوئے ہیں۔"

اسی سلسلے میں تیسرے ساتھی نے یہ تجزیہ بھی پیش کیا کہ:

"بوڑھا اگر لڑکی کی تحریر کو پڑھ کر متاثر ہو چکا ہوا تو وہ یقیناً لڑکی کی ہمدردی
میں اس کا کھوج لگانے کی کوشش کرے گا۔ جس پر کہ نظر رکھ کر ہم خود بھی
لڑکی تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔"

اس کانفرنس کا جو اہم مدعا تھا کہ لڑکی کے بارے میں کوئی اتہ پتہ
مل سکے تو اس لحاظ سے یہ کانفرنس ابھی تک کلی طور پر ناکام رہی تھی۔ کسی
نے بھی لڑکی کے بارے میں کوئی آگاہی مہیا نہیں کی تھی۔ البتہ کانفرنس ختم
ہونے سے پہلے ایک خاتون جو ایئر ہوسٹس تھی' اس نے اس شک کا اظہار
کیا کہ:

"کچھ روز پہلے فلاں ائرلائن کا وہ جہاز جو بعض مسلم ممالک سے ہوتے
ہوئے بھارت بھی جاتا ہے' اس میں ایک لڑکی کو اس نے آدھا چہرہ ڈھانپے
ہوئے دیکھا تھا جو اپنے لب و لہجے اور آنکھوں سے وہی لڑکی محسوس ہو رہی
تھی اور کانفرنس میں ہونے والے تمام تجزیئے کو سن کر اس کی یہ رائے
ہے کہ جہاز میں نظر آنے والی لڑکی یقیناً وہی ہے جس کے کھوج کے لیے یہ
کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ وہ لڑکی کو اس لیے بھی بہتر طور پر پہچان سکتی ہے
کہ فلاں وقت اسے اکٹھے ہی فلاں جگہ پر تربیت حاصل کرنے کا موقع مل
چکا ہے۔ اب چونکہ اس کے منحرف ہونے کے بارے میں اور فرار ہو
جانے کے متعلق معلومات حاصل ہو چکی ہیں اس لیے اسے ہر روپ میں
پہچاننا مشکل نہ ہوگا۔"

کانفرنس میں جو اہم فیصلے کیے گئے' ان میں چند یہ تھے:

☆ "بعض مسلمان ممالک میں چونکہ پردے کا رواج ہے۔ اس لیے لڑکی کی تلاش کا فریضہ اسرائیلی خواتین ایجنٹوں کے سپرد کیا جائے۔

☆ اگر لڑکی بازیاب ہو جائے تو اسے ہلاک کرنے سے پہلے ہر طور یہ پتہ لگا لیا جائے کہ اس کے روابط کن کن لوگوں سے رہے ہیں تاکہ انہیں بھی ٹھکانے لگایا جائے۔

☆ بھارت کی خفیہ ایجنسی سے روابط بڑھا کر اس خطے میں لڑکی کی تلاش میں مدد لی جائے۔

☆ جن ممالک میں لڑکی کے پناہ لینے کا شک ہے' ان کے اخباروں میں ایسی کسی بھی خبر کو توجہ سے پڑھا جائے جو کسی اجنبی لڑکی کے بارے میں ہو۔

☆ لڑکی کو زندہ یا مردہ بازیاب کروانے والا شخص اس خطیر رقم کا مستحق ہو گا جس کی منظوری خفیہ ادارہ پہلے سے دے چکا ہے۔ اگر یہ کامیابی اسرائیل کے خفیہ ادارے کا کوئی ممبر حاصل کرے گا تو وہ فلاں فلاں مراعات کے علاوہ فلاں درجہ کی ترقی کا بھی مستحق ہو گا۔

☆ بھارت اور پاکستان کے لیے اسی خاتون کو جو کہ ایئر ہوسٹس ہے' اسرائیلی خواتین ایجنٹوں کا سربراہ مقرر کیا جاتا ہے۔ ان ممالک میں اس بارے میں حاصل ہونے والی کسی بھی آگاہی کو پہلے اس تک پہنچایا جائے تاکہ کھوج اور خبر کی درستی کے متعلق وہ فیصلہ دے سکے اور یہاں کے ادارے سے منظم رابطہ قائم رہ سکے۔

☆ تیسرے نوجوان کو جو عبدالودود کے بیٹوں کی تنظیم کا ممبر ہے' وہ لڑکی کی بازیابی کی مہم کی نگرانی کرے گا اور ہوسٹس اس سلسلے میں

اس کے احکام کی پابند ہو گی۔

☆ لڑکی کی بازیابی کی صورت میں تیسرا نوجوان اسے عبدالودود کے بیٹوں کے ہاتھوں قتل کروائے گا تاکہ مسلمانوں کے خلاف اس قتل سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔"

یہ تمام فیصلے کرنے کے بعد کانفرنس برخاست ہو گئی۔ تیسرا نوجوان سکھلائے گئے طریقے کے مطابق واپس عبدالودود کے بیٹوں کی تنظیم کے دفتر میں چلا آیا۔

دونوں بھائیوں کو ابھی تک یہ علم نہیں تھا کہ ان کے درمیان رہنے والا نوجوان دراصل اسرائیل کی کسی خفیہ ایجنسی کا عہدے دار تھا۔ چنانچہ وہ اپنی تنظیم کے سارے ڈھانچے' افعال' اعمال اور پروگرام کے سلسلے میں اسی سے مشاورت کرتے رہے۔

تیسرے نوجوان نے دونوں بھائیوں کو مشورہ دیا کہ:

"جنوبی ایشیاء میں ہمارا براہ راست رابطہ نہیں ہے۔ وہاں پاکستان جیسے ملک میں رابطے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اپنی تنظیم کے لیے زیادہ سے زیادہ حمایت و مدد حاصل کی جائے۔"

اس نے یہ تجزیہ بھی پیش کیا کہ:

"لڑکی کو اغوا کرنے کے بعد ان کی تنظیم اسرائیل کے خفیہ اداروں کی نظروں میں آ چکی ہو گی اس لیے بہتر ہے کچھ دیر کے لیے یہاں سے ہجرت کر لی جائے۔

اسی نوجوان نے مزید مشورہ دیا کہ:

"اس وقت تک اسرائیلیوں کا اس لڑکی کو تلاش کرتے رہنا ظاہر کرتا ہے

کہ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر نہیں پہنچ پائی۔ اس نے لڑکی کی جانب سے لکھی گئی
ایک جعلی تحریر بھی ان دونوں بھائیوں کو دکھائی۔ جس کے بارے میں اس
نے انہیں بتایا کہ یہ اسے بوڑھے کے گھر سے ملی ہے۔ جس سے لگتا تھا کہ
لکھنے کے بعد لڑکی صحیح وقت پر اسے ارسال نہ کر سکی اور وہ اس کے گھر میں
کہیں پڑی کی پڑی رہ گئی اور وہ اسے ضائع شدہ سمجھ کر بھول گئی۔"

تیسرے نوجوان نے لڑکی کی جانب سے جو جعلی خط اسرائیل میں خفیہ
ادارے کے آفیسر کو لکھا تھا۔ وہ کچھ یوں تھا:

جناب عالی!

"میں عبدالودود کے بیٹوں کی قید سے آزاد ہو چکی ہوں اور اس وقت ایک
بوڑھے مسلمان کے گھر میں پناہ لے رکھی ہے۔ آپ کے حکم کے مطابق
پاکستان کے بارے میں' میں نے جو معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔ ان میں
مزید اضافہ کیا ہے۔ چنانچہ اپنے ادارے کے سکھلائے ہوئے طریقے کے
مطابق میری اگلی منزل پاکستان ہوگی۔ جہاں سے کسی طریقے سے میں بہت
جلد آپ سے رابطہ قائم کروں گی۔"

تیسرا نوجوان اصل میں پاکستان کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنانا چاہتا
تھا۔ جہاں رہ کر وہ نہ صرف اسرائیل کے مفادات کے لیے کام کر سکے بلکہ
اس خطے میں لڑکی کا اتہ پتہ چلا کر خفیہ ادارے میں زیادہ بڑا عہدہ حاصل کر
سکے۔ اس تحریر کو دکھا کر اس نے دونوں بھائیوں پر زور دیا کہ پاکستان جا کر
لڑکی کو تلاش کرنا ضروری ہوگا۔

بڑے نوجوان نے تیسرے نوجوان کا مشورہ یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا
کہ:

"اب ہمارے لیے لڑکی کو تلاش کرنا بے کار ہے کیوں کہ ہم اس کی تلاش
میں ہی اپنی اور تنظیم کی توانائیاں ضائع نہیں کر سکتے۔"

مگر تیسرے نوجوان نے معذرت چاہتے ہوئے اپنے مشورے کا مزید تجزیہ
کرنے کی اجازت چاہی اور بڑے نوجوان کو قائل کرنے کی غرض سے اس
نے یوں تجزیہ پیش کیا:

"اگرچہ ہماری تنظیم کے اعلیٰ مقاصد ہیں اور یہ اسرائیل کے خلاف جوش و
جذبے کی مالک ہے۔ لیکن انہیں قابل عمل بنانے کے لیے ہمارے پاس
اسرائیل کی وافر معلومات نہیں۔ اگر ہمیں ہر طرح کی جدوجہد کر کے بھی وہ
لڑکی مل جائے تو سودا مہنگا نہیں۔ کیوں کہ اس طرح ہم اس سے ہر طرح
کے راز حاصل کر سکیں گے اور وہ مقاصد جو ہم سالوں کی محنت کے بعد بھی
حاصل نہ کر سکیں گے۔ اس طریقے سے دنوں میں اپنے منصوبوں کی تکمیل
کر لیں گے۔"

دونوں بھائی اس کے تجزیئے سے اگرچہ کافی متاثر ہوئے۔ پھر بھی چھوٹے
نوجوان نے تجویز دی کہ:

"ہم مزید راز جاننے کے لیے بجائے اس لڑکی کو تلاش کرنے کے کیوں نہ
کسی نئے اسرائیلی ایجنٹ کو اغوا کرنے کی کوشش کریں۔"

تیسرے نوجوان نے پھر کہا کہ:

"اس لڑکی کے اغوا کے بعد اب اسرائیل کی خفیہ ایجنسیوں کے لوگ زیادہ
محتاط اور باخبر ہو چکے ہوں گے۔ اس وجہ سے ہماری اس طرح کی کوئی بھی
مہم خطرے سے خالی نہیں ہوگی۔ اور یوں ہم اپنی پوری تنظیم کے ساتھ ان
کا نشانہ بن جائیں گے۔ چنانچہ میری رائے یہی ہے کہ نئی مہم میں پڑنے سے

بہتر ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اسی لڑکی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

چھوٹے نوجوان نے سخت لہجے میں کہنے کی کوشش کی کہ:

"اب کون سی جگہ رہ گئی ہے جہاں پر واقعی وہ موجود ہے اور ہم اسے جاکر تلاش کریں۔"

تیسرے نوجوان نے کہا:

"واقعی یہ ایک اہم سوال ہے جس کے بارے میں غور و خوض کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے بددل ہوکر ہمیں اپنے منصوبے کو خیرباد نہیں کہنا چاہیے۔"

آخر کار دونوں بھائی اس کے دلائل سے قائل ہو گئے اور لڑکی کو تلاش کرنے کے منصوبے کی منظوری دے دی۔

تیسرا نوجوان جو اسرائیل سے مسلسل ہدایات حاصل کرتا رہتا تھا۔ ایک دن دونوں بھائیوں کو اپنے نئے منصوبے کے بارے میں مختلف دلائل دے کر قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ اب انہیں بھارت کا رخ کرنا چاہیے تاکہ وہاں بعض مسلمانوں سے روابط بڑھائے جاسکیں اور اگر ممکن ہو تو بعد میں پاکستان کا بھی رخ کیا جائے۔

اسرائیل سے نئی ہدایت کے مطابق وہ اصل میں جنوبی ایشیا کے کسی ملک کو مرکز بناکر اس ایئر ہوسٹس کی مدد پر رہنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ہمیشہ اپنی آخری دلیل سے کام لیا کرتا تھا کہ:

"اسرائیل ابھی تک عبدالودود کے بیٹوں کی تلاش میں ہے اور اگر انہوں نے آپ دونوں بھائیوں کو گرفتار کر لیا تو تمہارے ختم ہوتے ہی ہماری تنظیم بھی ختم ہو جائے گی اور ہم عربوں یا فلسطینیوں کی مدد کرنے کے عظیم مقصد کو کبھی بھی حاصل نہیں کرسکیں گے۔"

(12)

لڑکی کو دروازے پر دو چار ہی دستکیں دینا پڑیں اور کچھ دیر بعد گھر سے ایک ڈھلتی جوانی کا بیمار سا شخص باہر آیا۔

لڑکی نے پوچھا:

"گھر میں کیا کوئی خاتون ہے؟"

آدمی نے جواب دیا:

"میری بیوی ہے مگر آپ کون ہیں۔"

لڑکی نے بتایا:

"فلاں ساحل سے ذرا دور ایک بستی ہے جہاں کی وہ رہنے والی ہے اور اس کا باپ ایک ملاح ہے مگر اس کا پورا کنبہ سمندر میں طوفان کی نذر ہو گیا۔ جب کہ وہ مچھلیاں پکڑنے کی غرض سے اپنی کشتی میں سمندر کے اندر جال لگائے ہوئے تھے۔ دنیا میں اس کا کوئی سہارا نہ ہونے کے باعث اب وہ

یہیں کہیں اپنی ایک رشتے دار کی تلاش میں ہے تاکہ زندگی کے باقی دن گزار سکے۔ لیکن کافی زیادہ تلاش کے باوجود وہ اس کا پتہ نہیں پا سکی کیوں کہ وہ اس کا ایڈریس بھی گم کر چکی ہے۔"

وہ شخص لڑکی کو اپنی بیوی کے پاس لے گیا اور اسے لڑکی کی بپتا سنا دی پھر اس شخص نے بڑی شفقت سے کہا:

اے لڑکی!

"تم سمجھو کہ اپنے بھائی کے گھر آ گئی ہو۔ ممکن ہے آپ کو تجسس ہو کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ میں ایک گورکن ہوں اور میری بیوی کفن سیتی ہے اور یہی ہماری آمدنی کا ذریعہ ہے۔ یہاں کا بڑا آدمی ہمیں کچھ نہ کچھ دے دیتا ہے تاکہ ہم زندہ رہیں۔ مجھے اک عمر ہو گئی ہے کہ قبریں کھود رہا ہوں۔ سمجھو کہ نسل در نسل ہمارا یہی کام رہا ہے اور اب تو میرا اپنا جسم خود ایک قبر بن چکا ہے۔ بہرحال میں صبح ہی کوشش کروں گا کہ آپ کی رشتے دار کا پتہ مل جائے۔ اگر نہ مل سکا تو اپنے آپ کو بے سہارا نہ سمجھنا۔ چاہو تو پوری عمر اپنے اس بھائی کے گھر بتا سکتی ہو۔"

گورکن کی بیوی نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد لڑکی نے محسوس کیا کہ گورکن اور اس کی بیوی کافی افسردہ اور غمگین سے تھے۔

لڑکی کے بار بار پوچھنے پر انہوں نے بتایا:

"ان کے دو بیٹے اس علاقے کے ایک بڑے شخص کی بیگار کرتے ہیں اور کئی کئی دن اس کی قید میں رہتے ہیں۔ ساتھ والی بستی میں تقریباً سبھی لوگ اس شخص کے نوکروں اور غلاموں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں اور اس کی

زمینوں کی کاشت کرتے ہیں۔ وہ اسی کے باغوں اور جائیداد کی رکھوالی کرتے ہیں۔ دوسرے گاؤں کے طاقتور لڑکے اس شخص کے پاسبان ہیں اور ان میں سے کچھ بیگار کیمپ میں رکھی جانے والی عورتوں اور مردوں کو مار مار کر بیگار پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔ اس علاقے میں کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو دو چار روز میں آپ کو بھی پکڑ کر بیگار کیمپ میں لے جائیں گے اور پھر پوری عمر آپ کو وہیں گزارنا ہوگی۔"

لڑکی نے کہا:

"پھر وہ کہاں جائے اور کسی کو کیا بتائے؟"

گورکن اور اس کی بیوی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکے اور خاموش ہو گئے۔

لڑکی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا:

"آج سے تم ہی میرے بھائی اور بہن ہو۔ کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ آپ نے اپنی اس بہن کو بچپن ہی سے اپنے ایک عزیز کے پاس جو کہ ملاح تھا بھیج دیا ہوا تھا۔ کیوں کہ اس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

اس نے ان دونوں سے درخواست کی کہ:

"اگر کوئی پوچھے تو انہیں یہی کچھ بتلا دیں۔"

لڑکی اگلے چند روز تک خریدی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتی رہی اور جو رقم پاسپورٹ سے ملی تھی ان سے اس گھر کا خرچ چلاتی رہی اور گورکن کا علاج بھی کرواتی رہی۔ اسی دوران لڑکی نے علاقے کے کلچر کو گہرے طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔ اسے یہ بھی علم ہو گیا کہ وہاں کے بڑے شخص نے باقاعدہ ڈاکو بھی پال رکھے تھے۔ جو شہروں سے بعض سرمایہ

داروں کو اغواء کرکے لاتے اور بعد میں ان کے خاندان والوں سے تاوان کا مطالبہ کرتے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک رات لڑکی نے گورکن کے اسی کچے مکان کی پچھلی طرف والے کمرے میں کراہنے کی آواز سنی۔

لڑکی اٹھ کر وہاں تک جانے لگی تو گورکن کی بیوی نے بڑے رازدارانہ لہجے میں بتایا کہ:

"پچھلی شام کو بڑے شخص کے کچھ ڈاکو کسی کو اغوا کرکے لائے ہیں اور یہ کمرہ ایسے ہی اغوا شدگان کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کی حفاظت پر ایک ڈاکو مامور رہتا ہے اور جب تاوان طے ہو جاتا ہے تو انہیں رہا کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو انہیں قتل کر دیا جاتا ہے اور ان کی قبریں بھی ہمیں ہی کھودنی پڑتی ہیں۔ اگر ہم زبان کھولیں تو ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ ہمارے جو بیٹے ان کے بیگار کیمپ میں ہیں' انہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ اسی خوف سے ہم یوں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور آپ کو بھی نصیحت ہے کہ:

"ان تمام حالات سے آنکھ بند کیے رکھو تاکہ یہاں کے ظلم و جبر سے محفوظ رہ سکو۔"

یہ سب سن کر لڑکی کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ چکرا کر گر جائے گی۔ اس نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں تاکہ سنبھل سکے۔ پچھلے ہی دنوں اس نے کلام اقبال کا مطالعہ مکمل کیا تھا۔ اس کے قلب و شعور میں اتنا طلاطم پیدا ہوا کہ اسے یوں لگا کہ جیسے روح اقبال اس کے سامنے ہو۔ وہ آنکھیں بند کیے اسے مخاطب کرتی رہی۔

اے روح اقبال بتا!

"تم نے کون سے ملک کا خواب دیکھا تھا۔ جن لوگوں کو تو مخاطب کرکے کہا کرتا تھا کہ ان کی وجہ سے۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

"بتا وہ لوگ کہاں ہیں؟ میں تو تیری اس دھرتی پر آکر ریزہ ریزہ ہونے کو ہوں۔ میں تو اک ایسی مملکت کو چھوڑ کر آئی ہوں جسے خود نظریاتی ہونے کا دعویٰ ہے اور اس یقین کے ساتھ یہاں آئی ہوں کہ اسلام سے بڑا نظریہ و دین کیا ہوگا اور اس کے نام پر تعمیر کی گئی مملکت تو فردوس بریں ہوگی۔ تو تو کہا کرتا تھا:

"جو مسلم نوجوان اس مملکت کے تربیت یافتہ ہوں گے۔ وہ دنیا کی قوموں کو راہ دکھایا کریں گے۔"

لیکن ذرا دیکھ تو سہی کہ:

تیری مملکت کے جوان کیا کر رہے ہیں؟ یہ تو اپنوں کو ہی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ یہ نوجوان تو جوان ہو ہو کر اپنی ہی ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کے دوپٹوں کو نوچ نوچ کر کھینچ رہے ہیں۔

کیا تجھے نظر نہیں آتا کہ:

کس طرح لوگ سہمے ہوئے خوف کے مارے یہاں کے جابروں کے ہاتھوں تڑپ رہے ہیں۔ تو نے ایسی مملکت کا خواب کیوں دیکھا۔ جسے سنوارنے والے میسر نہ تھے۔ تو نے ایسی مملکت کو کیوں چاہا جس سے محبت کرنے والے موجود نہ تھے۔

تو اگر سن سکتا ہے تو سن' اگر دیکھ سکتا ہے تو دیکھ:

تیری سرزمین بیگار کیمپ بن چکی ہے۔ اس پر ایسے لوگ اثر انداز ہو چکے ہیں جو اس کے جنم سے لے کر آج تک اس کے چیتھڑے اڑاتے آ رہے ہیں اور انھیں ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ میں نے تو ان چند ایام میں ہر قدم پر جہنم کے مناظر دیکھے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ چند روپوں کے عوض اس مملکت کے بڑے بڑے جری جوان اپنی نسلوں کو نشے کا زہر پلانے پر مامور ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ظالم گھرانوں کے بے رحم نوجوان جہیز نہ ملنے کے باعث اسی قوم کی معصوم و باغیرت بیٹیوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ان میں کوئی اٹھتا ہی نہیں جو سربلند کر کے کہے کہ آؤ ہم زندگی کو لالچ اور دکھاوے کے بوجھ سے آزاد کریں۔ مجھ تک جس کے کراہنے کی آواز پہنچ رہی ہے۔ کیا وہ آواز و فریاد تجھ تک نہیں پہنچ رہی۔ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہو کہ کتنوں نے کس کس کو اغوا کر رکھا ہے۔
تو تو کہتا تھا کہ:

خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

یہ بتا کہ:
"کہاں ہے وہ قوم؟ میں تو اس زمین کے سادہ ترین گوشے میں پناہ لینے آئی تھی۔ یہاں کا یہ حال ہے تو جو جگہیں سادہ نہیں ان کا کیا حال ہوگا؟"
کراہنے کی آواز بہت بڑھ گئی اور لڑکی اس کی درد بھری چیخوں کے شور سے اپنے تصورات کی دنیا سے باہر نکل آئی۔
لڑکی نے سوالیہ نگاہوں سے گورکن کی بیوی کی طرف دیکھا اس نے جواب دیا کہ:
"ڈاکو مار مار کر اسے خاموش کر رہا ہے۔ صبح تک وہ بے ہوش ہو جائے گا

اور پھر خود شام تک خاموش پڑا رہے گا۔ اور جب بھی کسی کو اغوا کر کے لایا جاتا ہے تو یہی ڈاکو اسی کی نگرانی پر رکھا جاتا ہے۔ یہ بہت ظالم ہے۔ ایک دن اس نے گورکن کو مارا تھا اور تب سے وہ بیمار ہے۔" کچھ دیر بعد مغوی کی آواز دب گئی اور لڑکی کی بھی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کے لگتے ہی اسے خواب میں یوں محسوس ہوا کہ جیسے اقبال اس سے مخاطب ہے اور کہہ رہا ہے کہ:
"اے نیک خاتون!
یہ وہی مملکت ہے جس کا میں نے خواب دیکھا تھا۔ لیکن یہ وہ قوم نہیں جو اس مملکت کے شایان شان ہو۔ یہ مملکت تو اس قوم کے لیے تھی جس کے افراد کے قلب، شعور اور روحیں آزاد اور آگاہی یافتہ ہوں۔ جو آخری رسولؐ کے دیئے ہوئے نظام حیات کے علاوہ کسی اور کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ مملکت تو صرف ان کے لیے تھی جو کسی کے ہاتھوں کسی بھی مول نہ بکیں اور فاقہ کشی میں بھی موت سے نہ ڈرتے ہوں۔
اے پاکیزہ لڑکی سن!
میں نے تو یہ خواب ان کے لیے دیکھا تھا جو بے سہاروں کے سہارے بن جائیں، جو بے نواؤں کی آواز بن جائیں، جو سہمے ہوئے انسانوں کو اپنی چھاؤں میں لے لیں، جو بھوک سے دم توڑتے ہوئے انسانوں کو اپنے نوالے تک دے دیں، جو ظالموں اور جابروں پر بجلیاں بن کر گریں اور جو جہالت کے اندھیروں کو پاش پاش کر دیں۔
اے دردمند لڑکی سن!
یہ مملکت تو میں نے امت اسلامیہ کے ایسے افراد کے لیے سوچی تھی جو دیگر

اقوام کو جینے کی ایسی راہ دکھائیں۔ جو امن' محبت اور اطمینان کی جانب لیے چلتی ہو۔ میں نے کہا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے عظمت و اطمینان حاصل کر سکتا ہے کیوں کہ اس کے پاس نسخہ کیمیا "قرآن حکیم" ہے اور ماڈل و آئیڈیل آخری نبی ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

اور اے دختر اسلام!

مایوس نہ ہو! جو ہمت اور جرات تو نے قرآن عظیم سے حاصل کی ہے انہیں کمزور و ماند نہ پڑنے دینا۔ گوشہ عافیت میں پڑے رہنے سے اسلام کی خدمت نہیں ہو سکتی۔ بزدلوں' خوف زدہ انسانوں اور فراریت والوں کی عبادات بھی دین اسلام نے مسترد کرکے رکھ دی ہیں۔ کوئی مسلمان مسائل حیات سے فرار حاصل کرکے' کاہل ہوکر' حجروں' مزاروں' غاروں' پہاڑوں یا کسی بھی گوشہ عافیت میں بیٹھ کر نہ ولی اللہ' نہ مجاہد اور نہ ہی بامقصد و کارآمد مسلمان ہو سکتا ہے۔ ایسا کرنے والے صرف امت اسلامیہ کو برباد کرنے کا باعث بنے ہیں۔

اے نیک لڑکی سن!

اگر تم دین اسلام کی پناہوں میں آگئی ہو تو اپنے قلب و شعور کو کام میں لاؤ اور ایسے مجاہدوں کے طریقہ جہاد کو اختیار کرو جو اپنے اپنے مقام پر پہلے اپنی ذات اور پھر اپنے ماحول کو آخری نبیؐ کے طریقے و سلیقے کے مطابق بدل دیتے ہیں اور تب وہ جہاد اکبر کے لیے ہمیشہ اپنے آپ کو مستعد و تیار پاتے ہیں۔

اور سنو کہ:

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا

نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش در آویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

ساحل پر تو زندگی بہت سست' بے مقصد اور آہستہ خرام ہوتی ہے۔ لیکن اگر تو قابل رشک اور ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی کی آرزو رکھتا ہے تو وہ صرف انہیں نصیب ہوتی ہے جو مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور گردابوں کو فتح کرتے ہیں چاہے دریا و سمندر کتنے ہی طوفانی کیوں نہ ہوں۔"

لڑکی نے چونک کر آنکھ کھولی تو بہت دور سے بڑی مدھم آواز میں صبح کی اذان سنائی دی۔ اس کے لیے یہ ایک بہت خوشگوار خواب تھا۔ کیوں کہ جب سے اس نے فلسفہ و ادیان کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ تب سے اسے اقبال سے عقیدت سی ہو گئی تھی اور وہ اپنی کئی الجھنیں کلام اقبال سے سلجھا لیتی تھی۔ اسے یہ عقیدت اس لیے بھی ہوئی تھی کہ اس نے قرآن کو گہرائی میں سمجھنا بھی اسی کے کلام سے سیکھا تھا۔ اگرچہ اس نے اسپائی نوزا' نطشے' والٹیر' روسو' ارسطو' افلاطون اور دیگر بے حساب نئے و پرانے مفکرین کے نظریات کو بساط بھر پڑھا اور سمجھا تھا لیکن وہ محسوس کرتی تھی کہ یہ لوگ فکر کی راہوں میں انسان کو بے منزل چھوڑ کر خاموش ہو جاتے ہیں مگر اقبال بھٹکنے نہیں دیتا اور لڑکی کی رائے کے مطابق وہ پڑھنے والے کو ایسی اطمینان بھری منزل کا پتہ دیتا ہے جو آخری نبیؐ کے طریقہ زندگی میں پنہاں ہوتی ہے۔

لڑکی نے نماز سے فارغ ہوکر معمول کے مطابق قرآن کا مطالعہ

شروع کر دیا۔
گورکن کی بیوی نے اسے ناشتے کے لیے باسی سوکھی روٹی دیتے ہوئے کہا:
"معلوم نہیں بیچارہ مغوی زندہ ہے یا مر چکا ہے کیوں کہ آدھی رات کے بعد اس کی آواز کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تھی۔"
اس نے مزید کہا کہ:
"میرا خیال ہے کہ حالات کا جائزہ لینے کے لیے بڑا شخص خود درگاہ تک آیا کرتا ہے اور وہیں پر گورکن اور ڈاکو پہرے دار کو بلا کر پوچھ گچھ کر کے چلا جایا کرتا ہے۔ لگتا ہے کہ آج شام تک وہ کسی وقت آئے گا اور گورکن و ڈاکو کو کچھ پیسے وغیرہ دے کر چلا جائے گا۔"
صبح ہو چکی تھی اور لڑکی اپنے چھوٹے سے ریڈیو سے بہت دھیمی آواز میں خبریں اور تبصرے وغیرہ سنتی رہی۔ اپنے آپ کو باخبر رکھنے کے لیے یہ اس کا معمول تھا۔ اس روز وہ بہت گہری سوچ میں ڈوبی رہی اور یوں ہی شام ہو گئی۔
رات کے پہلے ستارے کے ساتھ ہی کل والے کمرے سے پھر کراہنے کی ہلکی سی آواز ابھری۔ جب جب رات بڑھ رہی تھی وہی چیخیں پھر سے ابھر رہی تھیں۔ لڑکی اپنے بستر سے خاموشی سے اٹھی اور دن بھر جو جائزہ لیا اور منصوبہ سوچا تھا۔ اس کے مطابق جا کر ڈاکو پہرے دار کے پاس کھڑی ہو گئی۔ ڈاکو نے اپنی بندوق کی نالی اس پر رکھتے ہوئے کہا:
"تم کون ہو اور یہاں کس لیے آئی ہو؟"
لڑکی نے بغیر جواب دیئے اپنے گوریلا ایکشن سے ڈاکو کو ادھ موا کر کے چند لمحوں میں ہی اسے ایک طرف پھینک دیا اور اس کی مہنگی و جدید

ترین بندوق اپنے قبضے میں کر لی۔ لڑکی نے اس کی شہ رگ پر پاؤں رکھ کر اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینے کے لیے سوچا مگر خود ہی پاؤں ہٹا لیے۔
سامنے پڑا ہوا مغوی جو مار کھا کھا کر زخمی ہو چکا تھا اور یہ منظر دیکھ رہا تھا اور لاچار و مضمحل بے سکت پڑا تھا۔ وہ اترتی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔
لڑکی نے کہا:
"رات ابھی بہت باقی ہے۔ تم یہاں سے چلے جاؤ اور چھپتے چھپاتے اپنے گھر کی راہ لو۔"
اس شخص نے کہا:
"تم کون ہو؟"
لڑکی نے کہا:
"ایک مسلمان بیٹی ہوں۔"
مغوی نے کہا:
"تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟"
لڑکی نے کہا:
"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں نے صرف اللہ کی راہ میں تمہاری مدد کی ہے۔ بہتر ہے آپ وقت ضائع کیے بغیر فرار ہو جائیں اور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھائیں۔"
اس نے مغوی کی راہنمائی کرتے ہوئے مزید کہا:
"میرے خیال میں مغرب کی طرف چلتے ہی جانا۔ وہاں کوئی راہ مل جائے گی اور اگر کوئی ٹرک یا گاڑی وغیرہ مل جائے تو مدد لینے کی کوشش کرنا۔" لڑکی

نے اسے دھکیل کر باہر نکالا اور ایک راہ پر ڈال دیا۔

اب اس نے ڈاکو کو دیوار کے ساتھ لگنے کو کہا مگر وہ ابھی تک کانپ رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بندوق کے بٹ سے ڈاکو پہرے دار کے جسم پر بڑی سخت ضربیں لگائیں۔ گورکن اور اس کی بیوی یہ سمجھتے رہے کہ مغوی کو مارا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ خاموشی سے سوتے رہے کیوں کہ اس قسم کی آوازوں کے وہ عادی ہو چکے تھے۔ وہ گرتا پڑتا آخر کار کمرے کے ایک کونے میں جاکر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی نے پوچھا:

"تم جسم پر کہاں کہاں گولیاں کھانا پسند کرو گے؟" ڈاکو پہرے دار خوف کے مارے پھر گر گیا۔

لڑکی نے کہا:

سنو!

"تم جو کوئی بھی ہو مگر میں ایک مسلم خاتون ہوں۔ اپنے ہاتھ سے میں بلاوجہ تمہارا خون نہیں کرنا چاہتی۔ میں نے تمہیں ضربیں اس لیے لگائی ہیں کہ تمہیں احساس ہو جائے کہ جسم کا درد کیا ہوتا ہے۔ مجھے تمہارے عمل اور حلیے سے کراہت آتی ہے۔ تم اس حد تک بزدل اور لعنت زدہ شخص ہو کہ تمہارے مردہ اور بے روح جسم کو شاید کوئی جانور بھی کھانا پسند نہ کرے۔ مگر میں تجھ پر گولی نہیں چلاؤں گی تاکہ تم زندہ رہ کر اپنے زخموں کو محسوس کرتے رہو اور احساس کرو کہ بے گناہ انسانوں کو جب ستایا جاتا ہے تو انھیں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔"

لڑکی نے دروازہ کھلا چھوڑتے ہوئے باہر نکلنے کے لیے قدم بڑھائے تو ڈاکو

نے پاؤں پکڑ لیے اور فریادی لہجے میں ہاتھ باندھ کر کہا:

"مجھے گولی مار دی جائے۔"

لڑکی نے پوچھا:

"کیوں؟"

اس نے کہا:

"اگر میں زندہ رہ گیا تو یہاں کا بڑا شخص مجھے زندہ اپنے کتوں کو کھلا دے گا کیوں کہ مغوی بھاگ چکا ہے۔ میں اس وقت پچیس چھبیس برس کا ہوں اور جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ میں یہی دیکھتا آیا ہوں کہ اس خاندان کے افراد اپنے مقاصد یوں ہی پورے کرتے ہیں۔ میری شادی کوئی تین سال پہلے ہوئی تھی۔ میرا پہلا بیٹا بڑے شخص نے یرغمال کے طور پر لے رکھا ہے۔ بیٹے کی وجہ سے میری بیوی بھی یرغمالی ہے۔ اس لیے ان کی آواز پر مجھے لبیک کہنا پڑتا ہے۔"

اس نے مزید بتایا:

"اس گھر کے اردگرد تقریباً ایک آدھ فرلانگ کے فاصلے پر تین پہرے دار ڈاکو اور ہیں جو میری حفاظت پر مامور ہیں تاکہ کوئی باہر کا آدمی اغوا شدہ شخص تک نہ پہنچنے پائے۔ لیکن مغوی کیوں کہ میری ڈیوٹی کے دوران بھاگا ہے اس لیے اس کی جو سزا مجھے دی جائے گی وہ آپ کی ایک گولی کی درد سے کہیں زیادہ ہوگی۔"

لڑکی نے پوچھا:

"کیا تم مسلمان ہو؟"

ڈاکو نے کہا:

"ہاں۔"

لڑکی نے کہا:

"کیا تم نے قرآن پڑھ رکھا ہے؟"

اس نے کہا:

"نہیں۔"

لڑکی نے پوچھا:

"تم کہاں تک پڑھے لکھے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"میں کالج تک پڑھا ہوں۔"

لڑکی نے پوچھا:

"کیا تمہیں علم ہے کہ اسلام کیسی زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتا ہے؟" اس نے کہا:

"بس نماز' روزے کا پتہ ہے اور میں خود وہ بھی نہیں کرتا۔"

لڑکی نے کہا:

"تم کیسے مسلمان ہو؟"

مگر سنو!

"میں نے اللہ کے بھروسے اور اس کی مدد سے تمہاری قید اور تمہاری بے رحم حرکتوں سے اس بے سہارا انسان کو نجات دلائی ہے۔ تمہارے پاس یہ بندوق اور پتھر کا دل تھا۔ اب یہ بندوق تمہارے ہاتھ میں نہیں رہی۔ تمہاری طاقت اور ظلم کی پرستش کہاں گئی؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ مسلمان صرف اللہ کی محبت اور اس کے احکام کی فرماں برداری کے لیے جیتا اور

مرتا ہے۔ اللہ کی اس محبت کے لیے اسے اپنے ایک بیٹے کو تو کیا اگر پورے کنبے کو بھی قربان کرنا پڑے تو وہ کسی خوف میں مبتلا ہوتا ہے اور نہ ہی کسی لالچ میں آتا ہے۔ تم اپنے ایک بیٹے کے لیے اپنے آپ اور اپنی بیوی کو یرغمال بنائے بیٹھے ہو۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ کب سے مسلمان اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کی خاطر اپنے بیٹے اور جان و مال کو قربان کرتے آ رہے ہیں۔ کیا تمہارا بیٹا ان سب سے زیادہ قیمتی ہے۔"

اور اے بدنصیب نوجوان سنو!

"تم نے جو لوٹنے' ڈاکے ڈالنے اور اغوا کرنے کا راستہ اپنایا ہے اس کے بارے میں تمہیں بڑے شخص سے کیا ملا؟ صرف خوف اور روٹی کے چند ٹکڑے' ان سے بہتر ٹکڑے تو وہ اپنے کتوں کو ڈالتا ہوگا۔ اگر تمہیں اس کی نگاہ میں باعزت ہو کر جینا تھا تو اپنی قیمت اس کے کتوں جتنی تو لگواتے۔"

"کاش! تم نے کسی مجاہد کا راستہ اپنایا ہوتا تو آج یوں موت کی بھیک نہ مانگتے۔ اس کی طرح تم بھی کسی میدان جہاد میں شہادت کی آرزو کرتے کہ جس کی مستی میں تمہاری روح بے خوف اور بے حزن و ملال اللہ کی محبت کی سرخوشی میں جھوم رہی ہوتی اور تب ساری قوم اور نسلوں کی یادوں میں تم ستاروں کی طرح جگمگاتے۔"

لڑکی کی گفتگو سن کر ڈاکو پہرے دار اس حد تک متاثر ہوا کہ اس کی آنکھوں میں تیز آنسو بہنے لگے۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا:

اے نیک خاتون!

"تو نے مجھے نئی زندگی اور نئی راہ سے آشنا کیا ہے۔ آج کے بعد دیکھ لینا کہ

تیرا یہ بھائی کسی ظلم میں شریک نہیں ہوگا اور جہاں بھی ہوگا اللہ کے حکم کے مطابق کسی پر ظلم نہیں ہونے دے گا۔"

ڈاکو نے لڑکی کے ہاتھ چومے اور اس سے اپنی بندوق لے کر دروازے سے نکل کر اندھیرے کی آڑ میں نہ جانے کہاں چلا گیا۔ لڑکی انتہائی اطمینان سے واپس آکر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

دوپہر سے پہلے بڑے شخص کو خبر ہو گئی کہ مغوی فرار ہو چکا ہے اور پہرے دار ڈاکو غائب ہے۔ دوپہر کو بڑے شخص کے کچھ آدمیوں نے گورکن کے گھر کو گھیرے میں لے لیا اور گورکن کو گردن سے پکڑ کر گھر سے باہر لے آئے۔

بڑے شخص کے بیٹے نے جو غنڈوں کی راہنمائی کر رہا تھا' کہا:

"گورکن کی بیوی کو بھی پکڑ کر باہر لے آؤ۔"

ایک غنڈے نے آکر اطلاع دی کہ گورکن کے گھر میں ایک لڑکی' اس کی بیوی کو بچا رہی ہے۔

بڑے شخص کے بیٹے نے خونخوار نظروں سے گورکن کی جانب دیکھا اور کرخت لہجے میں پوچھا:

"وہ لڑکی کون ہے؟"

گورکن نے جواب دیا:

جناب!

"اس کا ملاح باپ اپنے کنبے سمیت سمندر میں ڈوب گیا ہے اور ہماری عزیز ہونے کے ناطے وہ بے سہارا ہو کر ہمارے پاس ہی رہ رہی ہے۔"

بڑے شخص کے بیٹے نے یہ سن کر مزید جابرانہ انداز میں کہا۔

"ہمیں ایسے لوگوں کی زیادہ ضرورت ہے جن کا کوئی والی وارث نہ ہو۔"

اور وہ ایسے ہی بدترین الفاظ کہتے ہوئے اس کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دیگر غنڈے اور اس کے نوکر و غلام بھی داخل ہو گئے۔ لڑکی نے گورکن کی بیوی کو اپنے پیچھے کھڑا کیا ہوا تھا اور خود اس کی ڈھال بنی کھڑی تھی۔ بڑے شخص کے ظالم بیٹے نے داخل ہوتے ہی جاکر لڑکی کو گھسیٹنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

لڑکی نے بڑے اعتماد سے اس کا بازو جھٹکتے ہوئے کہا:

"اتنے آدمیوں کو لے کر صرف دو عورتوں کے مقابلے کے لیے میدان میں اترنا ظاہر کرتا ہے کہ تم کسی کے انتہائی بزدل بیٹے ہو اور جنہوں نے تمہیں جنم دے کر پاکیزہ تربیت سے ناآشنا رکھا۔ وہ یقیناً اپنی قوم اور امت اسلامیہ کے مجرم ہیں"

اور سنو!

"اگر یہ قوم اور کچھ دیر تک تم جیسے نوجوانوں اور گھرانوں کو برداشت کرتی رہی تو پھر جابر قومیں نامعلوم وقت تک اسے بھکاری اور یرغمال بنائے رکھیں گی۔"

بڑے شخص کے بیٹے کے لیے یہ غیر متوقع الفاظ تھے۔ پیدا ہونے سے لے کر اس وقت تک کسی نے بھی اتنے لوگوں کے سامنے اسے یوں کھری کھری نہیں سنائی تھیں۔ اس کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔

اس نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے کہا:

"اس پر پل پڑو۔"

لڑکی نے اس دوران جو مزاحمت کی کوشش کی تو اسے بہت مارا گیا۔ وہ بہت سے آدمی تھے اور بندوقوں سے لیس تھے۔ لڑکی کو مارا جا رہا تھا اور گھسیٹا جا رہا تھا مگر اس نے قرآن کو سینے سے لگائے رکھا۔ بستی کے لوگ یہ منظر دیکھتے رہے مگر سہمے ہوئے گھروں کے اندر دبکے رہے اور اپنے گھروں کے اندر سے ہی دروازوں سے جھانک جھانک کر اس کے پٹنے کا تماشہ دیکھتے رہے۔

لڑکی کو لے جاکر بیگار کیمپ میں پھینک دیا گیا۔ اس کے کپڑے اور نقاب وغیرہ سب پھٹ چکے تھے۔ جسم کے مختلف حصوں سے خون ابھی تک یا تو رس رہا تھا یا رس رس کر جم چکا تھا۔ بیگار کیمپ میں پہلے سے موجود بچے' عورتیں اور مرد سب سہمے ہوئے تھے۔ لڑکی نے آدھی رات نیم بے ہوشی میں گزاری۔ ہوش آنے کے بعد اس نے اپنے پھٹے ہوئے پلو کو کھول کر قرآن کریم کو نکالا اور اسے چوم کر گلے سے لگاتے ہوئے اللہ کے حضور سجدے میں گر گئی۔ اس کی روح اور دل کی دھڑکنیں اپنے اللہ سے ہمکلام ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔

دعا و فریاد کے لہجے میں اس کے لب ہلنے لگ گئے کہ:

اے بار الہا!،

"اگر تو نے مجھے اپنے دین مبین میں داخل ہونے کی توفیق دی ہے تو ایسے لوگوں سے محفوظ فرما جو اس دین کی پیروی کا دعوی بھی کرتے ہیں اور ایسا ظلم و ستم بھی روا رکھتے ہیں کہ روئے زمین پر اس کی مثال نہیں ملتی۔

اے اللہ!

تو نے تو مسلمانوں کو دنیا کی قوموں کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا مگر یہ تو اپنی ہی

قوم کے افراد کو تڑپا رہے ہیں۔ کیا یہاں کے حکمران اور فیصلہ ساز انسانوں پر ہوتے ہوئے اس ظلم و جبر سے بے خبر ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یقیناً وہ بے خبر ہوں گے۔

اے پروردگار!

کسی طرح انہیں خبر کر دے تاکہ یہاں کے لوگ اس ظلم سے نجات حاصل کر سکیں۔

اے رب!

اسی امت مسلمہ میں کبھی قاسم و طارق تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اب بھی ضرور ہوں گے۔ اس قوم کے حکمرانوں میں ایسے ضرور ہوں گے جو ہماری مدد کو پہنچ سکیں۔ اس کائنات میں سوائے تیری ذات کے میرا تو کوئی سہارا نہیں۔ مجھے اپنے دامن رحمت میں لے لے۔"

(13)

پچھلی رات کو خبر آئی تھی کہ بڑے شخص کو حکومت نے اس کے سیاسی اثر و رسوخ اور سرمائے و جاگیر کو مدنظر رکھ کر ایک بڑی وزارت سے سرفراز کیا ہے۔ چنانچہ صبح ہی سے اس کے ڈیرے پر بڑے بڑے سرکاری افسروں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو اسے مبارک بادیں و تحائف دینے کے لیے حاضر ہو رہے تھے۔ اس علاقے کے دیگر بڑے اشخاص بھی اسے مبارک باد دینے کے لیے آ جا رہے تھے۔

اس پس منظر میں عارضی طور پر یہ بات دب گئی کہ مغوی کیسے فرار ہو گیا اور پہرے دار ڈاکو کہاں غائب ہو گیا؟ اصل میں یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ اسے وزارت سے نوازا جا رہا تھا بلکہ ہر آنے والی حکومت کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی وقت اسے مشاورت یا وزارت سے نوازتی تھی۔ چنانچہ وہ وزارت کا خواہشمند نہیں بلکہ دعویدار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ غیر سیاسی

حکومتوں سے بھی وہ اپنے مقاصد ویسے ہی پورے کرواتا جیسا کہ سیاسی حکومتوں سے۔ جب سے اس کے بیٹوں نے ہوش سنبھالا تھا۔ وہ بھی بڑے بڑے سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ یہ صرف اسی کے لیے نہ تھا بلکہ ملک میں اس جیسے اور بھی اسی طرح نوازے جاتے تھے۔

لڑکی ابھی تک ایسے گھرانوں کے اثر و رسوخ اور طاقت سے ناواقف تھی۔ اسے یہ بھی خبر نہ ہو سکی تھی کہ ملک کے بعض بڑے بڑے انتہائی اہم سرکاری عہدوں پر اپنے ہی عزیز و اقارب کو فائز کرواتے تھے۔ گورکن اور اس کی بیوی کو باندھا ہوا تھا مگر تاحال مغوی کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ ان کے گھر میں رہنے والی لڑکی کو بیگار کیمپ میں پھینک دیا گیا تھا۔

بڑے شخص نے کہا:

"میں ہو ایک روز میں دارالخلافہ سے واپس آ کر فیصلہ سنا دوں گا مگر میں ابھی تک یہی سمجھتا ہوں کہ انہیں اسی وقت ختم نہ کر کے تم نے سخت غلطی کی ہے۔"

بیٹے نے استفسار کیا:

"انہیں زندہ رکھنا کیوں کر غلطی ہے؟"

بڑے شخص نے جواب دیا:

"ہو سکتا ہے کسی نے ان لوگوں سے سازش کر کے انہیں فرار کروایا ہو۔ اب وہ ہمارے خلاف کوئی نہ کوئی مزید گواہی حاصل کرنے کے لیے ان میں سے کسی اور کو فرار کروا سکتا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ لوگ ان تمام قبروں کی نشاندہی کر دیں گے۔ جن میں دفن ہونے والے لوگوں کی موت ہمارے ہاتھوں سے واقع ہوئی۔"

بیٹے نے کہا:

"مگر انہیں زندہ رکھ کر ہم اس آدمی تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو اس سازش کا سرغنہ ہے۔ اور اس تک پہنچنا ضروری ہے تاکہ ہم نے بستی پر جو نظام لاگو کر رکھا ہے اس میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو سکے۔"

بڑے شخص نے بیٹے کو تھپکی دیتے ہوئے کہا:

"تم یقیناً اس گھرانے کے بہتر وارث ہو۔ البتہ میری غیر حاضری کے دوران مغوی کا پیچھا کرنا تاکہ اسے جلد از جلد ختم کر دیا جائے۔ بہتر ہے کہ اس کے ٹھکانے کے آس پاس اپنے آدمیوں کا آنا جانا رکھو اور انہیں ہدایت کر دو کہ موقع ملتے ہی اسے ختم کر دیں تاکہ ہمارے خلاف کوئی مقدمہ و گواہی نہ تیار ہو سکے۔"

اس نے اپنی ہدایت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"اس وقت بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ ملک میں کوئی نہ کوئی کسی بھی واقعہ کو بنیاد بنا کر ہمیں بلیک میل کرنے یا سکینڈل بنا کر اپنا مفاد پورا کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں مزید محتاط رہنا ہوگا۔ کیوں کہ شہروں میں بعض صحافی جنہوں نے نیا نیا یہ پیشہ اختیار کیا ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے جوشیلے اور بے باک بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی شوق میں ہم جیسے خاندانی لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ اسی لیے میرے فیصلے کا انتظار کرنا۔"

باپ کے جانے کے بعد بیٹے نے اپنے پالے ہوئے چند تربیت یافتہ ڈاکوؤں کو مغوی کی تلاش اور اس کا کام تمام کرنے کے لیے بھیج دیا۔ وہ کئی روز تک بہروپ بدل کر اس کے گھر بار' عزیزوں اور رشتہ داروں

کے ہاں اس کی تلاش میں مگن رہے۔ لیکن ان کے خاندان میں ابھی تک سوگ اور افسردگی تھی اور یہی خبر تھی کہ اغواء کے بعد اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

بڑے شخص کے لیے یہ خبر بہت تشویش پیدا کرنے والی تھی کیونکہ بیٹے نے باپ کو واپس آتے ہی آگاہ کر دیا کہ مغوی گھر نہیں پہنچا۔ ابھی تک اسے تلاش کرنے کی مزید کوششیں بھی رائیگاں گئی تھیں۔ زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ فرار ہونے والا کسی پولیس سٹیشن پہنچا تھا اور نہ کہیں اس کی لاش مل سکی تھی۔

بیٹے نے باپ سے فیصلہ حاصل کرنے کی غرض سے پوچھا:

"گورکن اور اس کی بیوی کا کیا کیا جائے؟"

باپ نے کہا:

"فی الحال انہیں زندہ رکھ کر تشویش جاری رکھی جائے۔"

بیٹے نے پوچھا:

"لڑکی کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟"

"اسے بھی فی الحال زندہ رکھ کر سازش تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔" باپ نے فیصلہ سنایا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی ہدایت کی کہ بعد میں ان کا ختم کر دینا ضروری ہے تاکہ کسی ردعمل کے طور پر یہ بھاگ کر ہمارے خلاف گواہ نہ بن جائیں۔"

بیٹے نے کہا:

"لڑکی زیادہ خطرناک ہے۔ وہ نہ صرف بہت گستاخ ہے بلکہ اس کی گفتگو سے لگتا ہے کہ وہ ہماری بستی کی عورتوں کی طرح بے زبان اور جانور نہیں

ہے۔"

باپ نے پوچھا:

"لڑکی کی اصل کیا ہے؟"

بیٹے نے کہا:

"گورکن کا کہنا ہے کہ وہ ایک ملاح کی بیٹی ہے اور بے سہارا ہے۔"

باپ نے کہا:

"مزید تہہ تک پہنچو اور پتہ کرو کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کے لیے اسے ہر قسم کی سختی سے اور ٹارچر سے گزارو اور اگر پھر بھی پتہ نہ چلے تو اسے گولی مار دو اور گورکن سے پہلے اس کی قبر تیار کروا رکھو۔"

بیگار کیمپ میں ڈالے جانے کے بعد سے دو چار روز تک لڑکی انتہائی صبر و تحمل سے حالات کا جائزہ لیتی رہی اور قرآن سے ہدایت و روشنی لیتی رہی۔ اگلی صبح لڑکی نے فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کو پڑھنے کے لیے کھولا ہی تھا کہ بڑے شخص کا ایک آدمی جو کیمپ کے پہرے داروں میں سے تھا۔ بیگار والوں کو مارتا ہوا لڑکی کی جانب آ گیا۔ لڑکی کے سامنے جب عورتوں' بچوں اور سہمے ہوئے مردوں کو کام کے لیے ہانکا گیا تو لڑکی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے ان پر بے حد رحم آیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی کھوئی ہوئی طاقت پھر سے اس کے جسم و جان پر نازل ہو رہی ہو۔ وہ ہانکنے والے کے ہاتھ سے چڑے کا درا چھین کر سامنے کھڑی ہو گئی اور ان سب سے مخاطب ہو کر کہا:

اے بے زبان انسانو!

"غور سے سنو! تم بے زبان نہیں ہو' جانور نہیں ہو کہ تمہیں صرف ایک

شخص لاٹھی سے ہانکتا پھرے۔ جانور بھی کئی بار اپنے ساتھ ہونے والے ستم کے خلاف سر اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن تم تو ان سے بھی گئے گزرے ہو۔"

اس شخص نے آگے بڑھ کر پھر سے درا چھیننے کی کوشش کی مگر لڑکی نے مار مار کر اسے بدحال اور نیم بے ہوش کر دیا اور تحکمانہ انداز میں کہا کہ وہ بھی بیگار کرنے والوں میں کھڑا ہو کر اس کی آواز سنے۔

لڑکی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

اے مضمحل اور ناکارہ مسلمانو!

"تمہارے نام تو مسلمانوں جیسے ہیں مگر کیا تم جانتے ہو کہ یہ نام کن مسلمان ہستیوں کے تھے؟ تم اپنے دل و دماغ کی قوتوں کو جمع کر کے غور سے سنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ نام ان کے تھے جنہوں نے بے سہاروں کو پناہیں دیں اور ظلم کرنے والوں کو ان کے محلوں سے کھینچ کھینچ کر ستم زدہ انسانوں کے قدموں پر ڈال دیا تھا۔ یہ نام ان کے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے اور طاقتور ظالموں کی گردنوں کو اڑا کر رکھ دیا تھا۔ ان کی روحوں سے آتی ہوئی آواز کو اپنی روحوں سے محسوس کرو۔ جو تم سے ہمکلام ہے۔"

سنو!

"تم انہی کی نسلوں میں سے ہو۔ تمہاری رگوں میں ان کا ہی خون ہے مگر یہ لوگ درے لیے جو تمہیں گھسیٹتے اور مارتے چلے جاتے ہیں انہیں یاد رکھنا ہوگا کہ کل ان کی بیٹیوں اور بیٹوں کو اسی طرز کے بڑے اشخاص یا ان کی نسلیں اسی طرح کے ان جیسے غلاموں اور کڑیل نوجوانوں کو لے کر مارتے ہوئے اور گھسیٹتے ہوئے اپنے پیروں تلے زندگی گزارنے پر مجبور کر دیں گے۔ پھر یہی آج کے ظالم غلام اپنی قبروں سے نکل کر ان کی چیخیں اور

فریادیں سننے کو نہیں آسکیں گے اور نہ ہی انہیں نجات دلا سکیں گے۔"

ان بے کسوں کے کیمپ میں پہلی بار کوئی زور دار آواز ابھری تھی۔ اسی دوران دوسرے پہرے دار ہاتھوں میں درے لیے وہاں پہنچے۔ انہوں نے آتے ہی لڑکی کو مارنے کی کوشش کی تو پہلے والے پہرے دار نے انہیں دھکا دے کر پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا:

ٹھہرو

"پہلے اس آواز کو سنو! جو تمہاری نیم مردہ روحوں کے کام آئے گی۔"

لڑکی نے کہا:

"انہیں آنے دو اس لیے کہ یہ غلام ہیں۔ ان کے دل و دماغ اور روحیں سب غلام ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی بزدلی اور خوف کی وجہ سے اپنے جسموں اور عقلوں کو بڑے شخص کے ہاتھ چند لقموں کے عوض بیچ رکھا ہے۔"

لڑکی کی آواز میں قوت ایمانی کی گرج اور حوصلہ تھا مگر سننے والے تو صرف چلتی پھرتی لاشوں کی مانند تھے۔ صرف پہلے والے پہرے دار یا دو ایک افراد کے دلوں میں ہلکی سی جنبش پیدا ہو سکی تھی۔ ان دونوں پہرے داروں نے لڑکی کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے پھر سے اسے دروں سے مارنے کی کوشش کی لیکن لڑکی نے اپنے گوریلا طریقوں اور حاصل کی ہوئی تربیت کے سلیقوں سے ان دونوں کو زیر کر کے ادھ موا کر کے چھوڑا۔

اس نے کیمپ کے لوگوں سے کہا:

"تم بھاگ جاؤ اور آزاد زندگی بسر کرو۔"

مگر خوف و ہراس جو ان کے لاشعور کی تہوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس

نے انہیں وہیں کا وہیں کھڑے رکھا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ وہاں سے بھاگ بھی گئے تو بڑے شخص کے غلام فرماں بردار انہیں مارتے گھسیٹتے ہوئے پھر وہیں لے آئیں گے۔ لڑکی حیران تھی۔

اس نے زور زور سے انہیں آواز دی:

لوگو!

"تمہارے ضمیروں کو کیا ہو گیا ہے؟ تمہارے دل خوف سے کیوں لرزاں ہیں؟ کیا تمہیں اپنے پروردگار پر بھروسہ نہیں؟ کیا تمہارے بڑے شخص کا قہر اللہ تعالیٰ کے قہر سے زیادہ ہے؟ کیا اس شخص کی مہربانی اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت سے زیادہ طاقتور ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ زندگی اور موت صرف اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کے تابع ہے اور کوئی اس پر قادر نہیں۔"

لیکن وہ لوگ ابھی تک پتھروں کی مانند ساکت اور مبہوت کھڑے تھے۔ وہ لڑکی کے پیغام پر عمل کرنے کو تیار نہیں تھے۔ اسی دوران ایک ظالم فرماں بردار نے بڑے شخص کے بیٹے کو جا کر آگاہ کر دیا کہ وہ لڑکی قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے مگر تمہارے حکم کے مطابق ہم نے ابھی تک اسے زندہ رکھا ہوا ہے اور اس کی زیادتیوں کے باوجود اسے گولی نہیں ماری۔

لڑکے نے کہا:

"یہ میرا نہیں بلکہ میرے باپ کا حکم تھا ورنہ میں ایسی مخلوق کو باعزت رکھ کر زندہ رہنے دینے کا عادی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ طیش میں اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد کیمپ میں آگیا اور آتے ہی لڑکی پر برس پڑا۔

اے روندی ہوئی ذلیل مخلوق!

"کیا تمہیں مزید ایک روز کی زندگی بھی گوارا نہیں۔ تمہیں تو ابھی تک اس لیے زندہ رکھا ہوا ہے کہ تمہاری ہڈیاں بولیں کہ تم نے مغوی کو کہاں فرار کروایا ہے؟ تم نے جو ہمارے پہرے دار پر ہاتھ اٹھایا ہے اس کے لیے فی الحال ہم صرف تمہارے ہاتھ کاٹ کر تمہاری جھولی میں ڈالیں گے تاکہ تم اپنے جیسوں کے لیے عبرت بنی رہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک پہرے دار سے کلہاڑی لے کر لڑکی پر وار کرنے کے لیے بڑے ہی جوش و غصے کی حالت میں آگے بڑھا۔

کیمپ کے لوگ سہم گئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک پہرے داروں کے رنگ پیلے پڑ گئے۔ عورتیں اور مرد سبھی سر جھکائے ہوئے خوفزدہ ہو کر آگے بڑھ بڑھ کر بڑے شخص کے بیٹے کے پیروں میں پڑے جا رہے تھے تاکہ اس کے قہر کا رخ کہیں ان کی جانب نہ ہو جائے۔ اس کے پیروں پر گرنے سے ایک لحاظ سے وہ اسے اپنی فرماں برداری کا یقین دلا رہے تھے۔ وہ کلہاڑی لہراتا ہوا لڑکی کے قریب پہنچ رہا تھا اور ساتھ ہی ایک ظالم پہرے دار بھی لڑکی کو گرفت میں لینے کے لیے بڑھ رہا تھا۔ لڑکی بڑے اطمینان سے ایک چھوٹے سے درخت سے لگے اسے سنتی اور اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے دل ہی میں اپنے اللہ کی یاد کو بڑھا دیا اور دل ہی دل میں اسے پکارتی رہی کہ:

"اے آگ کو گلزار کرنے والے اور اے موسیٰؑ کو فرعون سے محفوظ رکھنے والے اور اے محمد ﷺ کو ظالم اور جابر کفار پر برتری عطا کرنے والے' میں اسی کی نسبت سے تیرے پیغام کو آگے بڑھانا چاہتی ہوں۔ مجھے ہمت دے کہ میں ان کا استقلال سے مقابلہ کر سکوں اور میری مدد فرما۔"

اے اللہ!

"میری مدد فرما اور ان طاقت وروں کی طاقت اور شر سے محفوظ فرما۔"

بڑے شخص کا بیٹا خونخوار سانسوں سے لڑکی کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ پہرے داروں اور بیگار کرنے والوں کو یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں لڑکی کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ کیوں کہ آج تک جب کبھی وہ خود کوئی ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے کر کسی پر وار کرنے کے لیے بڑھتا تھا تو وہی کچھ کر گزرتا تھا جو وہ پہلے کہہ چکا ہوتا تھا۔ اور جو بھی اس کا شکار ہوتا تھا وہ خاموشی سے اپنی زبان یا ہاتھ یا ٹانگ وغیرہ کٹوا لیتا تھا اور اپنے بچ جانے کو غنیمت سمجھتا تھا۔ بڑے شخص کا بیٹا سال میں ایک آدھ مرتبہ لوگوں کے سامنے ضرور ایسا منظر دہراتا تھا تاکہ تمام علاقے کے لوگوں پر اس کی دہشت قائم رہے۔

کسی عورت کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ سر اٹھائے۔ کسی مرد کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ آواز نکالے۔ یہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی وہاں پر موجود لوگوں کے ہاتھ پیر کانپنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ پہرے داروں نے بھی خوف کے مارے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

وہ کلہاڑی کو اپنے کندھوں سے ذرا اوپر لہراتا ہوا اگرچہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن لڑکی کی آنکھوں کی چمک اور اعتماد اس کو اندر سے بذات خود کمزور کرتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے جب کبھی وہ کسی پر وار کرنے کے لیے بڑھتا تھا تو وہ عورت یا آدمی بڑے زور زور سے گڑگڑا کر اس سے اپنی سلامتی کی بھیک مانگتا تھا اور وہ اس سے لطف اندوز ہو کر آخر میں سنی ان سنی کر کے اسے کاٹ کر رکھ دیتا۔ مگر اس بار اس کے سامنے عجیب منظر تھا۔

وہ اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا تھا کیوں کہ اس کے تابع فرمان اور سب نوکر و پہرے دار دیکھ رہے تھے۔ پیچھے ہٹنے کا مطلب ان میں سے بعضوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا تھا۔

لڑکی پوری قوت ایمانی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ستون کی طرح کھڑی تھی۔ وہ جب لڑکی سے صرف دو ایک قدموں کے فاصلے پر رہ گیا تو لڑکی نے پہرے دار کے ہاتھوں سے جو پہلے سے درا چھین رکھا تھا اس سے بجلی کی طرح لپک کر وار کر دیا۔ اس نے اس زور سے وار کیا کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ سے گر کر پرے جا گری۔

بڑے شخص کا بیٹا نیچے گرا ہوا تھا اور وہ پوری قوت سے اس پر درے برسا رہی تھی۔ لڑکی نے کلہاڑی پکڑلی۔ دو ایک پہرے داروں نے فوراً آگے بڑھ کر اپنے آقا کی مدد کرنا چاہی اور لڑکی کو گرفت میں لینے کے لیے اس پر جھپٹے مگر لڑکی نے بڑے سلیقے سے کلہاڑی کے وار کر کے انہیں اٹھنے اور چلنے کی طاقت سے محروم کر دیا۔ وہی حال اس نے بڑے شخص کے بیٹے کا کر دیا۔ دیگر پہرے داروں کو آگے بڑھ کر انہیں بچانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ نیچے گرنے والے ان سے ہر طور زیادہ طاقتور تھے۔

لڑکی نے خوفزدہ لوگوں کو پھر مخاطب کیا:

اے خوف زدہ انسانوں!

"دیکھو! تمہارا فرعون کس حالت میں پڑا ہے۔ دیکھا آپ نے یہ مجھے مارنے اور زندہ رکھنے کا دعویٰ کر رہا تھا مگر اللہ نے اس کے ہاتھوں سے توانائی چھین لی ہے۔"

تب لڑکی نے بڑے شخص کے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا:

"تم نے وراثت میں صرف جہالت اور ظلم حاصل کیا ہے۔ اس جہالت نے تمہارے دل اور سینے کو سیاہ کر کے رکھ دیا ہے۔ تم، تمہارے آباؤ اجداد اور تم جیسے سبھی گھرانے اور افراد اس پاک سرزمین کے سینے پر بوجھ اور گندگی کا ڈھیر ہیں۔ اس وطن میں پلوشن گاڑیوں کا دھواں اور گندگی نہیں بلکہ تم جیسوں کا وجود ہے۔"

اگرچہ وہ لڑکی کی باتیں تو سنتا رہا مگر نہ اٹھ سکنے کی وجہ سے بے سدھ اور ساکت پڑا رہا۔ اسی دوران کسی نے بڑے شخص کو آگاہ کر دیا کہ اس کے بیٹے کو بیگار کیمپ سے گورکن کے گھر سے پکڑی جانے والی لڑکی نے ذلیل کر کے رکھ دیا ہے اور بعید نہیں کہ اس کے ہاتھ سے کچھ بھی ہو جائے۔

کچھ ہی دیر بعد پہلے بڑا شخص دارالخلافہ سے واپس آیا ہی تھا کہ اسے کسی نے اس واقعہ کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ وہ فوراً بندوق لیے تیزی سے بیگار کیمپ کی جانب بڑھا اور آتے ہی اس نے وہاں موجود لوگوں کو حکم دیا۔

"پکڑ لو اس بچ کو۔"

لڑکی کے ہاتھ میں درا اور کلہاڑی دیکھ کر پہرے داروں کو تو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی لیکن بڑے شخص کا جاہ و جلال دیکھ کر بیگار کرنے والے مرد اور عورتیں بلکہ سب ہی لڑکی پر ٹوٹ پڑے۔

اس شخص نے کہا:

"اب اس لڑکی کو گولی سے نہیں مارا جائے گا بلکہ کسی اور طریقے سے اس

کے ٹکڑے کیے جائیں گے۔"

لڑکی کو اسی چھوٹے درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس شخص نے جانے سے پہلے حقارت کے ساتھ لڑکی کے منہ پر تھوک دیا جو اس کی پیشانی پر پڑا۔

اس نے اپنے بیٹے کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا:

"اس لڑکی کو پورے علاقے کے لوگوں کے سامنے عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا۔ بیگار کرنے والوں نے لڑکی کو مار مار کر چور کر دیا مگر بڑے شخص کا دعویٰ سن کر لڑکی نے نحیف آواز میں کہا:

"فرعون اور نمرود بھی ایسے ہی دعوے کرتے تھے اور تم بھی"

اے بے رحم مظلومو سنو!

"میں نے پوری تاریخ میں غلاموں کی کسی نسل کو اتنا بے حس بے درد اور خوف زدہ نہیں دیکھا جتنا کہ اس وطن کے اس علاقے میں رہنے والے تم لوگ ہو۔ میں نے تو تمہیں آزاد رہنے کے لیے پکارا تھا مگر تم نے ہی مجھے میری گردن سے دبوچ لیا۔ میری آواز کو صرف تم ہی ختم کر سکتے تھے ورنہ یہ بڑا شخص اور اس کا بیٹا تو کبھی ہمت نہ کر سکتے۔ تم ان درندوں سے بھی زیادہ ظالم اور گناہ گار ہو کیوں کہ تم نے اپنے آپ کو ان کا آسان شکار بنا رکھا ہے۔

یاد رکھو کہ:

ظلم کے بڑھتے رہنے کا تعلق مظلوموں کے ظلم و ستم سہتے رہنے سے ہے۔

تم اس حقیقت کو جان جاؤ کہ یہ بڑے اشخاص تم جیسے خوف زدہ فرماں برداروں کو مرنے نہیں دیں گے۔ کیوں کہ اگر تم مرجاؤ گے تو کوئی دلیران

کی دہشت اور ظلم برداشت نہیں کرے گا۔ اسی لیے جاہ و جلال اور کروفر قائم رکھنے کے لیے بزدل انسانوں کو زندہ رکھنا ضروری ہوتا ہے کیوں کہ وہی جابروں اور ظالموں کا اقتدار زمین پر قائم رکھنے کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ جس طرح درگاہوں کے وارثوں اور گدی نشینوں کو کمزور عقائد و ایمان والے جاہل مریدوں اور پیروکاروں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے دین کی سچائیوں کو مسخ کر کے اور توہم پیدا کر کے اپنی تجوریاں بھرتے رہیں۔ اسی طرح سیاسی اور سماجی وارثوں و گدی نشینوں اور ظالموں کو تم جیسے خوفزدہ انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنا سیاسی اور سماجی اقتدار قائم رکھ سکیں۔"

پورے جوش و جذبے کے ساتھ یہ کچھ کہتے کہتے لڑکی بے سدھ ہو کر گرنے والی ہو گئی اور بندھی ہوئی رسیوں پر لٹک کر رہ گئی۔

بڑے شخص نے پہرے داروں سے کہا کہ:

"ابھی اسے مرنے نہ دینا۔ ہم نے بیٹے کی رسوائی کا حساب چکانا ہے تاکہ آئندہ بستی والے اس کی سزا سے سبق سیکھیں اور پھر کسی کو اس طرح ہاتھ اٹھانے یا زبان کھولنے کی جرات نہ ہو سکے۔"

ایک پہرے دار نے کہا:

جناب!

"یہ اپنی چادر میں قرآن لپیٹے رکھتی ہے اور بیگار کرنے کی بجائے اسے پڑھتی رہتی ہے۔ اس بارے میں کوئی حکم صادر کیجیے۔" بڑا شخص اور زیادہ طیش میں آ گیا۔

اس نے کہا:

"قرآن ان جیسی نجس عورتوں اور انسانوں کے لیے نہیں اترا۔ اس سے قرآن چھین کر مسجد میں جمع کروادو جو اس کی اصل جگہ ہے۔"

اس وقت تک لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی اس لیے اس سے قرآن کریم چھین لیا گیا۔ بڑے شخص نے جانے سے پہلے اپنے خاص آدمیوں کو ہدایات دیں کہ:

"لڑکی پر مختلف الزامات لگا کر فلاں پنچائیت سے دو چار روز کے اندر اسے سنگسار کرنے کا فیصلہ حاصل کر لیا جائے۔ پھر ہم اپنی مرضی سے علاقے کے لوگوں کے سامنے اسے سنگسار کروا کر اپنے کتوں سے اس کی لاش کا صفایا کروائیں گے تاکہ سب کو ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے۔"

چند روز کے بعد بڑے شخص کو بتایا گیا کہ لڑکی کے خلاف فیصلہ حاصل کر لیا گیا ہے۔

اس شخص نے ہدایات دیں کہ:

"کل شام کو حویلی میں بہت سے بڑے بڑے لوگ جن کا سیاست اور سرکار سے تعلق ہے۔ مبارک باد دینے آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ بہت سارے باوردی گارڈ اور پولیس والے بھی ہوں گے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس لڑکی کو ان کے سامنے ذلیل کیا جائے گا تاکہ ان کی تفریح طبع کا سامان بھی ہو سکے اور انھیں یہ بھی علم ہو جائے کہ اپنے علاقے میں اپنی حکمرانی کے اندر ہم کسی قسم کی مداخلت قبول نہیں کرتے اور حکمرانوں کو بھی خبر ہو جائے کہ اس علاقے میں اصل اثر و رسوخ کا مالک کون ہے تاکہ کل کو وہ کسی اور کو ہمارے سر پر بٹھانے کی کوشش نہ کریں۔"

بڑے شخص نے ایک پہرے دار کو اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"کل شام تک اسے گولی مارنے کے لیے تم کو تیار رہنا چاہیے اور اس وقت تک اسے زندہ رکھنے کی ذمہ داری بھی تم پر ہے تاکہ اس دوران کوئی اور اسے قتل نہ کر جائے یا یہ خودکشی نہ کر لے۔"

پہرے دار نے سر جھکایا اور بڑے شخص سے کہا:

جناب!

"آپ کے حکم کے مطابق میرا نشانہ خطا نہیں جائے گا۔"

(14)

بیگار کرنے والوں اور بستی کے لوگوں کو یہ علم تھا کہ بڑے شخص نے قتل کروانے کے لیے صرف ایک شخص کو ہی مختص کر رکھا تھا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ قتل ایک ہو یا زیادہ ان کی سزا بہرحال ایک ہی تھی۔ بیگار کرنے والے لڑکی کی بے باکی' قوت ایمان' دلیری اور اعتماد پر بہت زیادہ حیران تھے لیکن اس کے انجام سے ان کا دل ڈول ڈول جاتا تھا۔ انھیں علم تھا کہ بڑا شخص اور اس کے خاندان والے جب کسی شخص کو سزا دینے پر آتے ہیں تو کس طرح اسے تڑپا تڑپا کر مارتے ہیں۔ یہ سوچ سوچ کر ابھی سے ان میں بعض کے ماتھے پر خوف اور بزدلی کی وجہ سے پسینے آ رہے تھے۔ مگر ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے کیے پر پشیمان تھے اور وہ اپنے خوف و ہراس کے احساسات اور بغاوت کے جذبوں کے بیچ حالت کشمکش میں مبتلا تھے۔ اس کشمکش نے ان کے دلوں اور دماغوں میں ایسا ہیجان پیدا کر

دیا جو ان کے ہاتھوں کی مٹھیوں' ہونٹوں اور آنکھوں میں بھی اترنے لگا تھا۔ اس کشمکش میں مردوں سے زیادہ عورتیں مبتلا تھیں۔

اس رات کو کیمپ میں سبھی لوگ جاگتے رہے۔ ایک گھمبیر خاموشی چھائی رہی۔ خوف کی وجہ سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ دور ہی سے لڑکی کو رسیوں سے بندھا ہوا اور کبھی لٹکا ہوا دیکھتے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ لڑکی کو مار مار کر انھوں نے ہی اس حال میں پہنچایا ہے۔ لڑکی جب بے ہوش ہو جاتی تو خونخوار پہرے دار اپنی بندوق کی نالی سے کبھی کبھی اس کا سر اوپر کر کے دیکھ لیتا کہ کہیں اس کا دم تو نہیں نکل گیا۔

ایک شخص نے بیگار کرنے والے اپنے ساتھی سے بڑی آہستہ سے بات کرنے کی کوشش کی۔

"اس لڑکی کو کیا ضرورت تھی ہمیں آزاد کروانے کی۔ ہم تو نسل در نسل ان بڑوں کے غلام و محکوم چلے آ رہے ہیں۔"

دوسرے نے کہا:

"آپ درست کہتے ہیں۔ فرض کرو ہمیں آزاد کر دیا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ تب ہم کیا کریں گے؟ ہمیں یہ تو علم ہی نہیں کہ آزادی اور غلامی میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

ذرا پرے بیٹھی ہوئی ایک عورت نے کہا:

"ہاں پہلے تو علم نہیں تھا لیکن اب پتہ چل گیا ہے۔"

دوسرے شخص نے کہا:

"کیا پتہ چلا ہے؟"

اس عورت نے کہا کہ:

"غلام اور آزاد میں یہ فرق ہے جو ہم میں اور اس لڑکی میں ہے۔"

پہلے شخص نے کہا:

"پھر اس کا حشر بھی دیکھ لو۔"

عورت نے کہا:

"اس کا حشر تو ایک یا چند راتوں کے لیے ہے۔ ہمارا تو باپ دادا سے لے کر آج تک اس سے کہیں زیادہ اور بد ترین حشر ہو رہا ہے۔ اور اس کا یہ حشر بھی ہماری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر ہم اس کا ساتھ دیتے تو آج ہم اپنی مرضی اور اپنی پسند کی زندگی گزارنے کی سوچتے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ ہم میں سے آٹھ دس مرجاتے مگر ہمارے بچے تو اس لڑکی کی طرح بہادر، آزاد اور بے خوف ہو کر جیتے۔"

دوسرے شخص نے کہا:

اے عورت!

"تمہاری بک بک اس لڑکی سے پہلے ہم سب کو قتل کروا دے گی۔ تم عورتوں کی عقل تو ہمیشہ سے ہی ٹخنوں میں رہی ہے۔ جتنی تم نے باتیں کی ہیں ان میں کوئی عقل کی بات نہیں۔"

ایک ذرا دور بیٹھا ہوا آدمی جو بہت کمزور تھا اور یہ گفتگو بھی سن رہا تھا۔ اٹھ کر پاس آگیا اور کہنے لگا:

"ویسے ہم نے اس پر ظلم کیا ہے۔ ہمیں بجائے اسے مارنے کے اس کے پیروں کو چومنا چاہیے تھا۔"

ذرا سوچو کہ:

"بڑے شخص کا بیٹا جو ہر دوسرے دن ہمیں گالیاں دیتا اور درے مارتا چلا جاتا تھا وہ اس لڑکی کے ہاتھوں اتنا ذلیل ہوا ہے کہ کبھی کوئی اور نہ ہوا ہوگا۔ سارے گاؤں والے کہتے تھے کہ اس سے بڑا طاقتور کوئی نہیں مگر لڑکی نے تو اسے ایسا مسلا جیسے کوئی عقاب کسی کبوتر کو مسلتا ہے۔"

ایک اور آدمی کہنے لگا:

"مجھے تو یہ لڑکی اپنی بستی کی نہیں لگتی۔"

کمزور آدمی نے کہا:

"تم بستی کی کہتے ہو۔ یہ ہمارے پورے علاقے ہی سے نہیں لگتی۔"

"خیر ایسی بات بھی نہیں۔ کیمپ سے تو ہم بہت کم نکلتے ہیں اور جائیں بھی تو شام کو پھر واپس اسی میں آجاتے ہیں اس لیے اپنے علاقے کی ہمیں کون سی زیادہ خبر ہے۔ پہلے والے آدمی نے کمزور آدمی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔"

رات آدھی گزر چکی تھی مگر وہ لوگ ابھی تک جاگ رہے تھے۔

اچانک انہوں نے لڑکی کے کراہنے کی آواز سنی۔ جو کہہ رہی تھی۔

"پانی ______ پانی۔"

پہرے دار نے حقارت سے کہا:

"انتظار کرو اور اپنی پیاس بڑھنے دو۔"

اتنے میں باتیں کرنے والی عورت بھاگی ہوئی پانی کا پیالہ لے کر آ گئی۔

پہرے دار نے کہا:

اے عورت!

"تجھے کس نے کہا ہے پانی لانے کو؟" اور ساتھ ہی اسے دھکا دے کر گرا دیا۔

پانی سمیت پیالہ گر کر ٹوٹ گیا۔ پہرے دار نے اسے مزید دھکے دیتے ہوئے واپس جانے کا حکم دیا۔ عورت واپس آ گئی۔ اس قسم کے دھکے سہنے کی وہ عادی ہو چکی تھی۔ لڑکی اگرچہ مضمحل تھی اور پیاس سے بھی نڈھال ہو چکی تھی پھر بھی اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے پہرے دار سے کہا:

"تم واقعی ایسی ماں کے بیٹے ہو جس نے تمہیں عزت کرنا نہیں سکھائی۔" یہ آواز پھر بھی اتنی اونچی تھی کہ دور بیٹھے ہوئے اور ابھی تک جاگنے والے بیگار کرنے والوں نے سنی۔

اس عورت نے ان سب سے کہا:

"دیکھا ایک آزاد اور غلام میں فرق۔ دھکے مجھے ملے اور شرارے اس کی زبان سے برسے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ ہم نے ہی اسے اس حالت میں پہنچا رکھا ہے۔"

پہرے دار نے دانت پیستے ہوئے لڑکی کے منہ پر بندوق کا بٹ مارنے کی کوشش کی مگر ساتھ والے پہرے دار نے کہا:

"اگر یہ مر گئی تو بڑا شخص اسی بندوق سے تمہارا بھیجا نکال دے گا اور اسی گولی سے تمہیں اڑا دے گا جو کل شام کے لیے تم نے اس لڑکی کے لیے سنبھال رکھی ہے۔" خونخوار پہرے دار نے یہ کہتے ہوئے بندوق نیچے کر لی کہ:

"اس کا بدلہ میں کل شام کو ہی لوں گا اور فی الحال تم اپنی پیاس کو بڑھاتی رہو اور پانی مانگتی رہو۔" لڑکی خاموش ہو گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

اس نے اپنے دل میں اللہ کا ذکر اور بڑھا دیا کیوں کہ اسے قرآن کا وہ حکم یاد تھا کہ:

"کہ جب تم تکلیف میں ہو تو اللہ کا ذکر بڑھا دیا کرو۔"

اس نے چشم تصور سے دیکھا کہ جب بلالؓ کو کفار مکہ تپتی ریت پر گھسیٹا کرتے تھے تو ان کی زبان سے تب بھی "احد، احد" کی للکار نکلا کرتی تھی۔ اسے صہیب رومی بھی یاد آئے جو کفار کی اذیتوں کے دوران صرف "اللہ" ہی کا ذکر کیا کرتے تھے۔

پہرے دار حیران تھا کہ لڑکی تمام تر تکلیف کے باوجود بندھی ہوئی رسیوں میں انتہائی اطمینان اور اعتماد سے لگی کھڑی ہے۔

ساتھ والے پہرے دار نے کہا:

"کچھ بھی ہو اس جیسی شیرنی میں نے اپنی تمام عمر میں نہیں دیکھی۔" خونخوار پہرے دار نے کہا:

"فی الحال تمہاری بکواس کی ضرورت نہیں ورنہ میں سیدھا جا کر بڑے شخص کو بتاتا ہوں کہ اس گستاخ لڑکی کو تم کیا کیا بہادرانہ نام دے رہے ہو۔"

دوسرا پہرے دار خوف زدہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ خونخوار پہرے دار انتظار میں تھا کہ لڑکی بڑھتی ہوئی پیاس سے بلکے اور پانی پانی کرے اور وہ اسے تڑپائے۔ مگر لڑکی آنکھیں بند کیے اپنے رسولؐ کے پیروکاروں کو دین اسلام کے لیے تکالیف اٹھاتے اور ثابت قدم رہتے دیکھ رہی تھی۔ صبح تک لڑکی خاموش رہی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو پہرے دار خود نیند سے نڈھال ہو کر گرے پڑے تھے۔ لڑکی کے ہونٹوں پر باوقار اور دلیرانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی اور اسے نئے سے نئے کسی کے الفاظ یاد آنے لگے۔

ضروری ہے کفن پوش رہنا
وطن ہے کوچہ قاتل ہمارا
ہمارے آنسوؤں کو' التجا کو
ترستا رہ گیا قاتل ہمارا

بڑے شخص نے صبح ہی صبح کہلا بھیجا کہ:

اگر لڑکی کو ہوش آ جائے تو اسے کسی نہ کسی طرح شام تک زندہ رکھیں تاکہ علاقے کے لوگوں کو اس کے خلاف ہونے والے فیصلے سے آگاہ کیا جا سکے اور پھر اس کے خلاف ماحول پیدا ہو جانے پر انہی سے مروا دیا جائے۔

پیغام لانے والے پرلے درجے کے بدتمیز آدمی تھے۔ لڑکی کا تمسخر اڑانے کی اگر کوئی کسر باقی رہ گئی تھی تو وہ انہوں نے پوری کر دی۔ لڑکی انتہائی اطمینان اور سکون سے ان کی گالیاں اور آوازیں سنتی رہی۔ اس کے چہرے پر وہی نورانی اعتماد اور پاکیزگی تھی۔

ذرا دور بیٹھا ہوا کمزور آدمی اٹھ کر پاس آ گیا اور بولا:

"آپ اگر واقعی شیر دل ہو تو لڑکی کو رسیوں سے آزاد کر کے یہ آوازیں کسو۔" پاس کھڑے آوازیں کسنے والے شخص نے یہ کہتے ہوئے اسے زور سے تھپڑ رسید کر دیا۔

"چیونٹی بھی ہمیں چیلنج کرنا سکھائے گی۔"

لڑکی نے تھپڑ سے گرے ہوئے نحیف آدمی سے کہا:

"میرے بھائی! اگر میں ان رسیوں کی زنجیروں میں نہ ہوتی تو بھی میں ان کے تمسخر اور گالیوں کا جواب نہ دیتی۔ اس لیے کہ یہ بدقسمت اور مجبور لوگ ہیں۔ ان کی رسائی زندگی کے بہترین آداب تک نہیں ہونے دی گئی۔

بڑے شخص کے گھرانے نے تو ان سے ان پاکیزہ مسرتوں کو چھین لیا ہوا ہے جو حسین اخلاق اور محبت و حیاء سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی معزز ماؤں نے اپنے آنچلوں میں انہیں چھپا کر اس لیے اپنی چھاتیوں کا دودھ دیا ہو۔ تاکہ یہ سیکھ جائیں کہ جوان ہو ہو کر عورتوں کو بے عزت نہ کرنا اور ان کے آنچل نہ کھینچنا تاکہ وہ کہیں بے پردہ نہ ہو جائیں اور اگر انہیں بے عزت و بے پردہ کر دیا گیا تو پھر آخرکار پوری نسل انسانی بے پردہ و بے آبرو ہو جائے گی۔ مگر یہ تو احسان فراموش لوگ ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو چند نوالوں یا چند مادی خواہشوں کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ وہ ماں کی ممتا کا بدلہ دوسروں کو بے پردہ و رسوا کر کے ہی دیتے ہیں۔"

نحیف آدمی کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا:

"کاش ہم نے اس لڑکی کو زنجیروں میں جکڑ کر ان درندوں کے سامنے نہ پھینک دیا ہوتا۔"

تھپڑ مارنے والا شخص پھر آگے بڑھا اور نحیف آدمی کو گردن سے پکڑ کر دھکا دیتے ہوئے کہا:

"بند کرو رونا ورنہ ساری عمر کے لیے تیری آنکھیں بند کر دوں گا۔" اتنے میں ایک شخص نے کھانا لا کر لڑکی کے آگے ڈال دیا مگر پہرے دار لڑکی کے ہی خوف سے اس کے ہاتھ کھولنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے سامنے بیٹھی ہوئی عورت کو بلایا کہ اسے کھانا کھلاؤ۔

لڑکی نے کہا:

"آپ میرے ہاتھ کھول دیں۔ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ کھانے کے بعد

میں اپنے آپ کو واپس انہی زنجیروں کے حوالے کر دوں گی۔" خونخوار پہرے دار نے چند لمحے لڑکی کی جانب غور سے دیکھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھ کر اس کی زنجیریں کھول دیں۔ لڑکی نے بڑے سکون سے اپنے آپ کو نئے سرے سے تیار کیا اور کھانے کے لیے لقمہ اٹھایا۔ یہ کھانا ایک بہت پرانی سی اخبار کے کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔ جس پر لکھا تھا۔

خبر نہیں کہ بلا خانہ سلاسل میں
تیری حیات ستم آشنا پہ کیا گزری؟
خبر نہیں کہ نگار سحر کی حسرت میں
تمام رات چراغ وفا پہ کیا گزری؟

لڑکی یہ کھوج نہ لگا سکی کہ اس اجنبی دیس میں اس کے لیے کون دعا گو ہو سکتا ہے۔ لے دے کر اس کی نگاہ گورکن یا اس کی بیوی کی جانب اٹھتی تھی مگر وہ تو علم کی دنیا سے بالکل ناآشنا تھے اور وہ بذات خود پچھلے دنوں سے بڑے شخص کے ظلم کا نشانہ بنے کسی اندھیری کوٹھری میں تڑپ رہے تھے۔ اس کے کھانے کے دوران ہی بڑے شخص کا بیٹا آدمیوں کو لے کر آگیا جو کہ خود بھی ابھی تک زخمی تھا۔

اس نے آتے ہی برسنا شروع کر دیا کہ:

"لڑکی کی زنجیریں کس نے کھولی ہیں۔"

پاس ہی کھڑے پہرے دار کو اس نے کہا کہ:

"خونخوار پہرے دار کو انتہائی ظالمانہ انداز میں مارو۔"

وہ مار کھانے والا پہرے دار کہتا جا رہا تھا:

جناب!

"بڑے صاحب کا حکم ہے کہ اسے شام تک زندہ رکھنا ہے تاکہ سب کے سامنے اسے گولی ماری جا سکے۔"

لڑکی بڑے اطمینان سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور کھانا کھا رہی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے وعدے کے مطابق خود ہی رسیاں اور زنجیریں پہن لیں۔ پاس کھڑے آدمی نے بھاگ کر زنجیروں کی کڑیاں باندھ دیں۔ لڑکی نے بڑے شخص کے بیٹے کو پاس بلایا مگر وہ ابھی تک خوفزدہ تھا۔ ہاتھ میں درا ہونے کے باوجود وہ لڑکی کے قریب نہ آرہا تھا۔ بہرحال وہ آدمیوں کو لے کر لڑکی سے ذرا ہٹ کر درے کو ہوا میں لہراتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

لڑکی نے کہا:

سنو!

"اس شخص پر اتنا ظلم نہ کرو۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ کھانے کے بعد میں خود ہی زنجیریں پہن لوں گی۔ سو میں آپ کے سامنے ہوں۔ مجھے علم نہیں کہ آپ کس مذہب کے پیروکار ہیں مگر جس دین کو میں سینے سے لگائے ابھی تک زندہ ہوں۔ اس نے میرے قلب و روح سے موت کا خوف ختم کر دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر میں چاہتی تو تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو اس وقت بھی اس ایک طرف پڑی ہوئی پہرے دار کی بندوق سے موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی مگر میں اپنی زندگی کے بدلے میں اس شخص کو جس کے ساتھ میں نے ازخود زنجیریں پہن لینے کا وعدہ کیا تھا تمہارے گھرانے کے ہاتھوں قتل ہونے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی تھی۔" خونخوار پہرے دار کے جسم میں عجیب سی جھرجھری بھر گئی۔ وہ حیران تھا کہ وہی لڑکی جو آج

شام کو میری ہی گولی کا نشانہ بننے والی ہے کتنی بے باکی سے زندہ ہے۔

بڑے شخص کے بیٹے نے لڑکی کے منہ پر درے مارتے ہوئے کہا:

"ہم تمہیں اس قابل ہی نہیں رہنے دیں گے کہ تم زبان درازی کر سکو۔"

وہ بندھی ہوئی لڑکی کو مارتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا:

"ابھی میں پہلے والا حساب چکا رہا ہوں۔" خونخوار پہرے دار سے رہا نہ گیا۔ اس نے بڑھ کر بڑے شخص کے بیٹے سے یہ کہتے ہوئے درا چھین لیا کہ:

بس صاحب!

"یہ لڑکی اس علاقے کے تمام لوگوں سے زیادہ باعزت ہے۔ اب اس پر کوئی بھی اور کسی کا بھی ہاتھ اٹھا تو اسے سلامت نہیں رہنے دیا جائے گا۔"

بڑے شخص کا بیٹا آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے دو سرے آدمیوں سے کہا:

"اسے خاموش کر دو۔"

کچھ دیر تک اس پہرے دار اور دو سرے آدمیوں میں بڑے زور کی ہاتھا پائی ہوتی رہی۔ آخر جب اس پر قابو نہ پایا جا سکا تو بڑے شخص کے بیٹے نے اسے گولی مار کر وہیں ڈھیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن گولی دو سرے پہرے دار کو جا لگی جو جانبر نہ ہو سکا اور تھوڑی ہی دیر بعد مر گیا۔ بڑے شخص کا بیٹا دو سرے چند پہرے داروں کو لڑکی کی نگرانی کرنے کا حکم دے کر چلا گیا۔

(15)

عبدالودود کے دونوں لڑکے اپنے تیسرے ساتھی کے ساتھ پاکستان کے ایک ہمسایہ ملک بھارت میں آ گئے۔ وہاں وہ اس ملک کی خفیہ ایجنسی کے ایک ایسے اہلکار سے ملے جو بہت دیر سے پاکستان کے خلاف دہشت گردوں کو تربیت دینے پر مامور تھا۔ اسی وجہ سے اس کو پاکستان کے بعض معاملات' شخصیتوں اور جگہوں کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔ یہ ملاقات بھی اصل میں ان کے تیسرے ساتھی کے ایماء پر ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں بھائی اس اہلکار کے پس منظر کے بارے میں بے خبر ہی رہے۔

تیسرے ساتھی نے اہلکار کو بڑے رازدارانہ طریقے سے آگاہ کر دیا کہ:

"ساتھ والے دونوں بھائی ہیں اور ان کی ہمدردیاں پاکستان اور مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ جو کوئی بھی منصوبہ بندی ہو اس کی اصل ان دونوں بھائیوں سے مخفی رہے۔" اس نے اہلکار کو اپنے پورے منصوبے اور

پروگرام کے متعلق معلومات فراہم کیں اور ساتھ ہی اپنے اہم مقاصد سے بھی آگاہ کر دیا کہ اصل کام اس گمشدہ اسرائیلی لڑکی کی تلاش ہے جس کے لیے اہلکار کی خفیہ ایجنسی کی مدد درکار ہے۔

اہلکار نے تیسرے ساتھی کو بتایا کہ:

"اگر لڑکی پاکستان میں ہوئی تو وہ اپنے ذرائع سے ضرور اس کی خبر پالے گا۔ البتہ اس کے کوائف اور تصویر کا ہونا ضروری ہے تاکہ پاکستان میں موجود اس کے ساتھی ایجنٹوں کو اس کے بارے میں مستند معلومات فراہم کی جائیں"۔

اہلکار نے شبہ ظاہر کیا کہ اگر وہ مسلمان ہو چکی ہے اور اس نے پاکستان کا ہی رخ کیا ہے تو وہ کسی مذہبی تنظیم کے لوگوں سے ملنے کی کوشش کرے گی۔ اور وہ مذہبی تنظیم اسے ممبر بنا کر آہستہ آہستہ اسرائیل کے بارے میں بہت سے راز حاصل کر کے عربوں کی بعض مذہبی تنظیموں کو فراہم کر دے گی۔

یہ اہلکار بہت زیادہ سمجھا ہوا اور تجربہ کار تھا۔ تیسرے ساتھی نے اس اہلکار پر یہ بھی واضح کر دیا کہ دونوں بھائیوں کو یہ علم نہ ہو سکے کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے۔

کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے تیسرے ساتھی کو بتایا کہ:

"تاحال اس نے پاکستان میں چند مذہبی تنظیموں کے اندر ہر طرح کا کھوج لگوانے کی کوشش کی ہے مگر ہماری معلومات کے مطابق ان میں ابھی تک ایسی کوئی لڑکی داخل نہیں ہوئی۔" تیسرے ساتھی نے اہلکار سے استدعا کی کہ اسے اس سلسلے میں مزید معلومات درکار ہیں یعنی:

- پاکستان کی مذہبی تنظیموں کا ڈھانچہ
- ان کا مذہبی کلچر
- ان کے سربراہوں اور ممبران کا دین کے بارے میں علمی معیار
- ان کا عصر حاضر کے علوم کے بارے میں نقطہ نظر اور ان علوم پر دسترس کا معیار

اسرائیل کی خفیہ ایجنسی کی ہدایات کے مطابق تیسرا ساتھی خاص کر یہ جاننے کی کوشش میں تھا کہ پاکستان کی مذہبی تنظیموں کے وہ خاص عقائد اور نظریات کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اسرائیل کو فراہم کر دے، تاکہ وہ اپنی حکمت عملی سے آیندہ ان کا کبھی بھی اتحاد نہ ہونے دے۔

اہلکار نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اس کی ضروریات کی تمام معلومات فراہم کر دے گا۔ اس نے تیسرے ساتھی کو یہ بھی بتایا کہ بنیادی طور پر اس کے ذمے پاکستان کی سیاست پر نگاہ رکھنا ہے مگر وہ اس کی ملاقات اپنی خفیہ ایجنسی کے ایسے اہلکار سے کروائے گا جس کو پاکستان کی مذہبی تنظیموں کے بارے میں ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

چند روز اس ملک میں رہنے کے بعد دونوں بھائیوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔

بڑے نوجوان نے کہا:

"جس ملک میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس میں لڑکی کا کھوج لگانا ناممکن ہے کیوں کہ ہمارے پاس بے حساب ذرائع نہیں ہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے تو ہم بالکل بے ذرائع ہیں اور دوسرے یہ کہ ہماری تنظیم کا ڈھانچہ اتنا وسیع نہیں

ہے کہ ہم اپنی پسند کے مقاصد حاصل کر سکیں۔"

تیسرے ساتھی نے کہا:

"میں نے جس شخص سے یہاں رابطہ قائم کیا ہے۔ وہ بہت اثر و رسوخ کا مالک ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مزید چند یوم تک کچھ نہ کچھ خبر ہمیں لا دے گا۔

بڑا نوجوان اور شاکی ہو گیا اور بولا:

"اتنے اثر و رسوخ والا شخص عام آدمی نہیں ہو سکتا اور میرے لیے یہ بھی باعث حیرانی ہے کہ آپ نے اتنی جلدی کیسے اس قسم کے آدمی کو تلاش کر لیا۔" تیسرا ساتھی اس قسم کے سوال کے لیے پہلے سے تیار تھا۔

اس نے بڑے اعتماد سے کہا:

"ہمیں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے عام آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ آپ خود سوچیں کہ مشرق وسطی کے ایک چھوٹے سے طاقتور ملک کے خلاف تنظیم بنا کر اور اس کی ایک تربیت یافتہ لڑکی کو اغوا کر کے کیا ہم خود بھی عام آدمی رہ گئے ہیں۔ اور آپ کو شاید علم نہیں کہ میں آپ کی تنظیم سے زیادہ آپ کی شخصیت سے متاثر ہوا تھا کیوں کہ آپ نے اس لڑکی کو اغوا کر کے مجھے آج تک حیران کر رکھا ہے۔"

تیسرے ساتھی کی ایسی گفتگو سن کر بڑے نوجوان نے اپنے سوال پر زیادہ زور نہیں دیا۔ پھر بھی اس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا:

"یہاں کسی کو کیا پڑی ہے کہ اسرائیل کی گم شدہ لڑکی کو تلاش کرے اور پھر اسے ہمارے حوالے کر کے اس کی دشمنی مول لے۔ البتہ اتنا کافی ہے کہ ہم منصوبے اور پروگرام کے مطابق کچھ عرصے تک سرزمین عرب سے دور

رہیں تاکہ اسرائیل کے خفیہ ادارے ہماری تلاش سے مایوس ہو کر ہمیں گرفتار کرنے کا ارادہ ترک کر دیں۔"

تیسرے ساتھی نے بڑے نوجوان کی اس بات کو آگے بڑھایا اور کچھ مزید دلائل دے کر اسے قائل کر لیا کہ:

"تاحال کچھ اور دن اس ملک میں رہنا زیادہ سودمند ثابت ہو گا۔"

تیسرے ساتھی کو ایک روز اسی ہوسٹس نے آ کر بتایا:

"ابھی تک اس لڑکی کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ کسی طرح پاکستان کے کسی ادارے کو اسی لڑکی کے خلاف معلومات فراہم کر کے مدد لی جا سکتی ہے اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس ادارے تک کوائف یوں پہنچائے جائیں کہ اسرائیل کی خفیہ ایجنسی کی ایک ممبر لڑکی پاکستان میں داخل ہو چکی ہے۔ صرف اس ایک بات سے وہاں کے بہت سے ادارے حرکت میں آ جائیں گے اور یوں وہ لڑکی پورے پاکستان میں کہیں پناہ نہیں لے سکے گی اور اس کی جانب سے تمام تر حقائق پیش کرنے کے باوجود کوئی بھی یہ یقین نہیں کرے گا کہ وہ مسلمان ہو چکی ہے۔" اس نے ایئر ہوسٹس کی اس بات سے اتفاق نہ کیا مگر اس سے اسرائیل سے آئی ہوئی مزید ہدایات وصول کیں۔ انہی ہدایات کے مطابق تیسرے ساتھی کو پاکستان کی مذہبی تنظیموں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے مشن کے لیے اسرائیل سے وافر فنڈ مہیا کیے گئے تھے۔ اسے یہ خوشخبری بھی دی گئی کہ اگر اس کی تحقیق اور معلومات مستند اور کارآمد ثابت ہوئیں تو وہ بہت جلد مزید اچھی پوزیشن کی امید کر سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ دونوں بھائیوں کا ساتھ بہت ضروری ہے کیوں کہ ان کے ذریعے وہ کسی بھی مسلم ملک میں اور خاص کر پاکستان میں

کسی بھی مذہبی تنظیم تک رسائی حاصل کرکے اس کے کافی اندر تک جھانک سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کی ہر جگہ حفاظت بھی کرتا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ زندہ رہیں اور لڑکی کی تلاش کو بہانہ بناکر مسلم ممالک میں ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مقاصد حاصل کریں۔

چند روز کے بعد بھارت کے اسی اہلکار نے تیسرے ساتھی کی ملاقات ایک ایسے ساتھی اہلکار سے کروائی جسے صرف پاکستان کی مذہبی تنظیموں پر نظر رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ وہ اہلکار بہت سی مستند معلومات لے کر آیا جس کے عوض اس نے تیسرے ساتھی سے بہتر معاوضہ حاصل کرلیا۔ اسی سلسلے میں ان کی آپس میں ملاقاتیں ہوتی رہیں اور یوں اس نے اپنی تحقیقی رپورٹ مکمل کرکے ہوسٹس کے حوالے کی تاکہ وہ آیندہ واپسی پر اس کو بذات خود اسرائیل لے جاکر متعلقہ خفیہ ادارے کے سپرد کردے۔ رپورٹ کے ساتھ اس نے ایک لفافہ دیا جس میں درج تھا کہ اس کی تحقیق ابھی جاری ہے تاہم مندرجہ ذیل نکات اہم ہیں جنہیں حاصل تحقیق سمجھا جائے:

☆ پاکستان میں متعدد مذہبی تنظیمیں ہیں۔ جو اپنے اپنے مقاصد اور نظریات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

☆ دو بڑے فرقے یعنی سنی اور شیعہ عقائد کی بنیاد پر قائم تنظیمیں آپس میں تاریخی بیر رکھتی ہیں۔ چند بنیادی عقائد اور نظریات چھوڑ کر دونوں فرقوں کا پورے کا پورا مذہبی ڈھانچہ اور مذہبی کلچر ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہو چکا ہے۔

☆ پاکستان کی مذہبی تنظیموں سے منسلک لوگوں کی اکثریت نے وراثت

میں اپنا اپنا فرقہ حاصل کیا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ان کا اپنا مسلک یا عقائد ان کی اپنی الہامی کتاب (قرآن حکیم) یا عقل و دانش کی بنیاد پر کس حد تک پورے اترتے ہیں۔

☆ اکثر مذہبی تنظیمیں ایک دوسرے کے خلاف تعصب، حسد، عناد اور بغض کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔

☆ زیادہ تر مذہبی فرقہ باز تنظیموں نے اپنی اپنی مزید ذیلی تنظیمیں بھی قائم کر رکھی ہیں۔

☆ ان کا زیادہ تر مذہبی لٹریچر جس کی بنیاد پر وہ اپنے اپنے فرقے کی پرورش کرتے ہیں، قرآن یا مستند احادیث پر مبنی نہیں بلکہ مبالغہ جات، شاعری، روایات، کہاوتیں اور غیر مستند حوالہ جات پر مبنی ہوتا ہے۔

☆ فرقوں سے منسلک زیادہ تر لوگ اپنے بچوں میں اوائل عمر ہی سے مذہبی تعصب بھر دیتے ہیں اور یوں ان میں غیر جانبدارانہ تحقیق کا رجحان ختم کرکے رکھ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مذہبی نفرت جوان ہوتے ہوتے ان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔

☆ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت بغیر سمجھے اور غور کیے قرآن پڑھنے کی عادی ہے اور اسی کو ثواب سمجھتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کے مسلمان کسی بھی فرقہ باز کے بے معنی نظریات اور دلائل کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ ان کو پرکھ سکیں۔ یہاں تک کہ اس ملک کی اکثریت کو یہ علم نہیں کہ وہ

کیوں مسلمان ہیں اور قرآن میں کیا کیا لکھا ہوا ہے؟ یہ لوگ بہت جلد اپنے اپنے فرقے کے نام پر ورغلائے جا سکتے ہیں اور جذباتی کیے جا سکتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے کو مارنے مرنے پر تیار رہتے ہیں۔

اس نے اپنی تحقیق کے آخر میں لکھا کہ:

"تمام حالات اور ان مذہبی تنظیموں کے طریق کار ہمارے لیے نہایت موزوں ہیں کیوں کہ ان سے فائدہ اٹھاکر انہیں کسی نہ کسی طریقے سے آپس میں دست و گریبان رکھا جاسکتا ہے۔ ہمارا کام یہ ہونا چاہیے کہ ان میں فرقہ بازی کو زیادہ سے زیادہ رائج کریں اور شیعہ و سنی فرقوں کو کسی طور پر بھی ایک دوسرے کے قریب نہ آنے دیں۔ ہمیں ایسے لوگ تلاش کرنے چاہئیں جو اپنے اپنے فرقے کے لیے زیادہ سے زیادہ مبالغہ آمیز دلائل تیار کرکے پیروکاروں کو ہمیشہ جذباتی کر رکھیں تاکہ وہ کبھی حقیقت جان ہی نہ سکیں اور ایک دوسرے سے سخت نفرت کرتے رہیں۔ میری تحقیق کے مطابق اگر یہ دونوں بڑے فرقے کسی وقت ایک ہو گئے تو عالم اسلام ناقابل شکست ہو جائے گا۔"

اس نے مزید لکھا کہ:

"ہمارا نشانہ (یعنی اسرائیلی خفیہ اداروں کا) خاص کر یہی دونوں فرقوں کے پیروکار ہونے چاہئیں اور انہیں مسلسل حالت جنگ میں رکھنا چاہیے جو کہ نہایت آسان ہے۔ کیوں کہ دونوں کے اختلافات کی بنیادی وجوہات سیاسی ہیں جنہیں تقریباً" چودہ سو سال کے عرصے میں خالصتاً" مذہبی بنا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اب حالات یہاں تک آ چکے ہیں کہ دونوں فرقوں کے

لوگ ایک دوسرے کو قطعی طور پر برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی ایک فرقے کا فرد مارا جاتا ہے تو لازماً" دوسرے فرقے والوں کو مورد الزام ٹھہرا لیا جاتا ہے اور یوں جوابی کاروائی چلتی رہتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے بنیادی سیاسی اختلافات کی اساس پر ایک ایسا مذہبی ڈھانچہ تعمیر کر لیا ہے جس نے اصل اسلامی نظام زندگی کو جو کہ ان کے نبیؐ نے متشکل کیا تھا وہ او جھل ہو کے رہ گیا ہے۔

تیسرے ساتھی نے اپنی تحقیقی رپورٹ کے خلاصے میں یہ بھی لکھا کہ:۔

"اسے جو مستند معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت نام لینے کی خاطر اپنے نبیؐ کا بہت نام لیتی ہے مگر ان میں سے ہر فرقے کے پیروکار نے اپنے اپنے مذہبی راہنما چن رکھے ہیں۔ جنہیں وہ انتہائی مقدس گردانتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں روحانی طور پر انہی سے مدد اور راہنمائی مانگتے ہیں۔ ان مذہبی شخصیتوں کے ساتھ انہوں نے بہت سے دیومالائی طرز کی داستانیں منسلک کر رکھی ہیں۔ ان کے لیے ان کے عقیدت مند شعراء نے شاعرانہ لفاظی کرکے بہت لمبا چوڑا کلام لکھ ڈالا ہوا ہے۔ جسے بعض کٹر عقیدے والے مقدس گردان کر اپنے فرقے کا آئین و قوانین سمجھتے رہتے ہیں۔ ان داستانوں اور کہاوتوں کو بعد کی نسلیں جو ان فرقوں کی پیروکار ہیں، سچ مانتی ہیں۔ اب آنے والی ہر نسل وراثت میں انہی مذہبی ہستیوں کی تقدیس حاصل کرتی ہے اور انہی پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھتی ہے۔ یہ عقائد اتنے پختہ ہوتے ہیں کہ ان پر ان سے بحث و تمحیص کرنا موت کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد کو عقل و دانش کے کسی معیار پر پرکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہر فرقہ اور ہر

عقیدے والا اپنے فرقے یا اپنے عقیدے کو ہی درست جانتا اور مانتا ہے اور دیگر عقائد اور فرقوں کو باطل گردانتا ہے۔ یہاں کی ہر حکومت مذہبی سرکردہ لوگوں سے نالاں مگر خوف زدہ رہتی ہے اور اسی وجہ سے انہیں کسی نہ کسی طور نوازنے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔"

اس نے پاکستان کی مذہبی درسگاہوں کے بارے میں علیحدہ سے تفصیلات لکھیں۔ جنہیں تحقیقی رپورٹ کے آخر میں منسلک کر دیا گیا۔ ان کا خلاصہ بھی اس نے چند نکات میں یوں لکھا کہ :-

"پاکستان کی بیشتر مذہبی درسگاہیں جدید علوم سے نا آشنا ہیں اور وہ ان علوم کی تعلیم کو ضروری اور نہ ہی بہتر تصور کرتی ہیں۔ ان درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے عام طور پر ان لوگوں کے بچے ہوتے ہیں جو یا تو خود انتہائی کٹر ہوتے ہیں یا کثرت اولاد کی وجہ سے ان کی بہتر تعلیم کا بوجھ نہ اٹھا سکنے کی وجہ سے انہیں ایسی درسگاہوں میں بھیج دیتے ہیں۔ تمام تر تعلیمی عرصے کے دوران ان بچوں کو نہایت محدود مذہبی شدھ بدھ حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کے اساتذہ بھی واجبی سی شدھ بدھ کے مالک ہوتے ہیں۔ چنانچہ بڑے ہو کر وہی طلباء اتنے سے علم و دانش کی بنیاد پر مذہبی فیصلے' مذہبی فتوے اور پند و وعظ کرتے ہیں۔

اس نے یہ بھی لکھا کہ :-

"دوران تعلیم اکثر مذہبی درسگاہوں میں چونکہ بہت زیادہ جبر اور سختی کی جاتی ہے جو نفسیاتی طور پر ان کے لاشعور میں چلی جاتی ہے اور رد عمل کے طور پر وہ کٹر' متعصب' جوشیلے اور غصیلے بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے مخالفین کو نظریاتی طور پر برداشت کرنے یا کسی بھی قسم کی رعایتیں دینے کے حق میں

نہیں ہوتے۔ اس رد عمل کا اظہار ان کی تحریروں' تقریروں اور معاشرتی تعلقات میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔"

اپنے نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے اسرائیلی حکومت کو بعض اہم تجاویز لکھیں جن میں سے کچھ یوں تھیں :

- تحقیقی رپورٹ میں درج کیے گئے حالات بظاہر قابل توجہ نہیں مگر اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں۔ کیوں کہ یہ پاکستان کی قومی زندگی کو خاص قسم کی شکل دیئے ہوئے ہیں۔
- ہمارے لیے (یعنی اسرائیلی فیصلہ سازوں کے لیے) یہ ضروری ہے کہ موجودہ حالات کو کسی صورت نہ بدلنے دیں۔
- جدید دور میں غیر منطقی عقائد اور فرقے دم توڑ چکے ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہاں کے مسلمان اپنے دین کی روح سے بہت دور جا چکے ہیں اور اسی وجہ سے اپنے اپنے فرقے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہمیں صرف ان کے عقائد اور طریقوں کی کسی نہ کسی طرح سے پذیرائی کروانا ہوگی۔ تاکہ وہ مزید فرقہ پرست ہو جائیں۔

اسی سلسلے میں ایک آسانی کی بات یہ ہے کہ :-

"یہاں کے لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں مگر انہیں علم نہیں ہوتا کہ ان کا امام کیا کہہ رہا ہے؟ یہاں تک کہ جب ان کا رمضان کا مہینہ آتا ہے تو اس میں بھی کئی کئی راتیں کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے رہتے ہیں مگر سننے والوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ سنانے والا کیا سنا رہا ہے اور قرآن میں کیا لکھا ہوا ہے؟ چنانچہ یہ طریقہ ہمارے لیے بہت موزوں ہے۔ کیوں کہ یہ لوگ جتنا اپنی مذہبی کتاب سے بے خبر اور دور رہیں گے اتنا ہی جہالت کی طرف جائیں

گے۔ اسی لیے ہمیں ایسے لوگوں کو تلاش کرکے آگے بڑھانا چاہیے جو قرآن کو بغیر سوچے سمجھے پڑھے جانے کو ہی عبادت عظیم قرار دیتے ہوں۔"

ابھی تک اس کی یہ تمام تحقیقات اس اہلکار کی معلومات پر مبنی تھیں۔ وہ پاکستان میں قیام کرکے اپنی ان تمام معلومات کو پرکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے دونوں بھائیوں کے ساتھ لڑکی کی تلاش کا منصوبہ آگے بڑھاتے ہوئے پاکستان جانے کا پروگرام مکمل کرلیا۔ بڑے نوجوان نے پاکستان میں اپنے کسی جاننے والے سے رابطہ قائم کیا تاکہ کوئی ٹھہرنے کا بندوبست ہوسکے۔ اس نے انھیں 16 اکتوبر کو آنے کے لیے کہا تاکہ وہ انھیں بہتر قیام کروا سکے۔

(16)

بدلتے موسم کی یہ ایک بہت افسردہ شام تھی۔ علاقے میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ بڑا شخص ایک لڑکی کو بہت بری موت سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ کیوں کہ اس پر پنچایت میں متعدد الزامات ثابت کروا دیئے گئے ہیں اور جو فیصلہ حاصل کیا گیا ہے اسے علاقے کی روایات کے مطابق نافذ کیا جائے گا۔ جن الزامات کے بدلے میں اسے سزا دی جانی تھی وہ کچھ یوں تھے:۔

☆ لڑکی نے بڑے شخص کے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا ہے اور اسے بری طرح زخمی کردیا ہے۔

☆ لڑکی نے بڑے شخص کی فرماں برداری کرنے والے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا ہے۔

☆ لڑکی نے بڑے شخص اور گاؤں والوں کے ایک خطرناک دشمن کو

ان کی حراست سے فرار کروایا ہے۔ جس کے ساتھ اس پر پہرے
دار نگران لاپتہ ہے اور اندیشہ ہے کہ لڑکی نے اسے قتل کروا دیا
ہے۔

☆ لڑکی نے بڑے شخص کی بڑائی ماننے اور اس کی فرماں برداری
کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

☆ لڑکی کی سرتابی' بغاوت اور نافرمانی کی وجہ سے بڑے شخص کے
لیے مزدوری کرنے والوں میں سے ایک نگران پہرے دار مارا گیا۔
جس کی ذمہ دار لڑکی ہے۔

جو فیصلہ پنچایتی عدالت نے سنایا' وہ یوں تھا:-

"مندرجہ بالا الزامات درست ثابت ہو چکے ہیں یعنی لڑکی قاتل اور باغی ہے۔
جس کی پاداش میں اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔"

علاقے کے لوگ جانتے تھے کہ الزامات غلط ہیں اور فیصلہ ناجائز
ہے۔مگر خوف کے مارے وہ خاموش رہے اور لڑکی کے خلاف گواہی دیتے
رہے۔ یہ محض اتفاق نہ تھا کہ اسی شام کو ایک بڑے جشن کا اہتمام بھی کر
لیا گیا تھا۔ یہ جشن بھی بڑے شخص کی بہت بڑی حویلی میں ہی منعقد ہونا تھا
اور پروگرام کے مطابق اس کی وزارت یا مشاورتی خوشی میں بہت سے
بڑے بڑے لوگوں کی شمولیت بھی متوقع تھی۔

علاقے کے لوگ دوپہر ہی سے حویلی کے پاس مختص کی گئی ایک
جگہ پر پہنچنا شروع ہو چکے تھے۔ بڑی بڑی روشنیوں کا بھی اہتمام تھا۔ شام
ڈھلتے ہی بڑا شخص اپنے تمام مہمانوں اور ان کے لاؤ لشکر سمیت اس لان
میں سجائی گئی اونچی جگہ پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے پہلے سے ہی اپنے

مہمانوں کو اس لڑکی پر الزامات اور اس کے خلاف صادر کیے گئے فیصلے سے
آگاہ کر دیا ہوا تھا۔ اس نے انہیں یہ بھی بتلا دیا ہوا تھا کہ بستی کے لوگ
کس طرح سے ایسے مجرم کو سزا دینا پسند کرتے ہیں۔ اس علاقے کے دیگر
بڑے بڑے اس جیسے اشخاص نہ صرف اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے تھے
بلکہ بعض تو دو ہاتھ بڑھ کر اپنا طیش دکھا رہے تھے اور دلائل پر دلائل دیتے
ہوئے کہہ رہے تھے کہ:

"اپنے علاقے میں تو وہ اس طرح کے نجس لوگوں کو ایک لمحے بھی جینے کی
مہلت نہیں دیتے۔ کیوں کہ اگر اس جیسی کسی عورت کو رعایت دے دی
جائے تو کل کلاں کو اور لوگ بھی شہہ پا کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور یوں
ہمارے آباؤ اجداد کا قائم کیا ہوا یہاں کا معاشرتی نظام تباہ ہو کر رہ جائے
گا۔"

وہ لوگ بڑے شخص کو یہ کہتے ہوئے اور بھی اشتعال دلا رہے تھے:

"یہ کس طرح ممکن ہوا کہ کسی شخص کو آپ اپنی گرفت میں لیں اور اس
جیسی دو کوڑی کی لڑکی اسے فرار کروانے کی ہمت کرے اور پھر کوئی بھی
اس کی حمایت کرنے کی جرات کرے؟"

ان کا کہنا تھا:

"ایسا واقعہ اگر ان کی بستی میں رونما ہوتا تو وہ پورے کے پورے گھرانے کو
اب تک جلا چکے ہوتے۔"

انہوں نے بڑے شخص کو اس طرح کی متعدد مثالیں یاد دلاتے ہوئے بتایا:

"فلاں عورت جو فلاں علاقے کی تھی' اسے وہاں کے بڑے شخص کے
آدمیوں نے برہنہ کر کے اور اس کا منہ کالا کر کے ساری بستی میں گھسیٹا

تھا۔"

انہوں نے اس واقعے کا یہ کہتے ہوئے مزید تمسخر اڑایا اور بتلایا کہ:

"اگلے روز ملک کے بڑے بڑے اخباروں نے شہہ سرخیوں کے ساتھ اس واقعہ کو اچھالا تھا۔ مگر آج تک کسی سرکاری ادارے کی ہمت نہیں پڑی کہ وہاں کے بڑے شخص کی جانب ہاتھ بڑھائے۔ اور تب سے آج تک اس شخص اور اس کے گھرانے کو پورا سکون و اطمینان ہے۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق وہاں حکمرانی کر رہا ہے اور بھاری ووٹوں سے الیکشن بھی جیت رہا ہے۔"

انہوں نے یہ انداز اختیار کرنے پر بھی بڑے شخص کی تائید و تعریف کی اور کہتے رہے کہ:

"اتنے سارے مہمانوں کے سامنے جب لڑکی کو گھسیٹا جائے گا اور مارا جائے گا تو ان میں وہ لوگ جو آیندہ ہم جیسے اشخاص سے دشمنی مول لینا چاہتے ہیں یا اپنی کسی اتھارٹی کے رعب میں ہم جیسوں پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو انہیں بھی کان ہو جائیں گے کہ کل کلاں کو گھیر گھار کر ان کا بھی ایسا ہی حشر کر دیا جائے گا۔"

بڑا شخص دیگر علاقوں کے بڑے اشخاص سے بار بار اپنی تعریف سن کر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ بڑا عہدہ ملنے پر اسے پولیس گارڈ بھی مل چکی تھی اور بہت سے چاپلوسی کرنے والے بڑھ بڑھ کر لڑکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سفارش کر رہے تھے۔

جب سب لوگ بیٹھ گئے تو بڑے شخص کے بیٹے نے حکم دیا کہ:

"اس بدزبان اور مجرم لڑکی کو لے آؤ۔"

اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ:

"ہم نے آج تک اس لڑکی کی سزا کو صرف اپنے مہمانوں کی تفریح طبع کے لیے روک رکھا تھا۔"

بڑے شخص کے سدھائے ہوئے غنڈے لڑکی کو زنجیروں اور رسیوں میں جکڑ کر مارتے گھسیٹتے ہوئے لے آئے اور لڑکی کو دھکے دیتے ہوئے سامنے بنائے گئے ایک ستون کے ساتھ باندھ کر کھڑا کر دیا گیا۔

لگتا تھا کہ لڑکی نے اب بھی اپنی پھٹی ہوئی خون آلود چادر سے اپنا آدھا چہرہ ڈھانپنے کی کوشش کی ہوگی۔

ایک بڑے چاپلوس نے کہا:

"اس کے چہرے سے پردہ تو ہٹاؤ تاکہ پتہ چلے کہ یہ کیسی ہے؟"

ایک عہدے دار نے آگے بڑھ کر زور سے پردہ نوچنے کی کوشش کی مگر وہ اترنے کی بجائے پھٹ گیا۔

بڑے شخص نے کہا:

"ہمارے کتے خود ہی یہ پردہ اتار لیں گے۔"

مہمانوں میں سے کچھ چاپلوسوں نے کہا:

"ہم لڑکی کی موت سے پہلے اس پر طاری خوف اور گھبراہٹ کا منظر دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ لطف اندوز ہوا جا سکے۔"

لڑکی انتہائی حیرانی اور تذبذب سے مہمانوں میں بڑے بڑے امراء اور عہدے داروں کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے خیال آ رہا تھا کہ چند روز پہلے جب اسے مار مار کر بیگار کیمپ لایا جا رہا تھا تو وہ اللہ پاک سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ:

"اے اللہ یہاں کے اہل اختیار تک اس کی بے بسی کی خبر پہنچا۔ تاکہ وہ ظلم سے محفوظ رہ سکے مگر وہاں تو بعض فیصلہ ساز ہی ظلم کو پناہ دینے والے نکلے۔"

اس نے انتہائی فریادی احساس سے پھر اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ:

اے جہانوں کے کارساز!

"اے حکمرانوں کے حکمران! تو ہی مظلوموں کی فریاد سنتا ہے۔ اس سرزمین کے بارے میں، میں سنا کرتی تھی کہ یہ اسلام کا قلعہ ہے۔ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے! کیا اسلام کا قلعہ ایسا ہوتا ہے؟ کیا اسلام کے قلعے کے فیصلہ ساز ایسے ہوتے ہیں؟"

اے اللہ!

میں تو دارالحرب سے دارالاسلام کی جانب آئی تھی۔ مجھے اب بتا کہ میں کہاں جاؤں؟ اے بے کسوں کی فریاد سننے والے! تو نے ہی اپنی کتاب مبین میں کہا ہے کہ مشکل میں صرف تجھے ہی پکارا جائے مگر مجھے وہ پکار عطا کر جو تیرے حضور مستجاب ہو سکے۔"

لڑکی کا اپنے اللہ سے گفتگو کا یہ خاموش سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسے پھر سے اپنی رگوں میں اسلام کی قوت ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تب اس نے انتہائی اطمینان اور سکون سے تمام حاضرین کی جانب دیکھا اور پوری قوت سے مخاطب ہوئی:

اے اسلام کے بیٹو!

"کیا تم میں ہے کوئی محمد بن قاسم جو مجھ جیسی بیٹیوں پر ہوتا ہوا ظلم رکوا سکے۔ اگر تم زندہ انسانوں میں سے ہو تو سنو کہ روم میں بھی اسی طرح بے

نواؤں اور مظلوموں کو کتوں اور شیروں کے سامنے پھینکا جاتا تھا اور ان کے امراء اور اہل اختیار اسی طرح ان کے تڑپنے اور نوچے جانے کے تماشے دیکھا کرتے تھے۔ کیا اب بھی تمہیں کسی پیغمبر کا انتظار ہے؟ کیا اب تم کسی بڑی قوم کا انتظار کر رہے ہو کہ جو آکر تمہاری قبروں سے تمہارے ڈھانچوں کو نکال کر آنے والی نسلوں کی خاطر عبرت کے لیے محفوظ کرلے۔

اور اے بستی کے رہنے والو سنو!

کیا تمہیں یقین ہو گیا ہے کہ میرے مرجانے کے بعد یہ حاکم تمہیں امن، آزادی اور عزت سے رہنے دیں گے۔ تم اتنے سارے لوگ ان چند ظالموں سے اپنی آزادی کیوں چھین نہیں سکتے ہو؟

اور سنو!

اگر یہ ظلم یوں ہی قائم رہا تو پھر کوئی طاقت اس دھرتی کو نہیں بچا سکے گی اور قرآن کا قانون ہے کہ جو قوم بھی اس کی بتلائی ہوئی حدوں سے تجاوز کرتی ہے تو پھر اس پر اس سے کہیں زیادہ طاقتور قوم مسلط کر دی جاتی ہے اور تم پر عذاب کی نشانی یہ ہے کہ آزاد ہونے کے باوجود آج بھی تمہارے اوپر تم سے کہیں زیادہ طاقتور قوم اپنے فیصلے مسلط کرتی ہے۔

اور اے سننے والو سنو!

"میں پھر دہراتی ہوں کہ ظالموں سے زیادہ وہ مظلوم گناہ گار ہیں جو ان کا ظلم سہتے اور ان کے ظلم کو آگے بڑھانے میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ تم چاہو تو آج میری موت کے عوض ان سے اپنی آزادی کا سودا کرسکتے ہو۔ تم سمجھ لینا کہ تمہاری یہ بہن چند انسانوں کو اپنی جان کے بدلے یہاں کے جابروں سے رہائی دلا گئی۔"

بڑے شخص نے قہر آلود نگاہوں سے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا
کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی زبان بند کر دی جائے۔
لیکن مہمانوں میں سے ایک چاپلوس نے مشورہ دیا کہ:
"ایسی بدزبان عورت کو گولی کی بجائے کیوں نہ ڈنڈوں' کوڑوں اور پتھروں
سے تڑپا تڑپا کر مارا جائے تاکہ آپ کے علاقے کے باقی عوام بھی آئندہ باخبر
رہیں۔ اور بہتر تو یہی ہے کہ پتھر بھی بستی کے یہی لوگ ماریں اور مار مار کر
اس کے پرزے پرزے کر ڈالیں۔ تاکہ کبھی بھی کوئی شرپسند بستی کے
بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کرنے کی جرات نہ کرے۔"

بڑے شخص کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اس نے بندوق بردار سے ہٹ
جانے کو کہا اور بستی کے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ پتھر مار مار کر لڑکی کو دفن کر
دیں۔ وہاں موجود بستی کے سب لوگوں نے مارنے کے لیے پتھر اٹھا لیے۔
ایک پکی عمر والے شخص نے کہا:
بڑے صاحب!
تم اجازت دو تو اس کے مرنے سے پہلے اس کی باتوں کا جواب نہ دے دوں
تاکہ اس کی بھول نکل جائے۔" بعض مہمانوں کو اس آدمی کی یہ بات پسند
آئی۔
انہوں نے بڑے شخص سے کہا کہ:
"یہ زیادہ موزوں ہے تاکہ اس کی باتوں کا جواب وہ لوگ بھی سن لیں۔ جو
دل سے کچھ نہ کچھ لڑکی کو بے گناہ سمجھتے ہوں گے۔" بڑے شخص نے
اجازت دے دی۔
اس آدمی نے کہنا شروع کیا:

اے لڑکی!
تم سے پہلے بھی بعض لوگوں نے ہمیں اس سرزمین کے بڑے اشخاص کے
خلاف اکسایا تھا۔ ہم ان کی باتیں سننے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے اور ان کی
گاڑیوں کے ساتھ ساتھ بھاگا کرتے تھے۔ ہم انہیں اپنے دکھ درد کا مداوا
سمجھنے لگے تھے۔ لیکن جب انہیں فیصلوں کی قوت حاصل ہو گئی تو انہوں نے
اپنی پالیسیاں اور فیصلے انہی کے حق میں کیے۔ جن کے خلاف وہ ہمیں اکسایا
کرتے تھے۔
اے بے خبر لڑکی!
تم ہمیں کیوں اسلام کا واسطہ دیتی ہو؟ اس سرزمین پر اسلام کا واسطہ دے کر
اور اسی کا نام لے کر بڑے بڑوں نے اقتدار حاصل کیا۔ اور جب انہیں بھی
قوت فیصلہ عطا ہوئی تو ان کے فیصلے بھی ہمارے ہی خلاف ہوئے۔ ایسے ہی
بعض لوگ جنہوں نے اپنے حلیے بھی مومنوں جیسے بنا رکھے ہیں اور
دوسروں سے بڑھ چڑھ کر اسلام کا نام لیتے ہیں' انہوں نے بھی اسلام ہی
کے نام پر بے حساب دولت اور جاہ و جلال سمیٹا ہوا ہے۔
اور یہ بھی یاد رکھو کہ:
"ان علاقوں کے بڑے اشخاص کی وجہ سے ہمیں روزی مل رہی ہے۔ کیوں
کہ آج تک یہاں کے ہر دور میں یہی حکمران رہے ہیں۔ جب یہ لوگ
حکومتوں میں نہیں ہوتے تو حکومتیں ان کے گھروں میں آکر انہی سے
مشورے کرتی ہیں۔ یہ ہی وہ عظیم لوگ ہیں جن کے جاہ و جلال کے سامنے
یہاں کے بڑے بڑے لیڈر اور حکومتیں نہیں ٹھہر سکتیں۔ اور تم انہی کے
خلاف ہمیں اکساتی اور زبان درازی کرتی ہو۔ تمہارے جیسی تقریروں کے

سلسلے اور تماشے تو ہم پاکستان بننے کے اگلے دن سے ہی سنتے اور دیکھتے آ رہے ہیں۔ ہماری نظریں کسی کا انتظار کرتے کرتے پتھرا گئی ہیں کہ جو ہمارا نجات دہندہ بن کر آئے۔ اب ہم کسی کے کہنے پر بھی اپنی جان و مال نہیں گنوا سکتے۔ تم ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو اور اپنا حشر دیکھو۔"

لڑکی کی آنکھوں میں یہ سوچ کر آنسو بھر آئے کہ "سرزمین پاک کو کیسے کیسے راہنماؤں نے لوٹا اور برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔" مگر بڑے شخص نے بکی عمر والے آدمی سے مخاطب ہو کر کہا۔

شاباش!

"تم نے بہت اچھی طرح اس بدزبان کا منہ توڑا ہے۔ مہمانوں نے بھی اس کے لیے واہ واہ کی۔ بستی کے لوگ ہاتھوں میں پتھر لیے بڑے شخص کے بیٹے کے حکم کے منتظر تھے کہ وہ کب کہے اور وہ تاڑ تاڑ کر اس لڑکی کو پتھر ماریں۔

مہمانوں میں سے ایک خوشامدی نے کہا:

اے بے حیا لڑکی!

"اب تیری زبان کو کیوں تالے لگ گئے ہیں۔ تجھ میں ہمت اور عقل ہے تو بول۔"

بہت سے مہمانوں نے کہا:

"اب یہ کیا بولے گی؟"

کچھ تماش بین مہمانوں نے بڑے شخص کو مشورہ دیا کہ:

"کچھ اور دیر یہ تماشا جاری رہنے دو تو زیادہ لطف آئے گا۔"

بڑے شخص نے اونچی آواز میں کہا:

اے بدزبان لڑکی!

"اب تمہارے پاس کہنے کے لیے کیا بچا ہے؟" ایک شخص نے زور سے لڑکی کے سر پر پتھر مارتے ہوئے طنز سے کہا:

"بولو' بولو اب کیا بولتی ہو؟"

کچھ مہمانوں نے کہا:

"بستی والو ٹھہرو' ہمیں ذرا کچھ اور دیر تماشا دیکھنے دو اور اس کے بعد اسے پتھر مارنا شروع کرنا۔" اگرچہ لڑکی کے سر سے خون بہہ کر آنکھوں کے اوپر سے گزر رہا تھا مگر اس کے ایمان افروز دل میں کوئی خوف اور کوئی ملال نہیں تھا۔

اس نے اسی قوت ایمانی سے کہنا شروع کیا:

بھائیو!

اس وطن کی تاریخ وہی ہے جسے اس محترم شخص نے بیان کر دیا ہے۔ ایسے ہی جب موسیٰؑ قوم مصر کو کہا کرتا تھا کہ اس فرعون کا جبر اور نظام حیات تمہاری زندگیوں کا رس نچوڑ کر تمہیں جہنم کی طرف دھکیل رہا ہے تو ان کے بزرگ اور دانشور بھی اس طرح بلند آواز میں اس کے پیغام کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے تھے کہ تم سے پہلے بھی تم جیسے لوگوں نے ہمیں یہاں کے راہنماؤں اور فراعین کے خلاف اکسایا تھا۔ اور ہم ان کے کہنے میں آ آکر مسلے جاتے رہے ہیں۔ اب ہم تمہاری آواز نہ سنیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا تھا کہ اس پیغام کو مت جھٹلانا اور باطل کے خلاف اپنی جدوجہد اور تیز کر دینا۔ لیکن انہوں نے وہ سارا پیغام مسترد کر کے رکھ دیا۔

بھائیو!

پھر دیکھا آپ نے جو لوگ بڑھ بڑھ کر جھٹلانے والے تھے۔ وہ فرعون کے ساتھ ہی غرق ہو کر رہ گئے۔ اور پھر اللہ نے اسی فرعون کی لاش کو آئندہ نسلوں کے لیے برباد ہونے سے بچا لیا۔ تاکہ وہ محفوظ ہو کر اسی قسم کے انسانوں کے لیے عبرت کا باعث بنے۔

میرے محترم بھائیو!

"چند راہنماؤں کے دھوکے سے اور چند جابروں کے جبر سے مایوس نہ ہو جانا۔ اگرچہ کچھ لمحوں کے بعد آپ مجھے مار ڈالیں گے۔ لیکن میری آواز تمہاری روحوں تک پہنچے کہ سچائیوں سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ ظلم ہر شکل میں برا ہے اس کے لیے بھوکے پیاسے رہ کر جدوجہد کرتے رہنا۔ باطل ہر شکل میں برا ہے۔ اس کے خلاف اپنی جدوجہد ضرور جاری رکھنا۔ اس لیے کہ یہ ہی آخری نبی ﷺ کی آواز ہے اور یہی قرآن کا پیغام ہے۔

اللہ کے قانون پر بھروسہ رکھو اور یقین رکھو کہ تمہیں دھوکہ دینے والے اور تمہارے حقوق چھیننے والے اور تمہیں ظلم و جبر سہنے پر مجبور کرنے والے آخر کار اپنے ہی گناہوں کے دریاؤں میں فرعون کی طرح غرق ہو کر عبرت کے لیے محفوظ کر لیے جائیں گے اور سچائیوں کے لیے دی گئی تمہاری قربانیوں کے پرچم بلند رہیں گے۔ جنہیں میری روح ضرور دیکھے گی۔"

ایک مہمان نے بڑے شخص سے کہا:

"یہ لڑکی تمہارے علاقے کی نہیں ہو سکتی۔ جس لہجے، اعتماد اور علم سے بات کر رہی ہے۔ وہ میرے لیے انتہائی حیران کن ہے۔" ایک اور بڑے شخص نے بات بڑھاتے ہوئے کہا:

"ہے تو بہت تلخ لیکن یہ منظر بہت دلچسپ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو اور بولنے دیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون اسے ہم شرفاء اور فیصلہ سازوں کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ مجھے یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں لڑکی کے ساتھ اسے بھی ختم کرنا ہوگا۔ جس نے اسے اس قسم کی زبان دے رکھی ہے۔"

تمام بڑے اشخاص اور عہدے دار تذبذب بھری نگاہوں سے لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ مگر لڑکی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

میرے محترم عزیزو!

"حقیقت یہ ہے کہ زندہ لوگ چند انسانوں سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو بدترین حالات کے حوالے نہیں کر دیا کرتے۔ اور پاسبان اگر لٹیرے بن جائیں تو باشعور لوگ اپنے گھروں کو سنوارنا ترک نہیں کر دیتے۔ لیکن تم لوگوں نے خوفزدہ اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو جو بدترین لوگوں اور ظالم نظام کے حوالے کر رکھا ہے۔ وہ اس بات کی گواہی ہے کہ تمہارے دماغ بے شعور اور دل بے نور ہو چکے ہیں۔ یہ پتھر جو تم مجھ پر برسانے والے ہو۔ یہ تو اس سیاہ نظام کی دیواروں کو گرانے کے کام آنے چاہئیں تھے۔ جس نے تمہیں نسل در نسل مجبور اور مقہور بنا رکھا ہے۔ اور تمہیں و تمہاری نسلوں کو جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتا چلا آ رہا ہے۔"

اس سرزمین کے نوجوانو سنو!

"تمہارے مضبوط اور کڑیل ہاتھ جو مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ انہیں تو اس ظلمت کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے حرکت

پھر دیکھا آپ نے جو لوگ بڑھ بڑھ کر جھٹلانے والے تھے۔ وہ فرعون کے ساتھ ہی غرق ہو کر رہ گئے۔ اور پھر اللہ نے اسی فرعون کی لاش کو آئندہ نسلوں کے لیے برباد ہونے سے بچا لیا۔ تاکہ وہ محفوظ ہو کر اسی قسم کے انسانوں کے لیے عبرت کا باعث بنے۔

میرے محترم بھائیو!

"چند راہنماؤں کے دھوکے سے اور چند جابروں کے جبر سے مایوس نہ ہو جانا۔ اگرچہ کچھ لمحوں کے بعد آپ مجھے مار ڈالیں گے۔ لیکن میری آواز تمہاری روحوں تک پہنچے کہ سچائیوں سے کبھی منہ نہ موڑنا۔ ظلم ہر شکل میں برا ہے اس کے لیے بھوکے پیاسے رہ کر جدوجہد کرتے رہنا۔ باطل ہر شکل میں برا ہے۔ اس کے خلاف اپنی جدوجہد ضرور جاری رکھنا۔ اس لیے کہ یہ ہی آخری نبی ﷺ کی آواز ہے اور یہی قرآن کا پیغام ہے۔

اللہ کے قانون پر بھروسہ رکھو اور یقین رکھو کہ تمہیں دھوکہ دینے والے اور تمہارے حقوق چھیننے والے اور تمہیں ظلم و جبر سہنے پر مجبور کرنے والے آخر کار اپنے ہی گناہوں کے دریاؤں میں فرعون کی طرح غرق ہو کر عبرت کے لیے محفوظ کر لیے جائیں گے اور سچائیوں کے لیے دی گئی تمہاری قربانیوں کے پرچم بلند رہیں گے۔ جنہیں میری روح ضرور دیکھے گی۔"

ایک مہمان نے بڑے شخص سے کہا:

"یہ لڑکی تمہارے علاقے کی نہیں ہو سکتی۔ جس لہجے، اعتماد اور علم سے بات کر رہی ہے۔ وہ میرے لیے انتہائی حیران کن ہے۔" ایک اور بڑے شخص نے بات بڑھاتے ہوئے کہا:

"ہے تو بہت تلخ لیکن یہ منظر بہت دلچسپ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس لڑکی کو اور بولنے دیا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون اسے ہم شرفاء اور فیصلہ سازوں کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ مجھے یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں لڑکی کے ساتھ اسے بھی ختم کرنا ہوگا۔ جس نے اسے اس قسم کی زبان دے رکھی ہے۔"

تمام بڑے اشخاص اور عہدے دار تذبذب بھری نگاہوں سے لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ مگر لڑکی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

میرے محترم عزیزو!

"حقیقت یہ ہے کہ زندہ لوگ چند انسانوں سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو بدترین حالات کے حوالے نہیں کر دیا کرتے۔ اور پاسبان اگر لٹیرے بن جائیں تو باشعور لوگ اپنے گھروں کو سنوارنا ترک نہیں کر دیتے۔ لیکن تم لوگوں نے خوفزدہ اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو جو بدترین لوگوں اور ظالم نظام کے حوالے کر رکھا ہے۔ وہ اس بات کی گواہی ہے کہ تمہارے دماغ بے شعور اور دل بے نور ہو چکے ہیں۔ یہ پتھر جو تم مجھ پر برسانے والے ہو۔ یہ تو اس سیاہ نظام کی دیواروں کو گرانے کے کام آنے چاہئیں تھے۔ جس نے تمہیں نسل در نسل مجبور اور مقہور بنا رکھا ہے۔ اور تمہیں و تمہاری نسلوں کو جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کرتا چلا آ رہا ہے۔"

اس سرزمین کے نوجوانو سنو!

"تمہارے مضبوط اور کڑیل ہاتھ جو مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔ انہیں تو اس ظلمت کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے کے لیے حرکت

میں آنا چاہیے تھا۔ جو تمہارے باپ دادا نہ گرا سکے۔"

غور سے سنو کہ:

"کتے کے خونخوار جبڑے تو ہر اس شخص کو چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ جس کی طرف اس کا مالک اشارہ کرتا ہے۔ لیکن تمہارا مقام تو وہ نہیں ہے۔ تمہیں تو اللہ پاک نے دیکھنے، سننے اور سوچنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ پھر تم ویسا ہی کیوں کرتے ہو۔ جیسا کہ کسی مالک کے کتے کرتے ہیں۔"

ذرا سوچو!

کہ تم کب تک پتھر مار مار کر اپنے ہی دلوں کی دھڑکنوں کو بجھاتے رہو گے؟

میرے مرجانے سے تمہاری غلامی اور مجبوری میں کیا فرق آئے گا۔ میرے مرجانے سے کیا تمہاری بہو، بیٹیوں کو اور زور سے نہیں گھسیٹا جائے گا؟ مجھے مار دو گے تو کیا ان بڑے اشخاص کے بیگار کیمپ جو سسکتی فریادوں سے لبریز ہیں، ختم ہو جائیں گے؟ اور وہ معصوم لوگ جنہیں یہ تاوان حاصل کرنے کے لیے اغواء کروا کروا کر ٹھکانے لگوا دیتے ہیں، کیا یہ انہیں اغواء کروانا بند کر دیں گے؟

اے معصوم انسانو!

سمجھو اور غور کرو کہ میرے مرجانے سے سب سے زیادہ اطمینان یہاں پر کن لوگوں کو ہوگا؟ سوچو کہ میری موت کے سب سے زیادہ منتظر کون ہیں؟ سوچو کہ میرے مرجانے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟ کیا میری موت کے بدلے یہ تمہارے نوالوں میں اضافہ کر دیں گے؟

سنو!

یہ لوگ تمہیں یوں ہی بھوکا رکھ کر اپنے آپ کو رزق داتا کہلائیں گے۔

بلکہ تمہیں یہ لوگ اس لیے بھی بھوکا رکھیں گے تاکہ تم مجھ جیسے شکار پر یوں ہی پل پڑا کرو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ پتھر چند لمحوں میں میرے چیتھڑے اڑا دیں گے اور سامنے تیار کھڑے کتے میری ہڈیاں چبائیں گے۔ لیکن کل کو تمہاری بیٹیاں جب میری طرح ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں گی تو کس کس کو یوں ہی مار مار کر ان کا تماشا دیکھنے دکھانے آؤ گے۔ پھر تم سے تو بہتر وہ تھے جو پیدا ہوتے ہی اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ تم تو ان سے بھی زیادہ سفاک اور جاہل ہو کہ بیٹیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر لوگوں کے سامنے لاتے ہو اور پتھروں سے مار دیتے ہو اور کتوں کو انہیں کھانے کے لیے چھوڑ دیتے ہو۔

غور سے سنو!

"ان لوگوں نے اپنے اپنے علاقوں کو بیگار کیمپ بنا رکھا ہے۔ یہ اپنی اپنی مرضی کے فیصلے نافذ کرواتے ہیں۔ میرا قصور اتنا ہے کہ میں نے ان کے علاقے میں ان کی خدائی ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اگر مجھے بے حساب زندگیاں ملیں تو بھی میں کسی انسان کی خدائی تسلیم نہیں کر سکتی اور نہ ہی میں کسی انسان کے سامنے سر جھکا سکتی ہوں۔ اس لیے کہ میرا معبود صرف اور صرف "اللہ" ہے۔ میرے محترم بھائیو! مجھے بے شک مار دو لیکن میری آواز کو زندہ رکھنا۔ یہ تمہارے بیٹوں اور بیٹیوں کے کام آئے گی۔"

اسی دوران پولیس کی وہ نفری جو بڑے بڑے عہدے داروں کے ساتھ گارڈ کے طور پر وہاں تعینات تھی۔ اس میں سے ایک ضعیف و کمزور پولیس کا سپاہی ابھی تک لڑکی کی باتوں کے اثر کی وجہ سے بار بار اپنے آنسو پونچھ رہا تھا اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا:

"اے اللہ! مجھے ہمت عطا کر تاکہ میں اس مظلوم لڑکی کو آزاد کروا سکوں کہ جس کے دل میں اسلام اور انصاف کے لیے اتنی محبت ہے کہ وہ اس کے پیغام کی خاطر ان مظلوم لوگوں کی مدد کے لیے اپنی جان دینے کے لیے تیار کھڑی ہے مگر یہ اسی کے لیے بے حس ہو چکے ہیں۔" وہ اپنی ساری عمر کے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگ رہا تھا۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ کچھ ہی دیر بعد لڑکی پر پتھروں کی بارش ہوگی اور وہ مار دی جائے گی۔

وہ سپاہی اس سے پہلے کئی بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی جلسوں میں سیکیورٹی کے فرائض سرانجام دے چکا تھا لیکن آج تک اس نے دردِ انساں اور دین مبین کی محبت میں ڈوبی ہوئی اتنی پر اثر اور دل کو ہلا دینے والی باتیں نہیں سنی تھیں۔ آج تک وہ صرف بنی بنائی سطحی تقریروں کی شعبدہ بازیوں کو دیکھتا اور سنتا آیا تھا۔ مگر یہاں تو منظر ہی اور تھا۔ ایک بے کس لڑکی جس نے صرف اللہ کو ہی اپنا پروردگار بنا رکھا تھا۔ وہ کسی صورت کسی اور کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ تھی۔ وہ سوچنے لگا:

"ایک بے سہارا لڑکی صرف اللہ پر یقین ہونے کی وجہ سے اتنے بڑے بڑوں کے سامنے موت کے درمیان کھڑی ہو کر بھی بے خوف، مطمئن اور طاقتور ہے۔ مگر ہم بے یقینی کی وجہ سے ساری عمر خوفزدہ رہتے ہیں اور انہی جیسے بعض بڑے بڑے لوگوں کے کہنے پر گناہ پر گناہ اور جرم پر جرم کرتے چلے جاتے ہیں۔" وہ یہ باتیں اپنے ساتھی سے بھی کہتا جا رہا تھا۔ جو بذات خود اس منظر کو دیکھ کر غمگین اور مبہوت کھڑا تھا۔"

اس نے کہا:

"دیکھو! کتنا فرق ہے زندگی کے ان طریقوں میں کہ جن سے روح، دل اور

دماغ سبھی اطمینان سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ یعنی ایک طرف وہ لڑکی جو زندگی، موت، روزی اور صحت بلکہ ہر شے کو صرف اپنے پروردگار کی عنایت سمجھتی ہے اور ہر چیز، ہر خوف اور ہر لالچ سے بے نیاز ہو کر بھوکی پیاسی ظلم پر ظلم سہہ رہی ہے۔ مگر پھر بھی آنکھوں میں چمک لیے سر اٹھائے کتنے باوقار انداز سے موت کو گلے لگانے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ اور دوسری طرف بڑے اشخاص پر بھروسہ کرنے والے خوف و ہراس میں مبتلا لوگ پتھر ہاتھوں میں لیے کھڑے ہیں۔

ذرا دیکھو! یہ عجیب لڑکی ہے کہ اس دور میں بھی اس کی ہر بات اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ پر ہی جا کر ختم ہوتی ہے۔ عجیب لڑکی ہے کہ اس کے ہونٹ پیاس سے سوکھ چکے ہیں مگر پانی مانگنے کی بجائے صرف اللہ ہی کو پکار رہی ہے۔ اسے تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی۔"

وہ کمزور و ناتواں سپاہی بار بار اپنی مٹھیاں بند کرتا اور کھولتا اور بار بار آسمان کی طرف سر اٹھاتا اور دل ہی دل میں پکارتا۔

اے اللہ!

"مجھے بھی ابو دجانہؓ والا حوصلہ اور ہمت عطا کر کہ میں آخری نبی ﷺ کے پیغام کی خاطر قربان ہونے والی اس لڑکی کی ڈھال بن جاؤں۔"

لڑکی نے اپنی بات ختم کرکے آنکھیں بند کر لیں اور پتھروں کا انتظار کرنے لگی۔

لڑکی کی بات ختم ہوتے ہی ایک خوشامدی نے کہا:

"یہ لڑکی علاقے کی عوام کو گمراہ کر رہی ہے اور ورغلا رہی ہے۔ اب اس کے زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔"

بڑے شخص کے بیٹے نے حکم دیا:

"مارو اس بدزبان کو پتھر' مارو اسے۔"

وہ ضعیف پولیس کا سپاہی بجلی کی طرح اس لڑکی کی طرف لپکا اور اپنی باہیں پھیلا کر بستی والوں کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ گاؤں کے لوگ بڑی تیزی سے لڑکی کو پتھر مارنا شروع ہو چکے تھے۔ لیکن سارے کے سارے پتھر اس کمزور سپاہی کو ہی لہولہان کر رہے تھے۔ اور وہ ایک پتھر بھی اس لڑکی تک نہ پہنچنے دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ بڑے چاپلوسوں نے بڑے شخص اور اس کے بیٹے کو خوش کرنے کے لیے بڑھ بڑھ کر پتھر مارنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ سپاہی اپنی پوری قوت ایمانی سے لڑکی کو اپنی باہوں میں پناہ دیئے ستون کی طرح کھڑا تھا۔ معلوم نہیں وہ پتھروں کی بارش میں کب کا مر چکا تھا لیکن اس کے ہاتھ لڑکی سے بندھی ہوئی زنجیروں اور رسیوں کو ابھی تک مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ یا ممکن ہے کہ خون کے رستے رہنے کی وجہ سے چپک چکے ہوں۔ بڑے شخص کے آدمیوں نے سپاہی کو گھسیٹ کر پرے کرنے کی کوشش کی تاکہ لڑکی کے سر اور منہ کو پتھروں سے کچلا جا سکے۔ لیکن شاید اس کا مردہ جسم بھی لڑکی کو بے سہارا کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اسی لیے اس کے جسم کے بعض حصوں کے اندر تک زنجیروں کی کڑیاں چلی گئی تھیں۔"

بڑے اشخاص کو یہ منظر بہت پرلطف لگا۔ ان میں سے کچھ نے کہا:

"لڑکی پر قربان ہونے والے کو پرے ہٹا کر لڑکی سے بولو کہ پھر تقریر کرے۔ تاکہ پھر کوئی اور اسے بچانے کے لیے جائے اور پھر اس کا بھی ایسا ہی حشر دیکھا جا سکے۔"

چنانچہ مرے ہوئے سپاہی کو ہٹا دیا گیا اور بڑوں میں سے کسی نے پھر طنزاً لڑکی سے کہا:

"پھر بلاؤ اپنے ہمدردوں کو اگر کوئی باقی رہ گیا ہے تو؟" لڑکی کی باوقار اور نور ایمان سے لبریز آواز پھر ابھری۔ اس نے کہا۔

اے بے خبر انسانو!

کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب اللہ مجھ جیسی بے سہارا کا سہارا بنتا ہے۔ تو وہ تم میں سے کمزور ترین شخص کو ایمان کی ایسی قوت دے دیتا ہے کہ موت بھی اس کی وہ قوت نہیں چھین سکتی۔

اور یہاں کے بڑو سنو!

تمہارا سارا نظام ظلم' جبر' منافقت' خوف اور کفر پر مبنی ہے۔ یہ سراسر قرآن اور روح اسلام کے خلاف ہے۔ میں اسے ہر صورت میں مسترد کرتی ہوں۔ جب تک میرے سینے میں دل دھڑکتا ہے میں تمہاری اطاعت نہیں کر سکتی۔ یہ لوگ جو پتھر اٹھائے ہیں تاکہ مجھے انہی میں دفن کر دیں۔ یہ اللہ کے پیغام سے غافل ہیں۔ جب انہیں خبر ہوگی کہ آخری نبیؐ کا پیغام کیا ہے تو پھر دیکھ لینا تم ان کے ہاتھوں سے کسی کو یوں پتھر نہ مروا سکو گے۔ پھر یہ لوگ تمہارے جاہ و جلال کو چھین لیں گے۔ اور صرف اللہ کے لیے جییں گے اور اللہ کے لیے مریں گے۔ پھر دیکھ لینا! یہ لوگ اپنی سرزمین پر کسی کو ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر دیکھ لینا کہ یہ کڑیل جوان سفاکوں اور ظالموں کا زمین کی آخری حدوں تک پیچھا کریں گے۔ پھر دیکھ لینا کہ

بڑا شخص چلایا:

"بند کرو یہ سب کچھ ______" اور حکم دیا کہ:

"بس اب ختم کر دو اسے۔"

مگر اس وقت تک لوگ اپنے ہاتھوں سے پتھر گرا چکے تھے اور کوئی بھی اس کے حکم کی تعمیل کرنے کو تیار نہیں تھا۔ چند نوجوان آگے بڑھے اور اونچی آواز میں کہنے لگے:

"بہتری اسی میں ہے کہ ہمارے بڑے شخص سمیت تم سب ہمارے علاقے کو خالی کر دو ورنہ اسی لمحے اس سارے علاقے والوں کو اپنا دشمن جانو۔"

وہی نوجوان فوری طور پر لڑکی کو چھڑا کر اپنے درمیان لے آئے اور بڑوں کو مخاطب ہو کر کہا:

"کسی میں ہمت ہے تو اس عظیم خاتون پر وار کر کے دکھائے۔"

وہاں پر موجود سہمے اور خوفزدہ لوگ اب اتنے جذباتی ہو چکے تھے کہ وہ بھی لڑکی کے اردگرد گھیرا بنا کر ڈٹ گئے اور اس کی ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے۔ بڑے بڑے اشخاص اپنے تمام حواریوں سمیت حیرت زدہ ہو گئے۔

دو ایک بڑے سرکاری عہدے دار اور دوسرے علاقے کے دو ایک اشخاص اس بڑے شخص کو یہ کہتے ہوئے چل دیئے کہ "تم واقعی ظالم ہو اور تم نے ایک سفاک نظام قائم کر رکھا ہے۔"

ایک سیانے نے بڑے شخص کو کہا کہ ماحول ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ لوگ جذباتی ہو چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ کسی طریقے سے اپنی جان بچائی جائے اور عافیت منائی جائے۔ گارڈ والوں نے پولیس کے ضعیف سپاہی کی لاش اٹھانے کی کوشش کی مگر گاؤں والے بپھر گئے۔ وہ یہ کہتے ہوئے اس کی لاش

خود اپنے ساتھ لے آئے کہ یہ ہمارا محسن ہے۔ اس لیے کہ اس نے اپنی جان دے کر اس عظیم خاتون کو ہمارے پتھروں سے محفوظ کر لیا ہے۔"

لوگ لڑکی کے اردگرد زار و قطار اپنی شرمندگی کے آنسو بہاتے جا رہے تھے اور لڑکی کی جگمگاتی پیشانی سے خون نکل نکل کر اس کے تابندہ چہرے پر لکیریں سی بنا بنا کر جم گیا ہوا تھا اور دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ خود ہی نغمہ زار ہو کہ:

"روشنی کے چہرے پر، تیرگی کے ناخن کی، سینکڑوں خراشیں ہیں۔"

یہ عجیب منظر تھا۔ وہی لوگ جو چند لمحے پہلے اپنے آپ کو زمین کا خدا سمجھ رہے تھے۔ انہیں فرار ہونے کی کوئی راہ نہیں مل رہی تھی اور وہ لوگ جو ان گنت صدیوں سے نسل در نسل اس علاقے کے بڑے اشخاص کے رعب اور خوف کا بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو گلاب کے پھولوں کی طرح ہلکا اور معطر محسوس کر رہے تھے۔ ان کی روحیں لاخوف ہونے کی کیفیت میں جھوم رہی تھیں اور جیسے اس ابدی احساس میں نغمہ ریز ہوں جو خضر نے اقبال کو دیا تھا کہ:-

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

اگلے روز گاؤں والے اکٹھے ہوئے اور انہوں نے لڑکی کو اپنے پورے علاقے کا سربراہ منتخب کر لیا اور اعلان کر دیا کہ اس کے فیصلے پر بلا تامل عمل ہو گا۔

ملک کے بڑے اخباروں نے اس علاقے میں بغاوت کے قصے زور و شور سے شائع کیے۔ وہ صحافی اور اخبارات جو اسلامی اقدار کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو علاقے کے لوگوں کی فتح قرار دیا اور جو لوگ اپنا قلم بیچ چکے تھے' انہوں نے بڑے بڑوں کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو شرپسند' فسادی اور دہشت گرد قرار دیا۔

بعض قلمکاروں نے یہ بھی لکھا کہ:

"علاقے کے جن لوگوں نے پولیس کے سپاہی کو مار دیا ہے۔ ان سب کو فوراً پھانسی دی جائے۔"

ملک کے بعض بڑے اشخاص نے اس علاقے کے بڑے شخص کی حمایت میں اداریے لکھوائے اور حکومت وقت سے مطالبہ کیا کہ:

"اگر بڑے بڑے لوگوں کی پگڑیاں ان کے علاقے کے کمی کمین اور نیچ عورتوں کے ہاتھوں اچھالی جاتی رہیں تو پھر کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہے گی۔"

بعض بڑے بڑوں نے علماء سے اپیل کی کہ وہ آگے آئیں اور لڑکی کے مسخ شدہ اسلامی نظریات کا سختی سے نوٹس لیں کہ:

"جن کی آڑ میں وہ قرآن کے حوالے دے دے کر علاقے کے بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کرکے ان کی پرامن زندگی میں فساد اور شر پیدا کرنا چاہتی ہے۔" اس اپیل پر کئی علماء نے واقعہ کی چھان بین کرکے اس لڑکی کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اسے "دختر اسلام" کے جید الفاظ سے نوازا۔ مگر بعض علماء نے اس پر "منکر حدیث" کا لقب چسپاں کرکے اسے کافرہ اور زندیقہ قرار دیا اور اپنے جلسوں و جلوس میں اس کے خلاف زوردار وعظ

کیے اور اس کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا۔

اگلے چند روز تک اس حوالے سے اخباروں میں کئی طرح کے تبصرے چھپتے رہے۔ بڑے بڑوں کے مطالبے پر آخرکار اس وقت کی حکومت نے واقعہ کا نوٹس لینا شروع کر دیا۔ بڑے بڑوں نے یہ بھی مطالبہ کر رکھا تھا کہ وقت ضائع کرنے کی بجائے کسی جج پر مبنی ٹریبونل قائم کرکے لڑکی اور اسے پناہ دینے والوں کو فوری طور پر کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ لیکن دوسری طرف چند اخبارات ابھی تک لڑکی کے بارے میں اپنی خبروں میں اس کے لیے "حق و صداقت کی آواز" کے الفاظ استعمال کر رہے تھے۔ حکومت کے نوٹس لینے کے باوجود بہت سے پولیس کے چھوٹے ملازمین جو لڑکی کی اسلام بھری باتوں سے متاثر ہو چکے تھے اور اندر سے گاؤں والوں کے حامی اور علاقے کے بڑے شخص اور اس جیسوں کے خلاف ہو چکے تھے۔ وہ حکومت کے تمام تر دباؤ کے باوجود بے دلی سے گاؤں کا چکر لگا کر آجاتے اور "سب اچھا" کی رپورٹ دے دیتے۔

گاؤں والوں نے دن بدن بڑے شخص اور اس کے گھرانے کا علاقے میں رہنا مشکل کر دیا۔ کسانوں نے اس کی زمین کاشت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بغاوت کا یہ انتہائی خطرناک اقدام تھا۔ جس سے علاقے کے دیگر بڑے اشخاص خوفزدہ ہو گئے کہ اگر کسانوں نے ان کی زمین بھی کاشت کرنے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟

(17)

اسرائیلی ائرہوسٹس لڑکی کو تلاش کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کر کے اپنے روابط بڑھا رہی تھی۔ لندن میں اپنے قیام کے دوران پاکستانی اخباروں کا مطالعہ کرنا اس کا نہ صرف مشغلہ بن چکا تھا بلکہ یہ اس کی ضرورت بھی تھی تاکہ اتفاق سے کسی واقعہ، حادثے یا خبر کے حوالے سے شاید اس لڑکی کے بارے میں کوئی اشارہ وغیرہ مل جائے اور پیچھا کرتے کرتے وہ اس تک پہنچ سکے۔

بنیادی طور پر اگرچہ وہ اسرائیلی ائیرلائن میں تھی لیکن اسرائیل کے خفیہ ادارے کی کوشش سے اسے ایک ایسی ائیرلائن نے ہوسٹس لے لیا جس کا قیام زیادہ عرصے تک پاکستان میں ہوتا اور یوں اسے پاکستان میں اس ائیرلائن کے سٹاف کے لیے مخصوص کیے جانے والے ہوٹل میں رہ کر اپنے جاننے والوں سے رابطے قائم کرنے کا موقع مل جاتا۔

عبدالودود کے دونوں بیٹے اپنے تیسرے ساتھی کے ساتھ پاکستان میں آ چکے تھے۔ ان کے ساتھی کی کوشش تھی کہ پاکستان کے مذہبی حالات پر مبنی رپورٹ مستند حوالوں کے ساتھ تیار کر کے اس ائرہوسٹس کے ذریعے اسرائیل کے خفیہ ادارے کو پہنچائی جائے۔

اس رپورٹ کے ساتھ اور بہت سی ہدایات منسلک تھیں جنہیں وہ ذاتی طور پر ہوسٹس کو بتلانا اور سمجھانا چاہتا تھا اور اس کے ساتھ لڑکی کے بارے میں معلومات کا تبادلہ بھی کرنا چاہتا تھا۔

تیسرا ساتھی انتہائی محتاط ہو چکا تھا کیونکہ وہ دونوں بھائی لڑکی کی تلاش سے بددل ہو کر ہر صورت جلد واپس چلے جانا چاہتے تھے۔ انہیں لڑکی کی تلاش میں ذرا بھی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ اس بات سے زیادہ متفکر تھے کہ اپنے تنظیمی مرکز سے زیادہ دن دور رہنے کا مطلب تنظیم کو سازشوں کے حوالے کرنا تھا یا اسے اسرائیلیوں کے مخبروں کی رسائی میں دھکیل دینا تھا۔ وہ دونوں بھائی جب بھی واپس جانے کا ارادہ کرتے ان کا تیسرا ساتھی انہیں یہ کہہ کر خوف زدہ کر دیتا کہ "تنظیم کے مرکز کو یا تو کہیں اور لے جانا چاہیے ورنہ اسرائیل ہر صورت پتہ لگا کر آپ دونوں کو گولی مار دیں گے اور اگر وہ ان کے ساتھ موجود ہوگا تو اسے بھی ان کی گولی کا نشانہ بننا پڑے گا۔ جس کی وجہ سے ساری کی ساری تنظیم برباد ہو جائے گی اور یوں وہ مسلمانوں اور خاص کر فلسطینیوں کے لیے کچھ تنظیم کا مرکز پاکستان میں منتقل کر لیا جائے۔ اصل میں وہ پاکستان میں رہ کر اسرائیل کے لیے کام کرنا چاہتا تھا اور اسرائیل کی ہدایات پر پاکستان کی قومی زندگی کے بہت سے شعبوں کے بارے میں رپورٹیں تیار کر کے وہاں بھیجنا چاہتا تھا۔ مذہبی علماء اور دیگر

مذہبی شعبوں کے بارے میں ابھی تک جو رپورٹ اس نے بھارت میں قیام کے دوران ایک شخص کی معلومات کی بنا پر تیار کی تھی اس کے تمام نکات حرف بحرف درست ثابت ہو رہے تھے۔ تیسرا ساتھی بھارت کی خفیہ تنظیم "را" کے ممبروں کی کارکردگی سے کافی متاثر ہوا کیونکہ انہوں نے پاکستان کی بہت سی شخصیات کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر رکھی تھیں۔ تیسرا ساتھی زیادہ تر ایسی شخصیات میں دلچسپی رکھتا تھا جو اپنے مفادات کے عوض آسانی سے بک سکتے تھے۔

"اس کی گھبراہٹ کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اگر ان دونوں بھائیوں کو ذرا بھی شک ہو گیا تو وہ بہت سے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے گا۔ اس نے اپنے خفیہ ادارے کے حوالے سے بھارت میں بعض دیگر سفارت خانوں سے بھی رابطہ پیدا کر لیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی رپورٹ کسی خفیہ زبان میں لکھی ہوئی تھی جسے صرف اس ادارے کے خاص تربیت یافتہ ہی پڑھ سکتے تھے۔ تاہم وہ پھر بھی خوف زدہ تھا کہ دونوں بھائیوں کو اس کے متعلق اگر کوئی بھی اشارہ مل گیا تو وہ اگلے ہی لمحے اسے ڈھیر کر دیں گے۔"

ایک دن تیسرے ساتھی نے بڑی چابکدستی سے بڑے نوجوان کو مختلف دلائل سے قائل کر لیا کہ:

"تنظیم کی سرگرمیوں کا مرکز پاکستان ہی کو بنایا جائے البتہ آخری فیصلے کے لیے چھوٹے نوجوان کے تجربے کو بھی اہمیت دینا مناسب سمجھا کیونکہ اس کی رائے تھی کہ فلسطینیوں کی مدد کے لیے فلسطینیوں سے دور رہنا بہتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسرے ساتھی نے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ رضاکارانہ طور

پر تنظیم کے مراکز کو لبنان اور اسرائیل کی نئی بستیوں سے سمیٹ کر پاکستان میں لا سکتا ہے۔ اس نے دونوں بھائیوں کو ایک اور دلیل سے مزید باخبر کر دیا کہ "انہیں بذات خود واپس جا کر تنظیمی مراکز میں جانے سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اسرائیلی انہیں گرفتار کرنے یا ہلاک کرنے کی بجائے کہیں ان کی سرگرمیوں کو مزید اپنی زیر نگرانی نہ لے آئیں۔ چنانچہ تنظیم کے کسی بھی مرکز کو منتقل کرنے کے لیے اسے ہی واپس جانا چاہیے کیونکہ اسرائیلیوں کو صرف ان دونوں بھائیوں کی تلاش ہے جنہوں نے ان کی ایک لڑکی کو اغوا کیا تھا۔"

بڑے نوجوان نے اس کے بنیادی دلائل سے تو اتفاق کیا لیکن اس بات پر راضی نہ ہوا کہ پاکستان کو ہی تنظیم کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ مشرق وسطی کے ہی کسی اور ملک میں مراکز کو منتقل کر لیا جائے کیونکہ جغرافیائی طور پر اسرائیل سے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ سالوں سے جاری جنگ کا موثر طریقہ سے جواب نہ دے سکیں گے اور دوسرے اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ پاکستان میں رہ کر ان کی تنظیمی سرگرمیاں بہت جلد منظر عام پر آ سکتی ہیں اور پاکستان میں بدلتی ہوئی حکومتیں سیاسی استحکام نہ ہونے کی بناء پر انہیں تحفظ فراہم نہیں کر سکیں گی۔ بڑے نوجوان نے اپنے ذرائع سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ پاکستان آئینی طور پر کسی ایسی غیر ملکی تنظیم یا اس کی سرگرمیوں کے لیے اپنی سرزمین کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس کا بین الاقوامی طور پر منفی اثر اس کی اپنی خارجہ پالیسی پر پڑتا ہو۔

تیسرے ساتھی نے اس بات کی بہرحال اجازت حاصل کر لی کہ

اسے پاکستان اور بعض ہمسایہ ممالک میں جائزہ لینے دیا جائے اور اس کی بھی اجازت حاصل کر لی کہ وہ واپس جا کر تنظیم کے حالات کا جائزہ لے کر حتمی فیصلہ کرنے کے لیے دونوں بھائیوں کو حالات سے آگاہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے واپسی کا رخ کیا اور تنظیم کے دفاتر اور ٹھکانوں سے ہوتا ہوا سیدھا اسرائیل میں اپنے خفیہ ادارے کے دفتر پہنچا تاکہ اس وقت تک کی سرگرمیوں سے انہیں آگاہ کیا جائے۔ خفیہ ادارے کے سربراہ نے اسے علیحدہ خاص ملاقات کا وقت دیا جو کافی طویل تھا۔

تیسرے ساتھی نے ادارے کے سرابراہ کو جن حالات و واقعات سے آگاہ کیا وہ کچھ یوں تھے:

☆ "عبدالودود کے دونوں بیٹے سادہ ہیں اور تنظیمی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔"

☆ بھارت کا خفیہ ادارہ پاکستان کے خلاف پہلے ہی سرگرم عمل ہے اس سلسلے میں اس سے اسرائیل کا تعاون زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔

اس نے سرابراہ کو "را" کے ایک ممبر سے ملاقات کی تفصیلات سے بھی آگاہ کیا جس سے پاکستان کی مذہبی تنظیموں اور ان سے منسلک اداروں اور افراد کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ سربراہ نے اسے اسی قسم کی ایک پرانی رپورٹ کا مطالعہ کرنے کے لیے بھی کہا جو ان کے ایک سکالر نے تیار کی تھی۔ یہ رپورٹ پاکستان بننے کے بعد کے اوائل سالوں کی تھی۔ دو ایک روز اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے سربراہ کو بتایا کہ وہ جو رپورٹ تیار کر رہا ہے اس میں بیشتر حقائق مختلف ہیں۔ مثال

کے طور پر اس نے بتلایا کہ:

☆ "شروع میں فرقوں کی تنظیمیں تو تھیں لیکن ان میں باقاعدہ منظم تشدد نہیں تھا۔

☆ جب کہ نئے حالات میں بعض شیعہ اور سنی تنظیموں میں منظم تشدد اور ایک دوسرے پر ایک دوسرے کے ممبران یا راہنماؤں کے قتل کے الزامات سامنے آ رہے ہیں۔ یہ حالات اسرائیل کے لیے بہت زیادہ موزوں ہیں اس لیے اسے اس سلسلے میں مزید کام کرنے کی اجازت دی جائے۔"

خفیہ ادارے کا سربراہ تیسرے ساتھی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اسے پاکستان میں سیاسی اور تعلیمی حالات کے بارے میں بھی رپورٹیں تیار کرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔ اور اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے امید ہے کہ آئندہ اسے ترقی سے بھی نوازا جائے گا۔ البتہ اسے جو مزید ہدایات دی گئیں ان میں یہ احتیاط شامل تھی کہ:

"رپورٹیں مکمل کر لینے کے بعد انہیں یا تو براہ راست ائرہوسٹس کے ہاتھ بھیج دیا جائے یا موقع ملنے پر خود لا کر ادارے کے حوالے کیا جائے۔ اور اس دوران کوئی بھی اہم فیصلہ کرنے کے لیے اس کے احکام کا انتظار کیا جائے۔

کچھ روز کے بعد اس نے نوجوانوں کو واپس آ کر اطلاع دی کہ وہ تنظیم کے مراکز کو منتقل کرنے کا کام مکمل کر آیا ہے اور آئندہ احکام پر وہ انہیں کسی بھی ملک میں آسانی سے منتقل کر سکتا ہے۔

بڑا نوجوان تیسرے ساتھی کی کارکردگی سے کافی متاثر ہوا اور اس

پر اس کا اعتماد مزید بڑھ گیا۔ نوجوان نے اس سے تنظیم کے معاملات کے بارے میں کافی صلاح مشورے کیے اور آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اگلی مدت تک اور کسی نئے فیصلے تک مشرق وسطی سے باہر کسی ملک میں رہ کر اسرائیل کی مزید سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے کیونکہ اسی دوران فلسطینیوں کے لیے نیم خود مختار طرز کی کسی ریاست کے منصوبے کی تکمیل کے بعد اب عربوں' فلسطینیوں اور اسرائیل کے درمیان نئی طرز کے تعلقات ابھر رہے تھے۔

تیسرے ساتھی کے لیے یہ مدت بہت اہم تھی کیونکہ اس دوران اسے پاکستان میں رہ کر اس کے تقریباً تین شعبوں کے بارے میں رپورٹیں مکمل کرنی تھیں اور اس کے لیے وہ ہر طرح کے ذرائع بروئے کار لانا چاہتا تھا تاکہ اس کی معلومات مستند ثابت ہو سکیں۔

چنانچہ اس نے پچھلے تیس چالیس سالوں کی اخباروں اور رسالوں کے مطالعہ کا پروگرام تشکیل دیا۔ اس کے علاوہ اس نے متعلقہ شعبوں سے منسلک بہت سی شخصیات کے انٹرویو لینے کا بھی طریقہ کار طے کر لیا۔

ائرہوسٹس کے ساتھ اس کے روابط مکمل طور پر خفیہ تھے تاکہ دوسرے دونوں نوجوانوں کو کسی بھی صورت اس کی آگاہی نہ ہو سکے۔ ایک روز ہوسٹس نے اسے بتلایا کہ:

”علاقے کے دیگر ممالک میں تلاش کے باوجود لڑکی کا سراغ نہیں مل سکا اسی لیے گمان یہی ہے کہ لڑکی پاکستان میں ہی کسی محفوظ مقام پر کسی کی پناہ میں جا چکی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ بعض اہم لوگوں سے روابط بڑھائے جائیں بلکہ اس صورت میں مذہبی تنظیموں کے بعض سربراہوں

سے بہتر تعلقات زیادہ سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد اس کے کسی مذہبی سربراہ کے ہاں پناہ لینے کے حالات زیادہ قرین قیاس ہیں۔“

چند روز کے اندر انہوں نے اس سلسلے میں اپنی منصوبہ بندی مکمل کر لی اور بغیر وقت ضائع کیے اس پر عمل شروع کر دیا۔

(18)

بستی کا سربراہ بننے کے بعد لڑکی نے جو پہلا حکم صادر کیا وہ علاقے کے تمام بیگار کیمپ ختم کرنے کے بارے میں تھا۔ یہ بھی اعلان کیا گیا کہ اس بستی سے منسلک تمام علاقے کے لوگ مرد اور عورتیں تعین شدہ دن کو ایک مسجد کے قریبی احاطے میں جمع ہوں۔

اس دن کی یہ ایک سہانی صبح تھی اور علاقے کے لوگ بتلائی ہوئی جگہ پر جوق در جوق اکٹھے ہو رہے تھے کیونکہ لوگوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ لڑکی انھیں کوئی پیغام دینے والی ہے۔ بہت سے لوگ اس لیے بھی آ رہے تھے کہ اتنے دنوں کے دوران لڑکی کی داستان زبان زدعام ہو چکی تھی اور وہ ان کے لیے ایک افسانوی کردار بن گئی تھی۔ بچے، عورتیں، جوان بوڑھے، کمزور اور بیمار سبھی اس کی ایک جھلک دیکھنے کو آ چکے تھے۔

یہ کوئی دوپہر سے پہلے کا وقت تھا جب لڑکی باقاعدہ ایک اسلامی

مجاہدہ کے لباس میں مسجد کے چبوترے پر انتہائی وقار کے ساتھ نمودار ہوئی۔ علاقے کے لوگوں نے پہلی بار کسی مسلم خاتون کو اتنے باوقار انداز میں دیکھا تھا کیونکہ وہاں تو عورتوں کو اس طرح رکھنے کا رواج تھا کہ وہ زندہ سے زیادہ مردہ اور بے جان سی چلتی پھرتی لاشیں دکھائی دیتی تھیں۔

لڑکی اللہ کی حمد کرنے اور آخری نبی پر صلوٰۃ بھیجنے کے بعد لوگوں سے یوں مخاطب ہوئی:

عزیزانِ اسلام!

"تمہارے قلب و شعور غلامی کی اصل زنجیروں کو توڑنے کے لیے آمادہ ہو چکے ہیں۔ اصل غلامی اپنی ذات کے اندر خوف کی حکمرانی سے پیدا ہوتی ہے اور یہ خوف اپنی خواہشات کے ساتھ بے پناہ محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ تم لوگوں نے آگے بڑھ کر صرف ایک اللہ کا دامن پکڑ لیا ہے اور یہاں کے تمام بڑے بڑے جابروں کی خدائی کو مسترد کر دیا ہے۔ مگر تم ایک بے مقصد اور بے آرزو زندگی گزار رہے ہو۔ تم ابھی تک اپنے دین کی عنایتوں اور راہنمائی سے بے خبر ہو۔ اگر تم دنیا کے اس آخری و عظیم دین کو اپنا کر قوت و خوشحالی حاصل نہ کر سکے تو تم پھر کسی نہ کسی طرح غلام بنا لیے جاؤ گے اور پہلے کی طرح جانوروں سے بھی کہیں بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے جاؤ گے۔"

مجمع سے ایک بزرگ نے ہاتھ بلند کر کے اونچی آواز میں کہا:

اے نیک خاتون!

"ہمیں کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ ہم ایسی زندگی گزاریں جو اللہ کو پسند آ

جائے۔"

لڑکی نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا:

سنو!

"اللہ صرف حسین و جمیل اور اپنے احکام و قوانین کے مطابق گزاری جانے والی زندگی پسند کرتا ہے اور اس کے یہ قوانین تم اس وقت جان سکتے ہو جب اللہ کی کتاب "قرآن" کو اس زبان میں پڑھو جس میں تمہیں سمجھ آتی ہے۔ اور سنو کہ یہ کتاب دنیا کی تمام کتابوں سے کہیں زیادہ سمجھنے کے لیے آسان بنا دی گئی ہے اور اسی طرح اس کے احکام پر عمل کرنا آسان ترین بنا دیا گیا ہے۔ یاد رکھو!

اس کتاب کو اور اس کے احکام کو سمجھنے کے لیے بڑے بڑے مذہبی علماء کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس دل کی ضرورت ہے جو واقعی اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہتا ہو۔

اور یہ بھی جان رکھو کہ!

حسین زندگی وہ ہوتی ہے جس کے نتائج اطمینان و خوشحالی کی صورت میں ظاہر ہوں اور جس کی آرزو آخر کار ہر دور کا انسان کرے اور اسے اپنانا چاہے۔ یہ زندگی سلیقوں، طریقوں اور مستقل اقدار کے نظام سے لبریز ہوتی ہے۔ حسین زندگی میں حزن و ملال اور خوف نہیں ہوتا۔ یہ زندگی خواہشات کے لالچ سے پاک ہوتی ہے مگر صرف اللہ کی مرضی پر یقین اور اس کی محبت سے سرشار ہوتی ہے۔

حسین زندگی کا خاصا یہ ہے کہ اس میں لوگ اپنے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے جیتے ہیں جو جمیل زندگی سے پیچھے رہ گئے۔ یہ زندگی انسان کی

انسان کے لیے ہمدردی اور چاہت کے نغموں سے لبریز ہوتی ہے۔

غور کرو اور سنو کہ!

"جذبات اور ان کا اظہار، رہنا سہنا اور اس کے انداز، لباس، بولنا، تعلقات کی نوعیت اور طریق، علم و عمل اور انداز تربیت یہ سبھی گواہی دیتے ہیں کہ کوئی فرد، گھرانہ، قبیلہ، قوم یا امت کس درجہ اور کس حد تک حسین زندگی کی مالک ہے۔"

ذرا دور کھڑی عورتوں میں سے سر سے پیر تک لپٹی لپٹائی ایک عورت نے دو چار بار ہاتھ بلند کر کے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ کسی وجہ سے کوئی سوال نہ کر سکی۔

لڑکی نے مجمع سے کہا:

"خواتین کو آگے آنے دو، تاکہ ان میں جو کوئی کچھ کہنا چاہے کہہ سکے!"

آگے آنے پر اس خاتون نے روتے ہوئے انتہائی درد بھرے لہجے میں کہا:

نیک خاتون!

"میں ایک بڑے شخص کی بیوی ہوں اور سینکڑوں میل سے چھپتے چھپاتے صرف تمہیں دیکھنے کے لیے آئی ہوں۔ میں جس لباس میں تمہارے سامنے ہوں یہی لباس گھر میں بھی پہننا پڑتا ہے۔ ہمارے گھرانے میں کتوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا جاتا ہے مگر ہمیں ان سے کم تر گنا جاتا ہے اور ان سے بھی کم تر سلوک کیا جاتا ہے۔ ہمارے گھرانے میں قرآن بھی پڑھا جاتا ہے اور بعض سیاسی شخصیتوں اور علماء کا بھی آنا جانا ہے۔ مگر آپ جس دینِ مبین کی بات کر رہی ہیں اور جس میں بے خوف، باعدل اور محبتوں سے سرشار حسین ترین زندگی کا سلیقہ اور نظام ہے کیا وہ عورتوں کے لیے بھی

ہے اور کیا وہ ہم جیسی عورتوں کو بھی اسی زندگی میں میسر آ سکتا ہے؟"
یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور لگتا تھا اس کے آنسو ابھی تک
رواں ہیں۔
ابھی اس کی بات ختم ہوئی تھی کہ ایک دوسری نے بھرائی ہوئی آواز میں
کہا:
اے نیک خاتون!
"میں ایک چھوٹے اور غریب گھرانے کی عورت ہوں مگر مجھے نہایت حقیر
اور منحوس سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے گھرانے میں عورتوں کو بہت پست مخلوق
گردانا جاتا ہے اور بڑا ہی رسوا کر دینے والا سلوک کیا جاتا ہے۔ حالانکہ
ہمارے گھرانے میں بھی قرآن پڑھا جاتا ہے اور وہاں کے مرد نمازی بھی ہیں
مگر ان کی رائے ہے کہ گھرانوں کی عزت و غیرت اسی میں ہے کہ عورتوں کو
کم تر اور رسوا کر کے رکھا جائے اور مقید کر کے رکھا جائے۔"
بہت سی عورتوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر ان کی تائید کی۔ لڑکی نے اپنی پرنور پیشانی
کو اوپر اٹھایا اور ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد یوں مخاطب ہوئی:
معزز دختران اسلام، محترم برادران اسلام یاد رکھنا کہ!
"مسلمانوں نے انہی زمانوں میں عروج حاصل کیا تھا جب انہوں نے عورتوں
کو معزز و محترم اور باعث تکریم بنا رکھا تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے
محترم نسلوں کو جنم دیا۔ جب عورت کو حقیر بنا دیا گیا تو انہوں نے حقیر نسلوں
کو جنم دیا۔ اس دور میں مسلمان سب سے زیادہ رسوا ہو رہے ہیں کیونکہ وہ
صدیوں سے عورتوں کو رسوا کرتے چلے آ رہے ہیں۔
غور سے سنو!

کوئی بھی مرد اسی وقت معزز ہو سکتا ہے جب وہ نہ صرف دریافت شدہ
علوم سے بہرہ ور ہو بلکہ زندگی کے سلیقوں کی تربیت سے بھی آراستہ ہو۔
مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو ان دونوں سے محروم کر کے اپنے اپنے مطلب
کی بنائی ہوئی شریعت میں مقید کر دیا۔
ذرا سوچو!
خواتین کو جاہل و بے خبر رکھ کر ان سے ایسی نسلوں کی توقع کیسے کی جا سکتی
ہے جو روشن دماغوں اور پرنور دلوں کی مالک ہو اور اللہ کے حکم کے مطابق
قوموں کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرے۔
میرے بھائیو!
مجھے علم نہیں آپ کی نگاہیں تاریخ کے اندھیروں میں کہاں تک دیکھ سکتی
ہیں؟ لیکن جہاں تک میں دیکھ سکتی ہوں۔ امت اسلامیہ نے بہت صدیوں
پہلے نہ صرف اپنے مردوں بلکہ خاص کر اپنی عورتوں پر نور علم و عرفان کے
دروازے بند کر دیے تھے۔ عورت کو اس طرح غلام، کمتر اور لونڈی و کنیز
بنا دیا گیا کہ اس کی روح اور جسم و جاں کی رگوں میں جہالت کا اندھیرا اور
خوف کا زہر اتر گیا۔

حیا اور بے حیائی کا تصور و قانون صرف عورت کی ذات سے
چسپاں کر دیا گیا۔ جن اعمال کی وجہ سے عورت طوائف و بیسوا کہلائی انہی
اعمال کو شہزادوں، امراء، طاقتوروں اور دیگر آدمیوں کے مردانہ مشاغل
قرار دے کر انہیں معزز و باعث تکریم قرار دیا گیا۔ اس سارے منظر کا المیہ
یہ بھی رہا کہ فیصلہ کرنے والوں اور فتوی دینے والوں نے بھی عورت کو ہی
نشانہ بنایا اور اسے ہی بے حیائی کا ذمہ دار قرار دیا۔ یہ سراسر بے عدلی اور

بے انصافی تھی مگر کئی طاقتور مسلمانوں نے اپنے اپنے زیر اختیار اور حلقہ اثر میں ایسی ہی بے عدلی کو اپنائے رکھا۔ جس کی پاداش میں مسلم معاشرے عدل و انصاف سے محروم ہو کر رہ گئے۔

محترم بھائیو!

غور کرو اور اپنے دماغوں سے خود فیصلہ کرو کہ جب عورت کو روشنی کے مواقعوں سے بھی محروم کر دیا گیا تو اس سے آپ روشنی و آگاہی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟

جب اس کی زندگی کی حسین طریقوں اور آداب تک رسائی ہی نہ ہونے دی گئی تو اس سے جمیل انداز حیات کیسے پھوٹ سکتے ہیں؟ جب اسے کسی بھی مادہ جانور کی طرح صرف افزائش نسل کی ہی ایک مخلوق سمجھا گیا تو اس سے اعلیٰ درجہ انسانیت کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟

جب مسلمان ہوس پرستوں نے بے بس، بے سہارا، غریب و نادار، بے خبر اور نادان و سادہ عورتوں کو ہوس کا نشانہ بنا کر انہیں خرید و فروخت کی اشیاء میں بدل ڈالا تو ان سے پاکیزہ نسلوں کی توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے؟

اکثر اوقات مسلمان علماء کی وعظیں، تشریحات اور تفسیریں عورت سے شروع ہو کر عورت پر ہی ختم ہوتی ہیں مگر ان میں ان کی آگہی اور عظمت کے لیے کچھ نہیں کہا جاتا۔ جس اسلامی انقلاب کے لیے علماء سرتوڑ جدوجہد کرتے ہیں اس کا مرکزی مقصد صرف عورت کو سر سے پاؤں تک پردے میں لپیٹ کر چار دیواری میں مقید کر دینا رہ گیا ہے۔ یقیناً اس سبھی کچھ نے آخر کار امت اسلامیہ کو ناکارہ و نامراد کر کے رکھ دیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو!

میری آواز ان تک پہنچا دینا جو آج تک دین اسلام کے حوالے سے عورت کا انتہائی محترم، مقدس اور پاکیزہ مقام نہیں سمجھ سکے۔ جو فرد، قبیلہ، گھرانہ یا قوم اپنی عورتوں سے جیسا سلوک کرے گی تو ان کا اپنا عروج و زوال اور عزت و تکریم اسی سلوک کے نتائج سے منسلک ہو گی۔

یاد رکھنا!

عورت کو بے خوف اور مکرم رکھنے والے بہادر اور محترم نسلوں کے وارث بنتے ہیں اور عورت کو بے حیثیت کر دینے والے کمتر، جاہل اور بے حیا و بے حیثیت نسلوں کو زمین کا بوجھ بننے کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔

میرے محترم بھائیو!

قرآن کریم پردے کا حکم دیتا ہے مگر ایسا نہیں کہ عورت کفن میں لپٹی ہوئی لاش لگے یا کوئی اندھی اور اغوا شدہ کنیز لگے۔ کوئی ایسا پردہ و لباس جو عورت سے وقار، سربلندی، پاکیزگی و حیا اور روح کی آزادی چھین لے وہ دین اسلام کے نہیں کسی اور مذہب کے پردہ و لباس ہوں گے۔

برادران اسلام۔ سنو!

اگر چاہتے ہو کہ تمہاری قسمتیں بدل جائیں تو اپنی خواتین کو قلب و روح اور ذہنوں کی آزادی دے دو۔ ان کی روحوں سے خوف و کمتری ختم کر دو اور انہیں نور علم و آگاہی سے معمور ہونے دو۔

پھر دیکھ لینا کہ!

خوشحالی کی جانب آپ کا سفر پرواز میں بدل جائے گا۔ اسلام میں ہی عورتوں کے حوالے سے جلال و جمال کی تابندہ مثالیں ہیں اور وہی ہمارے لیے ماڈل

کی حیثیت رکھتی ہیں جیسے سیدہ خولہ رضی اللہ عنہ کی زندگی رزم اور بزم میں قابل تقلید ہے۔

مگر یاد رکھنا!

کوئی ایسا انداز یا تحریک جو عورتوں کو جانوروں کی سی آزادی عطا کر دے وہ آخر کار پوری قوم کو کھوکھلا اور نفسیاتی مریض بنا کے رکھ دیتی ہے۔"

لوگ دم بخود بیٹھے اور کھڑے انتہائی خاموشی سے لڑکی کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ سنتے رہے۔ کسی شخص میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ لڑکی کی کسی دلیل کو رد کر سکے۔ وہاں کے مردوں کو یہ پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ عورت بھی اتنی ہی قابل عزت ہے جتنے کہ وہ خود۔ علاقے کے بڑے بڑے طاقتور نوجوان از خود اس لڑکی کی حفاظت کے لیے پاسبان بن چکے تھے اور اس کے ارد گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے مبادا کہ کوئی وار کر کے اسے مار ڈالے۔

ایک بزرگ آدمی نے اپنی پگڑی ہوا میں لہرا کر لڑکی کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہوئے کہا کہ:

اے دختر اسلام!

"ہمیں اگرچہ زندگی کے نئے طریقوں اور سلیقوں کی کچھ کچھ سمجھ آنے لگی ہے لیکن بڑے شخص نے تو ہمارے رزق کے ذرائع بند کر دیے ہیں۔ کوئی راستہ بتاؤ کہ ہمارے چولھے جلتے رہیں"

لڑکی نے مقدس سی آواز کے ساتھ ان کی توجہ اللہ کی رحمت اور اس کے پیغام کی طرف دلائی کہ:

"رزق کی کشادگی اور تنگی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے" مگر اس کا رزق اور

فضل تلاش کرنے کی غرض سے اور اسباب حیات کے لیے جدوجہد جاری رکھنے کی خاطر بے حساب راستوں میں سے ایک راستہ یہ ہے کہ:

"ہم یہاں پر حکومت کی وہ تمام زمین جو ویران و سنسان پڑی ہوئی ہے اور جو صدیوں سے بے آباد ہے ہم حکومت سے اجازت لے کر اپنے فولادی ہاتھوں اور ارادوں کی قوت سے اسے گلزاروں اور گلستانوں میں بدل ڈالیں گے"

ایک شخص نے آواز دی کہ:

اے نیک خاتون!

"میرا تعلق حکومت میں زمینوں کے محکمے سے ہے۔ میں آپ کے حکم سے پوری کوشش کروں گا کہ اس علاقے کی ساری حکومتی زمینیں مجموعی طور پر اس بستی کے نام پر ایک طویل عرصے کے لیے پٹے پر دلا دوں تاکہ یہاں کے غیور کسان آپ کی راہنمائی میں دن رات محنت کرتے کرتے اسلامی رحمتوں کی مسرتیں سمیٹ سکیں۔"

دوپہر تک لوگ اس لڑکی کو دعائیں دیتے اور اسے اپنا نجات دہندہ قرار دیتے آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

(19)

پچھلے کئی سالوں سے لیٹروں اور ڈاکوؤں کا یہ وطیرہ بن گیا تھا کہ اس علاقے میں جب بھی فصل پکتی اور بٹائی کے بعد مزارعین و کسان کچھ نہ کچھ حصہ گھروں میں لے جاتے تو باری باری ڈاکوؤں کے گروہ علاقے میں دندناتے ہوئے داخل ہوتے اور گھروں کا صفایا کر جاتے۔

ان گروہوں میں زیادہ تر تو وہ تھے جو بعض بڑے اشخاص کے زیر سایہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھتے اور قریب کے ٹیلوں میں یا دریا کے پار بیلے میں یا علاقے کی پچھلی طرف کی پہاڑیوں میں پناہ لیے رہتے۔ یہ گروہ اچانک تیار نہیں ہو گئے تھے بلکہ انہیں منظم ہونے میں ایک عمر لگی تھی۔
ان گروہوں کے اندر بہت سے نوجوان تو وہ تھے جو کچھ بڑے بڑے لوگوں کے ستائے ہوئے تھے۔

ایک تجزیے کے مطابق ان نوجوانوں کے ڈاکو بننے کی بہت سی

وجوہات میں سے کچھ یہ بھی تھیں کہ یا تو ان کے باپ' دادا اور ماؤں کو قتل کر دیا گیا تھا یا انہیں اس حد تک ذلیل کیا گیا ہوا تھا کہ وہ چھوٹی عمر سے ہی اپنے گھرانوں کو ستائے جانے کے قصے سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے اور خون کے آنسو روتے روتے تنگ آ چکے تھے اور ردعمل کے طور پر اپنے لوگوں کی پناہوں میں چلے گئے جنھوں نے ہمدردی کے دو بول بول کر انہیں آخر کار اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن کی زمینوں پر بعض طاقتوروں نے زبردستی قبضہ کر لیا ہوا تھا اور انہیں انصاف حاصل کرنے کے لیے پچھلے تیس تیس سال سے عدالتوں کے چکر لگانے پڑ رہے تھے اور بڑی مشکل سے جیتا ہوا مقدمہ اگلی عدالتوں میں جا کر ہار جاتے تھے یا اگر وہ اپنے حقوق کا مقدمہ پوری طرح جیت بھی چکے ہوتے تو کوئی بھی ان کی زمینیں واپس نہ دلا سکتا اور یوں اپنی روزی کے ذرائع چھن جانے کی وجہ سے کچھ اس طرح کے لوگ بھی ڈاکوؤں کے گروہوں میں شامل ہو چکے ہوئے تھے۔

انہی گروہوں میں ایسے نوجوان بھی شامل ہو چکے تھے جو بعض مزارعین کے بیٹے تھے مگر جنھوں نے بڑی مشکل اور تنگ دستی میں تعلیم حاصل کی اور ان کے جائز میرٹ کو جھٹلا دیا گیا ہوتا پھر وہ سفارش کی تلاش میں رہتے تاکہ کوئی چھوٹی موٹی نوکری حاصل کر سکیں۔ لیکن علاقے کے سفارش کرنے والے ان کی خاندانی اور معاشرتی آزادی کو گروی رکھ لیتے اور جب کبھی ووٹ وغیرہ بھی پڑتے تو انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے ہی لوگوں کو ووٹ دے کر دوبارہ برسراقتدار لانا ہوتا تھا۔ مزید برآں آئندہ سالوں میں ان کے خاندان کے لوگ نوکری کے لیے سفارش کرنے والے

کے گھرانوں کی بیگار اور غلامی پر مجبور رہتے۔

ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے جوانی میں جب کبھی کسی بڑے شخص کے سامنے سر اٹھانے کی کوشش کی تو انہیں مقدمات میں پھنسا دیا گیا اور اس طرح انہیں الجھا دیا گیا کہ جیل سے باہر جینا ان کے لیے محال ہو گیا۔

کچھ ایسے بھی تھے جن کی بیویوں، بیٹیوں یا بہنوں کو چڑھتی عمر میں اغوا کر کے برباد کر دیا گیا اور انہیں آخر کار یا تو قتل کر دیا گیا یا آگے ہاتھوں ہاتھ بیچ دیا گیا۔

کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی کسی نہ کسی مجبوری یا شدید ضرورت کی بناء پر مقروض ہوئے تو پھر انہیں قرض سے آزاد ہی نہ ہونے دیا گیا۔

کچھ ایسے بھی تھے کہ انتخابات کے دوران انہوں نے کسی بااثر شخص کے مخالف کو ووٹ دیے تو پھر اس شخص نے انہیں تباہ کرنے اور سزا دینے کا کوئی حربہ نہ چھوڑا اور ردعمل کے طور پر وہ ڈاکوؤں کے گروہوں سے جا ملے۔

حقیقت یہ تھی کہ ہر لٹیرا اور ہر ڈاکو اپنی ہزار داستان رکھتا تھا۔ مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ جن لوگوں کے خلاف نفرت یا ردعمل کے طور پر انہوں نے یہ راہ اختیار کی تھی آخر کار وہ انہی یا ان جیسوں ہی کی مدد لینے اور اپنی سرگرمیوں کا تحفظ لینے کے لیے مجبور تھے۔ فرق بس اتنا تھا کہ اب وہ مظلوموں کی دنیا سے نکل کر ظالموں سے جا ملے تھے اور اس طرح ظلم کو آگے بڑھانے اور ظلم کرنے کا بذات خود ایک ذریعہ بن چکے تھے۔ پہلے جب وہ دور مظلومی میں تھے تو وہ ادھر ادھر چھپتے پھرتے لیکن اب دوسرے

مظلوم ان کی دہشت اور ظلم کے خوف سے چھپے رہتے کیونکہ وہ کسی نہ کسی بڑے یا اہل اختیار کی پناہ میں آ چکے ہوتے۔

لڑکی کو جب اس بستی کے لوگوں نے اپنا سربراہ مان لیا اور اس کے ایک حکم پر جانیں دینے کے لیے تیار ہو گئے تو قریب قریب کے بہت سے بڑے اشخاص خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ان کے علاقوں کے لوگ دیکھا دیکھی بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکوؤں سے روابط بڑھا دیے اور انہیں نئے حالات سے آگاہ کر دیا۔

اس بستی میں تو بڑے شخص کی زمینیں کاشت کار نہ ملنے کی وجہ سے برباد اور ویران ہونا شروع ہو چکی تھیں اور علاقے میں کوئی گھرانہ اس بڑے شخص کا کہا ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ ایک اذیت ناک صورت حال تھی جس کا اس بڑے شخص اور اس کے گھرانے کے افراد کو سامنا تھا۔

پچھلے چند سالوں سے علاقے کے چاروں اطراف میں پناہ لیے ہوئے ڈاکوؤں کے گروہ آپس میں ہر لحاظ سے مختلف تھے اور اپنے اپنے مفادات اور اپنی اپنی پشت پناہی کی بناء پر الگ اور دور دور رہتے تھے۔ البتہ تمام تر مخالفت کے باوجود انہوں نے ایک غیر تحریری سا آئین و دستور اپنا رکھا تھا جس کی رو سے وہ ایک دوسرے کے معاملات اور مخصوص علاقے میں مداخلت نہ کرتے یا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے سرپرست آپس میں تمام تر دشمنی کے باوجود ایک دوسرے کے مفادات کو تحفظ دینے کے پابند رہتے۔ چنانچہ وہ سب نسل در نسل سے رواج پائے ہوئے اس غیر تحریری دستور کے پابند رہتے۔

اگر ان کی سرگرمیوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا تھا

کہ "ان کا ایک اپنا نظام ہے جو ریاست کے آئین اور بین الاقوامی سیاست کے اصولوں سے مماثلت رکھتا ہے۔" ان میں بھی مخبروں کا ایک باقاعدہ گروہ تھا جو انہیں حالات سے باخبر رکھتا۔ اسی طرح ان میں بھی جو سب سے زیادہ طاقتور گروہ یا سرپرست ہوتا وہ دوسروں پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کرتا اور اس کی مرضی کے تابع رہنے والے اپنے آپ کو مزید محفوظ محسوس کرتے کیونکہ اس کی حکومت کے اداروں میں وہاں تک رسائی ہوتی جہاں پر دوسرے اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتے۔

دور کے کسی دوسرے علاقے کے بعض معروف اشخاص نے جو اس دن آئے ہوئے تھے انہوں نے اس دن بھی اس بستی کے بڑے شخص کو اچھا نہیں جانا تھا جب وہ بے گناہ لڑکی کو پتھروں سے مروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بعض اخباروں نے بھی اس کے خلاف لکھا تھا۔ چنانچہ بعض حلیفوں کے بغیر اس کی بن نہ پا رہی تھی۔ مگر ان کی بھی سلامتی اس میں تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کا کام تمام کروا دیا جائے تاکہ علاقے کے لوگ سہم کر پھر سے سر جھکا دیں۔

یہ امر بھی ان کے لیے باعث حیرانی تھا کہ ساتھ والے دیگر علاقوں کے لوگ جو ابھی تک اپنے آپ کو کمزور و بے آواز محسوس کرتے تھے وہ آنے والوں سے لڑکی کی باتیں انتہائی دلچسپی اور غور سے سنتے۔ ان سننے والوں میں بہت سے ایسے مظلوم اور غریب لوگ بھی ہوتے جو بڑے اشخاص کو جا کر خبر کر دیتے کہ فلاں فلاں لوگ لڑکی کا بڑا احترام کرنے لگے ہیں اور خطرہ ہے کہ وہ کہیں اس کے ہم نوا نہ بن جائیں۔

اس قسم کے غریب اور مظلوم لوگ چن چن کر اپنے علاقے کے

دیگر مظلوم و غریب اور کمزور و بے بس انسانوں کو بڑے اشخاص کے ہاتھوں نشانہ بنواتے' اور خبردار کرواتے کہ اس لڑکی کے بارے میں کسی کو اجازت نہیں کہ کوئی اچھی بات کرے۔

لڑکی سے محبت کرنے والے کمزور لوگ بظاہر تو خوف زدہ ہو جاتے مگر ذرا دور والے قصبوں میں خرید و فروخت کے بہانے بازاروں میں جب کوئی اس لڑکی کی ہمت' جواں مردی اور دانشمندی کے قصے دہرا رہا ہوتا تو وہ بھی کان لگا لیتے۔ انہیں سب سے زیادہ لڑکی کی یہ بات متاثر کرتی کہ اس کا کس حد تک اپنے اللہ کی رضا پر بھروسہ ہے۔ اور اس نے اس روز کس طرح قرآن کے پیغام سے بڑے بڑے جابروں اور ظالموں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس بڑے شخص کی طاقت کو علاقے کے لوگوں کے سامنے تحلیل کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک دن دور ایک قصبے کے بازار میں ایک چڑھتی عمر کے مولوی نے ایک جوان سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس لڑکی کے واقعہ سے تو حضرت موسیٰؑ کا وہ واقعہ یاد آتا ہے جب جادوگروں کے سانپوں کو اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن کر نگل گیا تھا۔"

اس نے مزید کہا کہ:

"میرے ارد گرد باتیں سننے والے لوگو! وہ لڑکی عزت کرنے کے قابل ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ یہاں کے بڑے بڑوں سے چھٹکارا حاصل کر لو تو اس کے پیچھے پیچھے چل پڑو کیونکہ وہ صرف اور صرف آخری نبیؐ کو ہی اپنا راہنما مان کر قرآن پاک کے پیچھے پیچھے چل رہی ہے۔"

وہ ابھی اپنی بات بھی مکمل نہ کرپایا تھا کہ اس چھوٹے سے مجمع کے پاس ایک بہت قیمتی اور بڑی سی گاڑی آ کر رکی۔ اس میں اسلحہ سمیت کسی کے باڈی گارڈ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی مجمع میں سے ایک غریب سا آدمی بھاگا ہوا گاڑی کے پاس گیا اور اس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کے پاؤں پر سر رکھ کر کہنے لگا کہ:

"وہ مولوی ان لوگوں کو کہہ رہا تھا کہ اس لڑکی کو اپنا راہنما مان لو اور اس کی بات سنا کرو اور اس کی عزت کیا کرو۔ جناب عالی! یہ ایک چھوٹا سا مولوی ہے اور یہیں کا رہنے والا ہے۔ یہ ایک عورت کے حق میں وہ کچھ کہہ رہا ہے جو کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔

جناب عالی!

آپ سے زیادہ اسلام کے بارے میں کون جانتا ہے۔

جناب!

آپ اس کے خلاف فتویٰ دیں تاکہ لوگوں کو اس کی اوقات معلوم ہو جائے۔"

جوان مولوی اپنی جگہ پر کھڑا رہا جب کہ سب لوگ اس گاڑی کو دیکھ کر تتر بتر ہو چکے تھے۔ دکانوں میں بیٹھے ہوئے لوگ جانتے تھے کہ مولوی اب اگلے ہی لمحے ڈھیر کر دیا جائے گا اور گاڑی آگے چلی جائے گی۔ بہت سے لوگوں کو شکایت لگانے والے پر اگرچہ انتہائی غصہ آ رہا تھا اور وہ مولوی کی اس مومنہ لڑکی کے حق میں باتیں سن سن کر خوش ہو رہے تھے اور دلوں میں یہ ہمت پیدا کر رہے تھے کہ اللہ پر بھروسے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کتنی برکتیں ہوتی ہیں مگر ابھی تک وہ اس مقام پر نہیں پہنچے

تھے کہ ان میں کوئی آگے بڑھ کر گاڑی والے کو للکارتا کہ:

"اب اگر کسی کا خون ہوا تو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

گاڑی والے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جب کسی کو بھرے بازار میں مارنا اور ہلاک کرنا ہوتا تو وہ کچھ دیر تک اسے اپنی گاڑی کے آگے آگے بھگاتا۔

گاڑی میں سے ایک باڈی گارڈ نے بندوق کی نالی باہر نکال کر مولوی کو اشارہ کیا کہ گاڑی کے آگے آگے بھاگو!

نوجوان مولوی نے یہ کہتے ہوئے گاڑی کے آگے آگے بھاگنے سے انکار کر دیا کہ:

"پہلے وہ قرآن پڑھنے کے باوجود اس کی ہدایت سے بے خبر تھا۔ مگر اب میں اپنے دل کے ایمان سے یہ کہتا ہوں کہ:

"جو اللہ اس بے سہارا لڑکی کو آپ جیسے جابروں اور طاقتوروں سے محفوظ کر سکتا ہے اگر اس نے چاہا تو وہ مجھے بھی تمہارے ظلم سے محفوظ کر لے گا۔"

اور سن لو کہ:

"میں بھی اسی اسلامی لڑکی کا کارندہ بن گیا ہوں جس نے تمہارے کفر کدے میں جا کر تم جیسے ظالموں کے درمیان کھڑے ہو کر اسلام کا نہ جھکنے والا عظیم پرچم بلند کر دیا ہے۔ اب تم میرے جیسے کتنوں کو مارو گے۔"

بازار میں ادھر ادھر پھرتے لوگ دکانوں کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ اب مولوی تنہا کھڑا تھا۔ اور اس کے آس پاس کوئی بھی نہ تھا اور

نہ ہی کوئی جرات کر رہا تھا کہ آگے بڑھ کر مولوی کو ان کے خونی پنجوں سے بچالے۔

گاڑی میں بیٹھا شخص جب کبھی بازار سے گزرتا تو لوگ دکانوں سے نکل نکل کر اس کے ہاتھ چومتے اور پیروں پر سر رکھ کر اس کی نظر عنایت کی بھیک مانگتے رہتے۔ مگر جب وہ کسی کو ہلاک کرنے کے لیے گاڑی کھڑی کرتا تو لوگ بعد میں اس سے آ آ کر ملتے اور فریادی لہجے میں اپنی اپنی بے گناہی کے حق میں دلیلیں دیتے رہتے۔

مولوی نے اونچی آواز میں کہا:

"لوگو! تم سمجھ رہے ہو میں بے بس اور تنہا ہوں۔"

سن لو!

"میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ میں نے اللہ کے حکم پر چلنا سیکھ لیا ہے چاہے مجھے ایک لمحے کے لیے ہی کیوں نہ جینا پڑے۔"

گاڑی والے شخص نے ایک باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ:

"اس مولوی کی پگڑی کو اس کے سر سے اتار کر اس کے ہاتھوں سے باندھ کر گاڑی کے پیچھے باندھ دو تاکہ اگر یہ گاڑی کے آگے آگے بھاگنے سے شرماتا ہے تو گاڑی کے پیچھے پیچھے بھاگتا چلا آئے اور یوں ہی دو ایک چکر دے کر اسے بازار کے درمیان لا کر گولی مار دو۔"

گاڑی والے کا حکم مان کر ایک باڈی گارڈ نیچے اترا اور اس نے مولوی کی پگڑی اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دائیں طرف سے ایک گولی آئی جو اس کے ہاتھ کے درمیان سوراخ بناتی ہوئی سامنے دیوار کو جا لگی۔

اس بازار میں یہ انتہائی حیران کن واقعہ تھا۔ گولی چلانے والا کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھا ہوا شخص آپے سے باہر ہو گیا مگر اندر سے اتنا خوف زدہ کہ گاڑی سے باہر آنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی کے اندر سے ہی چلایا:

"یہ کس نے ہمارے قہر کو آواز دی ہے۔"

اتنے میں دوسری گولی گاڑی کے شیشے کو چیرتی ہوئی اس کے پگڑ کو اڑاتی ہوئی گاڑی کے مخالف شیشے کو جا لگی جس سے وہ بھی چور چور ہو کر رہ گیا۔ بازار والے دم بخود یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"مولوی ابھی تک اپنی جگہ پر ستون کی طرح کھڑا تھا۔" لوگ کچھ کچھ حوصلہ پا رہے تھے مگر کسی طور بھی سامنے آنے سے گریزاں تھے۔

گاڑی والے شخص نے فوری طور پر گاڑی کو بھگا کر بازار سے نکل جانے کے لیے ڈرائیور کو ہدایت دی مگر تیسری گولی نے اگلے ٹائر کو تباہ کر کے چلنے کے قابل نہ رہنے دیا۔

باڈی گارڈ خود حیران تھے کہ:

"یہ گولیاں کہاں سے آ رہی ہیں اور کون شخص اپنی پسند کا نشانہ انتہائی مہارت سے لے رہا ہے اور نشانہ اتنا بے خطا کہ نشانہ لینے والا جب چاہے گا ان میں سے ایک ایک کو اپنی پسند کے مطابق معذور کر کے رکھ دے گا۔ ان کی بندوقیں گولیوں سے بھری کی بھری رہ گئی تھیں۔ اور ان میں کسی کو یہ ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ باہر نکل کر اور گھوم پھر کر یہ دیکھے کہ گولی چلانے والا کون ہے یا کس جگہ پر بیٹھا ہوا ہے؟ تاکہ اور کچھ نہیں تو بغیر دیکھے اس جانب گولیوں کی برسات کر دی جائے۔"

ان چند لمحوں کے توقف میں ایک کاغذ کا پرزہ جو ایک پتھر پر لپٹا ہوا تھا گاڑی والے کے پاس آ کر گرا۔ اس نے ایک باڈی گارڈ کو کاغذ اٹھانے کے لیے کہا مگر وہ بھی خوف زدہ تھا کہ مبادا پھر کوئی گولی اس کا کام تمام کر دے۔ ان کی ہچکچاہٹ دیکھتے ہوئے مولوی نے آگے بڑھ کر وہ کاغذ اٹھا کر ان کے حوالے کر دیا۔

کاغذ پر لکھا تھا کہ:

"اگر تم پڑھے لکھے ہو تو غور سے اسے پڑھو اور سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ اگلی ملاقات میں آپ پر یہ احسان نہیں ہو سکے گا۔

"جلد یہ سطوت اسباب بھی اٹھ جائے گی
یہ گراں باری آداب بھی اٹھ جائے گی
خواہ زنجیر چھنکتی ہی' چھنکتی ہی رہے"

اور جاتے ہوئے اپنے باڈی گارڈوں کا اسلحہ مولوی صاحب کے حوالے کر جانا۔

تمہارا

(ایک محسن)

لوگ دیکھ رہے تھے کہ گاڑی والا شخص کاغذ کے پرزے کو بار بار پڑھ رہا تھا اور اس بے بس مولوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے باڈی گارڈ الگ گھبرائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ کو ہدایت کی کہ تمام اسلحہ مولوی کے حوالے کر دیا جائے۔

گاڑی کو وہیں چھوڑ کر بے اسلحہ ہو کر وہ گارڈوں سمیت بازار سے نکل گیا۔

لوگوں نے بعد میں فوری طور پر دیکھنے کی کوشش کی کہ کس اللہ کے بندے نے مولوی صاحب کی جان بچائی ہے مگر وہ کسی بھی ایسے شخص کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے۔ البتہ شکایت لگانے والا مخبر لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ چنانچہ دکانداروں نے اور بعض دوسرے غصے سے بھرے ہوئے لوگوں نے اس کی وہ دھنائی اور پٹائی کی کہ وہ شام تک اسی بازار میں بے ہوش پڑا رہا مگر کوئی بھی اسے ہسپتال لے جانے کو تیار نہ تھا۔

گاڑی والا شخص ڈاکوؤں کے گروہ کا سب سے بڑا اور طاقت ور ترین سردار تھا جس نے ایک بڑے مذہبی عالم کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ لوگوں میں کبھی کبھی وعظ بھی کیا کرتا تھا سادہ لوح لوگوں نے اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اور اس کی طاقت سے گھبرا کر اسے اپنا پیر و مرشد بنا رکھا تھا اور اس سے سرتابی کرنا جرم و گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے لوگوں کو اگر علم بھی ہوتا کہ اس نے کسی کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا ہے تو اس کے خلاف مقدمہ درج کروانے والا یا گواہی دینے والا کوئی نہ ہوتا۔

پچھلے کئی سالوں سے وہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ تھا اور اسی کے گروہ کے کئی لٹیرے بازار والوں سے زبردستی کا ٹیکس لیتے رہتے۔ غریب و کمزور ویسے بھی خوشی خوشی انہیں ٹیکس وغیرہ دے دیا کرتے تاکہ ان کی جان و عزت محفوظ رہے۔

دیگر علاقوں کے بڑے بڑے اشخاص اسے اپنی مٹھی میں رکھنے کو ترجیح دیتے۔ بہت بڑی مشکل بننے پر دیگر ڈاکوؤں کے گروہ بھی اسی کی مدد حاصل کرتے۔

اس دن کے واقعہ نے اسے ہلا کے رکھ دیا تھا کیونکہ بازار میں اب

کسی نے بھی آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے اور نہ ہی کسی نے اس کے پیروں پر سر رکھا تھا۔

وہ لوگوں کو بتایا کرتا تھا کہ:

"اس نے ولایت کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ اسی لیے جب وہ انگریزی بولنے پہ آتا تو بڑے بڑے عہدیدار اس سے گھبرا کر زیادہ بات نہ کرتے اور صرف اسی کو سنتے سنتے اور اپنی کہے بغیر واپس چلے جاتے۔ اور کوئی عہدے دار اس کے خلاف کارروائی کرنا بھی چاہتا تو وہ اپنے بغیر تاروں والے ٹیلیفون سے اس کی بات کسی ایسے بڑے حکومتی عہدے دار سے کروا دیتا کہ وہ اس سے معذرت کرتا ہوا واپس چلا جاتا۔ مگر اس واقعہ کا خوف اس کی رگ رگ میں اتر چکا تھا۔ اس نے راستے میں بھی کئی بار اس کاغذ کے پرزے کو پڑھنے کی کوشش کی۔ اس نے تحریر کو جانچنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ لکھنے والا یقیناً عام لوگوں سے کہیں زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ دوسرا یہ کہ لکھنے والا کوئی پیشہ ور قاتل یا تشدد پسند نہیں ہے۔ البتہ تحریر کے تیکھے پن سے ظاہر تھا کہ اگلی بار کسی ایسے واقعہ کے نتیجے میں وہ اسے زندہ نہیں رہنے دے گا اور کسی نہ کسی حوالے سے وہ اس کا پیچھا کرتا رہے گا۔ اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس طرز کا پڑھا لکھا شخص اس کے علاقے میں کوئی نہیں ہے۔

لڑکی کے بارے میں جو معلومات اسے پہنچ چکی تھیں وہ بھی تقریباً اس قسم کی تھیں کہ لڑکی انتہائی دانشمند اور بے خطا نشانے کی مالک ہے اور عام مردوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ مگر ساتھ ہی اسے یہ بھی خبر مل چکی تھی کہ لڑکی کو گاؤں کے لوگ ہر وقت اپنی پاسبانی میں لیے رکھتے ہیں اور اس

سے زندگی کے مختلف حقائق کے بارے میں سوال کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح علم و آگاہی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

اس کے مخبروں نے اسے یہ بھی معلومات فراہم کی تھیں کہ لڑکی اپنی حکمت عملی سے گاؤں میں پڑی ہوئی ویران و سنسان زمینوں اور ٹیلوں کو فصلوں اور پھولوں سے بھر دینے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔ اور چند مہینوں تک جو فصل پک کر تیار ہو گی اس کے بدلے میں اس گاؤں والے بے حساب دولت کے مالک بن جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے پاؤں دریا کے پار والے بیلے میں رہتے ہوئے ڈاکوؤں کے اس گروہ کی جانب اٹھ گئے۔ جو اپنے علاقوں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں مار کرتا اور قانون نافذ کرنے والے ان سے عاجز تھے اور بذات خود ان کا سب سے پہلے خاتمہ چاہتے تھے۔

اگرچہ پچھلی کئی وارداتوں میں گاڑی والے شخص کی حکمت عملی انہیں فائدہ پہنچاتی رہی تھی اور وہ اسی سے مشورے اور راہنمائی طلب کیا کرتے تھے مگر اس بار وہ خود رسوا ہو کر ان کی جانب آیا تھا جس کی اطلاع وہ پہلے ہی پا چکے تھے۔

ڈاکوؤں کا طریقہ واردات یہ تھا کہ جہاں انہوں نے تباہی لانا ہوتی وہاں پہلے سے وہ اپنے مخبروں کو بھیج کر اپنی پسند کے لوگوں کو ہوشیار کر دیتے اور مشکل وقت میں چھپنے کے لیے بھی گاؤں ہی میں سے چند گھرانوں کو منتخب کیے رکھتے۔

پچھلے کافی دنوں اور مہینوں سے ڈاکوؤں کے گروہ لڑکی والے علاقے میں واردات کی کوشش کر رہے تھے مگر اس علاقے میں سے اب

کوئی بھی شخص اور گھر کسی ڈاکو یا ان کے حواری یا مخبر کو پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ ابھی تک ناکام و نامراد تھے۔ انہوں نے لڑکی والے گاؤں میں بار بار بعض کمینوں' حاسدوں اور پست عقل کے لوگوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر گاؤں والوں نے ایسے لوگوں کو مار مار کر یا تو گاؤں سے نکال دیا تھا یا وہ بذات خود آخر کار لڑکی کے طریقوں سے متاثر ہو کر راہ راست پر آچکے تھے اور اب وہ لڑکی کے خلاف یا گاؤں میں کسی کے خلاف کسی دوسرے شخص کی مدد کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور اس وجہ سے ڈاکوؤں کے تمام گروہ اس علاقے میں واردات کرنے سے کترا رہے تھے مگر کسی بھی مناسب وقت پر وہاں واردات کرنے اور تباہی پھیلانے کے لیے نئی اور بہتر حکمت عملی تیار کرنے میں کوشاں تھے۔

اس واقعہ کے اگلے روز مولوی صاحب اس گاؤں میں لڑکی کے پاس آئے اور نہایت ادب سے پچھلے روز کے واقعہ کی تفصیل بتلائی اور گاڑی والے کا اسلحہ بھی لڑکی کے سامنے رکھ دیا۔ وہ انتہائی اطمینان اور خاموشی سے اسے سنتی رہی اور اس واقعہ پر کوئی تبصرہ کرنے سے گریزاں رہی۔ البتہ اس نے مولوی صاحب کو ہدایت کی کہ:

"وہ گاؤں والوں کو قرآن کے معنی و تفسیر سے آگاہ کرنے کی ذمہ داری لیں تاکہ یہ لوگ جس کتاب کو چوم چوم کر اور غلافوں میں چھپا کر اپنے طاقوں میں محفوظ کیے رکھتے ہیں انہیں یہ علم ہو جائے کہ ابھی تک وہ کتنی بڑی عظمتوں والی راہنمائی سے محروم ہیں۔"

لڑکی نے مولوی صاحب کو سب سے پہلے اپنے علم اور نظریات کو وسعت دینے کی ہدایت کی۔ اس نے بہت سی کتابیں مولوی صاحب کو

پڑھنے کے لیے دیں۔

اور گاؤں والوں کو کہا کہ:

"مولوی صاحب کو اسی گاؤں کا باشندہ تسلیم کیا جائے اور گاؤں کی دولت میں بھی برابر کا حصہ دار سمجھا جائے۔"

یہ ملاقات بہت طویل نہیں تھی۔ مگر مولوی صاحب کو پہلی بار دانش و حکمت سے لبریز کسی باوقار اسلامی خاتون سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں متعدد بار قرآن کی آیات کا حوالہ دیتی چلی جاتی اور سننے والا متاثر ہوئے بناء نہ رہ سکتا۔ مولوی صاحب کو اپنی حاصل شدہ تعلیم بہت ہی کمزور اور بے جان و بے طاقت سی محسوس ہونے لگی۔ اسے اپنے اس مدرسے کا بھی خیال آیا جہاں زندگی جمود سے لبریز اور بے حرکت و بدصورت سی تھی۔ جہاں فرد کو صرف مسجد کی امامت کے لیے تیار کیا جاتا تھا' اور زندگی کی ہر مسرت کو حرام سمجھا جاتا تھا اور یوں مسجد بھی راہبوں کی کوئی غار محسوس ہونے لگتی۔ اسے اپنے مدرسے کے اساتذہ کے ناتواں علم پر بہت حیرت ہونے لگی۔ ان اساتذہ نے اس کے ذہن و تصور میں اسلامی عورت کا جو نقشہ بٹھایا تھا وہ تقریباً کسی مظلوم' مقید' مسکین و دلگیر' بے آواز و بے حیثیت اور بے وقار سی خاتون کا تھا جس کا تعلق پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک صرف اور صرف چار دیواری سے تھا' جو ہر طرح کا علم حاصل کرنے سے محروم کر دی گئی ہو' جو قوم' ملک یا امت کے مسائل کے بارے میں کسی طرح بھی باخبر نہ ہو سکتی ہو اور جو قرآن کو صرف ناظرہ ہی کی حد تک تمام عمر پڑھتی رہی ہو۔

مولوی صاحب جوں جوں اپنے مسکن کی جانب لوٹ رہے تھے

انہیں لڑکی کی اسلامی خواتین کے بارے میں دی گئی تاریخی مثالیں انتہائی متاثر کن لگیں۔ ان مثالوں کی جانب پہلے کبھی اس کی توجہ نہ گئی تھی۔

اسے لڑکی کا یہ کہنا بھی بہت خوبصورت لگا کہ:

"قرآن کریم کی روح کے مطابق کوئی انسان بے علم نہیں کیونکہ کائنات کا سارے کا سارا علم اور دیگر تمام حقائق فطرت آدم میں ودیعت کر دیے گئے ہوئے ہیں۔ اور ہر انسان اسی فطرت کی وراثت لیے ہوئے آ رہا ہے۔ البتہ جنہوں نے اس وراثت کا وسیع اور بہتر ادراک کر لیا ہوتا ہے وہ اہل علم و عرفان کہلاتے ہیں اور ان کی ذمہ داری و فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ بے خبر اور گمراہ انسانوں کی توجہ اس نورِ علم کی جانب مبذول کروائیں جس سے ان کی فطرت لبریز و سرشار ہوتی ہے اور یہ توجہ بہتر طور پر صرف محبت اور شفقت سے ہی دینا ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ تشدد اور سختی سے سکھایا گیا علم انسان کو کسی نہ کسی حوالے سے نفسیاتی مریض بنا کے رکھ دیتا ہے۔

مولوی صاحب کو اپنے مدرسے میں بچوں پر ہوتا ہوا بے پناہ تشدد یاد آیا جس کے نتیجے میں وہ بچے جوان ہو کر انتہائی سخت گیر' بے رحم' کرخت اور کٹر قسم کے مذہبی راہنما ثابت ہوتے اور معاشرے میں گمراہ اور بے دین لوگوں کو دین کے قریب لانے کی بجائے انہیں متنفر کرنے کا باعث بنتے۔

اس نے یہ بھی مشاہدہ کیا تھا کہ لڑکی کا حلیہ کتنا پاکیزہ اور پروقار تھا' اس کے کھانے پینے کے طریق کتنے مسحور کن تھے اور اس کی گفتگو میں استعمال کیے گئے الفاظ اس حقیقت کی گواہی دیتے تھے کہ اسلام کے بارے میں اس کے اپنے جانے پہچانے علماء جو کہ اس کے ارد گرد بستے تھے کی

نسبت وہ کہیں زیادہ باعلم اور باعمل تھی۔

مولوی صاحب نے ارادہ کر لیا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو وہ خود جہاں تک ممکن ہوا ایسا امتی بننے کی کوشش کرے گا جو واقعی گمراہ انسانوں کے لیے ہدایت ثابت ہو اور جو اسے دیکھ کر اور مل کر خود بخود راہ راست پر آنے کی سعی کریں۔

(20)

اسرائیلی ائرہوسٹس نے لندن میں اپنے قیام کے دوران جب کہ وہ ایک ہوٹل میں پاکستانی اخباروں کے مطالعہ میں مصروف تھی تو اس کی توجہ ایسی خبروں کی جانب چلی گئی جس میں ایک لڑکی کو پاکستان کے کسی علاقے میں وہاں کے کسی بڑے شخص کے خلاف بغاوت اور احتجاج کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اتفاقاً" یہ کسی اخبار کا ہفتہ وار اخباری رسالہ تھا۔ اس رسالے میں اس واقعہ کی باقاعدہ خبر تو نہیں تھی البتہ لکھنے والے نے اس خبر اور واقعہ کا سہارا لے کر پاکستانی سوسائٹی اور کلچر کے بارے میں بھرپور تجزیہ کیا ہوا تھا جس میں اس نے جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کے خلاف اتنا ہی شدید احتجاج کیا ہوا تھا جتنا کہ کبھی سوشلسٹ لوگ سویت یونین کے ختم ہونے سے پہلے اور روسی انقلاب کے دوران کیا کرتے تھے۔

ائرہوسٹس کو اگرچہ وہ مضمون کافی دلچسپ لگا لیکن اس نے

مضمون میں درج خبر کے حوالے سے اس لڑکی کے بارے میں باقاعدہ خبروں کا کھوج لگانے کی غرض سے پہلے تو مختلف اخباروں کا مطالعہ کیا مگر اس سلسلے میں بہت زیادہ مواد یا اشارے نہ ملنے کے باعث اس نے عبدالودود کے بیٹوں کے تیسرے ساتھی سے رابطہ کرنے کا پروگرام بنایا تاکہ اسے اس خبر سے آگاہ کیا جا سکے۔

جو مضمون ائرہوسٹس نے اخبار میں پڑھا تھا اس میں مضمون نگار نے یہ بھی لکھا تھا:

"کہ بغاوت کرنے والی لڑکی انتہائی ذہین' اور بے باک ہے جسے دیکھ کر تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی تاریخ کی بڑی بڑی دلیر و ذہین خواتین کی یاد آتی ہے۔

اسرائیلی ائرہوسٹس جانتی تھی کہ:

"مسلمان ہو جانے والی لڑکی کوئی عام سی لڑکی نہ تھی جو بزدل' بے خبر' کمزور اور نااہل ہو بلکہ وہ ایک بہادر اور باعلم خاتون تھی اور مسلمان ہونے کے بعد تو وہ انتہائی بے باک اور نظریاتی ہونے کی بناء پر ناقابل تسخیر ہو چکی تھی اور یوں وہ خاموش رہ کر بیٹھ رہنے والی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ سارا نظام جس کا نقشہ مضمون نگار نے کھینچا تھا اس میں تو وہ لڑکی مر سکتی تھی مگر اسے قبول نہیں کر سکتی تھی۔"

ہوسٹس نے اپنے تمام تر تجزیے کے باوجود اسے اپنا صرف گمان و وہم ہی سمجھا کیونکہ اپنے مطالعہ کی بناء پر وہ جانتی تھی کہ جوان ہوتی ہوئی پاکستانی نسلیں کسی بھی جمود زدہ نظام کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں اور اس سلسلے میں پاکستانی اخباروں اور رسالوں کے مضامین گواہ تھے

کہ بہت سے نئے اور جوان قلمکاروں کی تحریریں بہت زیادہ کاٹ رکھنے والی تھیں۔

ائرہوسٹس کا خیال تھا کہ:

"پاکستان میں طویل مارشل لاء اور تباہ شدہ جمہوریت کے باوجود جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کی وحشتیں ضرور مدھم پڑی ہیں۔ اسے ان خبروں سے زیادہ مسرت ہوئی کہ پاکستان کو کرپشن کے لحاظ سے دنیا کی قوموں میں بدترین مقام حاصل ہے۔"

ہوسٹس کیونکہ تربیت یافتہ تھی اس لیے اس نے باغی لڑکی والی خبر کے حوالے سے واقعات کی تہہ تک جانے کا ارادہ کرلیا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال اٹک کے رہ گیا کہ لڑکی کے بارے میں بغاوت کی خبریں ان دنوں اور تاریخوں میں آئی تھیں جن دنوں میں لڑکی اسرائیل کی گولان والی پہاڑیوں کے علاقوں میں ایک نئی بستی کے قریب سے بوڑھے کریم کے گھر سے غائب ہوئی تھی۔ اس نے اپنے لیے اسے ایک دلچسپ مہم جانا مگر اس سلسلے میں کوئی بھی بڑا قدم اٹھانے سے پہلے وہ تیسرے ساتھی سے راہنمائی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

انہی دنوں میں ایک مذہبی تنظیم کے افغانستان پہ قبضے کے بعد دونوں بھائیوں میں سے بڑا نوجوان افغانستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہاں رہ کر وہ ایسے لوگوں کو اعتماد میں لے جو طویل عرصہ تک سویت یونین کے ساتھ لڑتے رہے اور آخر کار کامیاب ہوئے۔ اسے اپنی تنظیم کو فعال بنانے کے لیے ایسے ہی لوگوں کی راہنمائی اور مدد درکار تھی۔

وہ ان سے مختلف حکمت عملیوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا تاکہ فلسطین

کے لیے وہ زیادہ موثر کام کر سکے۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ رکھے پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے ان کا تیسرا ساتھی زیادہ مدد کی ضرورت محسوس کرے اور وہ تنہا بعض حالات سے نہ نمٹ سکے اس لیے اس نے چھوٹے بھائی کو پاکستان میں ہی چھوڑ جانے کا فیصلہ کیا۔

اسی دوران ائرہوسٹس تیسرے ساتھی سے ان تمام جگہوں پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکی تھی جہاں جہاں اسے بتلایا گیا تھا مگر تاحال وہ اس سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی۔ وہ اگرچہ ان دونوں بھائیوں کے بارے میں تو جانتی تھی مگر وہ دونوں تاحال اس سے اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں بے خبر تھے۔ ہوسٹس اپنی تربیت کی وجہ سے بہت زیادہ محتاط تھی۔ اسی لیے اس نے دونوں بھائیوں سے مل کر تیسرے ساتھی کے بارے میں جاننے کا خطرہ مول نہ لیا مبادا کہ وہ جان جائیں کہ آخر کار وہ کون ہیں اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

ابھی تک ان کا تیسرا ساتھی دونوں بھائیوں سے یہ کہہ کر ہی غائب رہتا تھا کہ وہ تنظیم کو مزید فعال بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ دوڑ دھوپ کر رہا ہے اور اس طرح وہ انہیں بہت سے چھوٹے منصوبوں اور پروگراموں کے بارے میں آگاہ کرتا رہتا تھا تاکہ ان کا اعتماد بحال رہے۔

ائرہوسٹس کے لیے لڑکی کی بغاوت کے بارے میں چھپی ہوئی خبر بہت اہم تھی کیونکہ وہ بہت جلد اس کی تہہ تک پہنچنا چاہتی تھی۔ لیکن اس علاقے میں جانے سے پہلے وہ تیسرے ساتھی کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی تاکہ اس سے راہنمائی حاصل کرنے کے علاوہ کسی بھی ممکنہ صورت حال سے اکیلی نمٹنے کی بجائے اس کی مدد کو بھی شامل رکھا جائے یا کم از کم تیسرا ساتھی

اس کی پشت پناہی کرتا رہے اور وہ اعتماد کے ساتھ اس علاقے میں لڑکی تک رسائی حاصل کر سکے

لندن میں رہ کر ائیرہوسٹس کے لیے ٹیلیفون کے ذریعے مزید رابطے چنداں بہتر نہیں تھے اسی لیے اس نے پاکستان میں داخل ہونے کے لیے ایک غیر ملکی خاتون صحافی کا روپ دھارنے کا طریقہ کار بہتر جانا۔

چنانچہ اس نے سکھلائے ہوئے طریقوں کے مطابق مختلف اخباروں سے رابطہ قائم کر کے دو ایک مہینوں کی محنت کے بعد ایک غیر ملکی اخبار کے توسط سے پاکستان میں داخلے کے لیے راہ ہموار کر لی۔ باہر کے ملک کے جس اخبار کے توسط سے اس نے پاکستان جانے کا پروگرام بنایا تھا وہ بذات خود اسرائیلیوں کے مقاصد کو آگے بڑھا رہا تھا اور اکثر و بیشتر بالواسطہ طور پر مسلمانوں کے خلاف نئے نئے مضامین چھاپتا رہتا تھا۔ پاکستان تو بہرحال اس کا نشانہ رہتا تھا اور بعض اوقات پاکستان کی بعض شخصیتوں کو بلیک میل کر کے ان سے لاکھوں ڈالر بٹورنا بھی اس کے بہت سے حربوں میں سے ایک تھا۔ اس اخبار کے مالک کے پاکستان میں کچھ ایسے لوگوں سے رابطے قائم تھے جن کے ذریعے وہ خفیہ اور راز دارانہ خبریں حاصل کر لیتا اور جن کی بناء پر بعد میں وہ اچھے خاصے سکینڈل بنا سکتا۔

اس ملک میں گئے ہوئے پاکستان کے بعض بڑے اشخاص بھی اسی اخبار کے مالک کے ہاں ہی ٹھہرنا پسند کرتے یا اس کی وساطت سے کہیں بھی ٹھہرنا ان کے لیے زیادہ باعث فخر ہوتا۔ اپنی نجی محفلوں میں یہ ٹھہرے ہوئے لوگ اس کے علم و دانش کی بہت تعریف کرتے۔ کئی بار یہ لوگ اپنے مخالفین کے بارے میں اسے معلومات فراہم کرتے اور وہ اس کے عوض

انھیں کچھ اور رعاتیں اپنے ملک سے حاصل کروا دیتا۔ ان لوگوں کو اس اخبار کے مالک کے اثر و رسوخ پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ اس کی وساطت سے اس خطے کے کسی بھی ملک میں سیاسی پناہ حاصل کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے وہ بڑھ چڑھ کر اس سے تعلق قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔

یہ امر اور بھی باعث دلچسپی تھا کہ اس سے نہ صرف پاکستان سے تعلق رکھنے والے بعض بڑوں کے روابط تھے بلکہ اس سے اسی قسم کے روابط بھارت کے بعض لوگوں کے بھی تھے اور ان کے مقاصد بھی ویسے ہی تھے۔ اس طرح دو دشمن ملکوں کے بعضوں کو آپس میں قریب رہنے کا موقع مل جاتا اور وہ شخص ان میں بہتر درجے کی افہام و تفہیم پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوتا۔ دنیا کی بہت سی خفیہ ایجنسیوں کے ممبران کے بھی اس سے تعلقات تھے۔ را، موساد اور سی آئی اے کے ممبر تو اس سے اکثر ملتے رہتے۔ بھارت کے تعلق دار مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے کے باوجود سراپا سیکولر تھے اور پرلے درجے کے آزاد منش، عیش پرست، لبرل اور تمام اخلاقی حدود سے مبرا ہوتے اور پاکستان کے جن لوگوں کے ان سے رابطے تھے وہ بھی مسلمان ہونے کے باوجود ہو بہو ان جیسے طریقوں کے مالک ہوتے۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بناء پر ان میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بھارتی بنیادی طور پر اتنے غیر محب وطن ثابت نہ ہوتے جتنے پاکستان سے تعلق رکھنے والے اس کے تعلق دار۔ ان پاکستانیوں کے لیے دین کی محبت یا حب الوطنی کوئی معنی نہ رکھتی اور وہ ذاتی مقاصد کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے۔

جب کبھی وہ اخبار کسی پاکستانی ادارے یا شخص کے خلاف سکینڈل

چھاپتا تو وہ سیخ پا ہو کر اس اخبار کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کی لمبی لمبی باتیں کرتے لیکن عملی طور پر وہ اس اخبار کے خلاف کچھ کرنے کی کبھی جرات نہ کرتے۔ شاید اس کی وجہ سکینڈل میں چھپی ہوئی سچائی ہوتی جس کا سامنا کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوتی اور یوں اخبار کا مالک مزید سکینڈل نہ چھاپنے کے عوض ان سے فارن کرنسی میں سودا کر لیتا اور اچھی خاصی رقم بٹورتا رہتا۔

اخبار کے مالک نے اسرائیلی ائر ہوسٹس کو صحافی بھرتی کرنے کے ساتھ ہی اخبار کی پالیسی سے آگاہ کر دیا۔ لیکن ہوسٹس نے اسے اپنے ارادوں سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ تمام تر بہترین تعلقات کے باوجود وہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہ کرتی اس لیے کہ یہ ان کی تربیت میں شامل تھا۔ اور تعلقات کی نوعیت کی اجازت انہیں پہلے اپنے خفیہ ادارے کے مرکزی آفیسر سے حاصل کرنا ہوتی تھی۔

اگلے چند مہینوں میں ہوسٹس نے بعض پاکستانیوں سے روابط پیدا کر لیے تھے جو پناہ کی غرض سے اس اخبار کے مالک کے پاس آتے جاتے رہتے۔ ہوسٹس نے بدلتے موسم کے کسی مہینے میں پاکستان جانے کا پروگرام طے کر لیا۔

تیسرا ساتھی اسرائیلی ہدایات کے مطابق اپنی رپورٹیں تیار کرنے میں اتنا مگن رہا کہ اس نے بذات خود ہوسٹس سے لڑکی کی تلاش کے لیے تیز رابطہ رکھنے کو زیادہ ترجیح و اہمیت نہ دی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ مستند رپورٹیں تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ اسرائیلی خفیہ ادارے میں قبولیت حاصل کر گئیں تو وہ بہت جلد بہترین عہدے پر فائز ہو جائے گا۔ اس

دوران اس نے لڑکی کے بارے میں اس لیے بھی زیادہ نہ سوچا کیونکہ دیگر اسرائیلی ایجنٹ اور بذات خود ہوسٹس بھی اسی لڑکی کی تلاش میں دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ ان میں کسی کو بھی لڑکی کی موجودگی کے بارے میں اشارہ ملا تو وہ پہلے اسی سے رابطہ کریں گے۔

تیسرے ساتھی نے پاکستان کے سماجی، تعلیمی، مذہبی اور سیاسی نظاموں کے بارے میں جو رپورٹیں تیار کی تھیں۔ اس کی رائے میں وہ انتہائی قابل اعتماد تھیں۔ یعنی ان سے راہنمائی حاصل کر کے اسرائیل بڑے آرام سے پاکستان کے سنی اور شیعہ فرقوں کے بعض کٹر لوگوں کو آپس میں دست و گریباں کروا کے تخریب کاری اور قتل عام کی فضا پیدا کروا سکتا تھا۔ اور اسی طرح سیاسی، تعلیمی اور سماجی افراتفری پیدا کروا سکتا تھا۔

بہرحال ان رپورٹوں میں درج بعض خاص خاص نکات بہت قابل غور تھے جن میں کچھ یوں تھے:

☆ "پاکستانی نظام تعلیم کی بنیادیں وہی ہیں جو انگریزوں نے انہیں محکوم بنانے کے بعد تھیں۔ پاکستانی حکومتوں نے انہیں تبدیل کرنے کی کوئی کوششیں نہیں کیں البتہ بڑی ضخیم رپورٹیں اور پالیسیاں تیار کروائیں جو اول بدل کر انگریزوں کے دیئے ہوئے نظام تعلیم کو ہی لاگو کرنے پر اکتفا کرتی ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ پالیسیاں بنانے والے لاشعوری طور پر محکومی کی وجہ سے انگریزوں سے ہی متاثر تھے۔ ان کے نظام تعلیم میں کہیں کہیں دکھاوے کا اسلامی رنگ نظر آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو

اس کی پشت پناہی کرتا رہے اور وہ اعتماد کے ساتھ اس علاقے میں لڑکی تک رسائی حاصل کر سکے

لندن میں رہ کر ائیرہوسٹس کے لیے ٹیلیفون کے ذریعے مزید رابطے چنداں بہتر نہیں تھے اسی لیے اس نے پاکستان میں داخل ہونے کے لیے ایک غیر ملکی خاتون صحافی کا روپ دھارنے کا طریقہ کار بہتر جانا۔

چنانچہ اس نے سکھلائے ہوئے طریقوں کے مطابق مختلف اخباروں سے رابطہ قائم کر کے دو ایک مہینوں کی محنت کے بعد ایک غیر ملکی اخبار کے توسط سے پاکستان میں داخلے کے لیے راہ ہموار کر لی۔ باہر کے ملک کے جس اخبار کے توسط سے اس نے پاکستان جانے کا پروگرام بنایا تھا وہ بذات خود اسرائیلیوں کے مقاصد کو آگے بڑھا رہا تھا اور اکثر و بیشتر بالواسطہ طور پر مسلمانوں کے خلاف نئے نئے مضامین چھاپتا رہتا تھا۔ پاکستان تو بہرحال اس کا نشانہ رہتا تھا اور بعض اوقات پاکستان کی بعض شخصیتوں کو بلیک میل کر کے ان سے لاکھوں ڈالر بٹورنا بھی اس کے بہت سے حربوں میں سے ایک تھا۔ اس اخبار کے مالک کے پاکستان میں کچھ ایسے لوگوں سے رابطے قائم تھے جن کے ذریعے وہ خفیہ اور رازدارانہ خبریں حاصل کر لیتا اور جن کی بناء پر بعد میں وہ اچھے خاصے سکینڈل بنا سکتا۔

اس ملک میں گئے ہوئے پاکستان کے بعض بڑے اشخاص بھی اسی اخبار کے مالک کے ہاں ہی ٹھہرنا پسند کرتے یا اس کی وساطت سے کہیں بھی ٹھہرنا ان کے لیے زیادہ باعث فخر ہوتا۔ اپنی نجی محفلوں میں یہ ٹھہرے ہوئے لوگ اس کے علم و دانش کی بہت تعریف کرتے۔ کئی بار یہ لوگ اپنے مخالفین کے بارے میں اسے معلومات فراہم کرتے اور وہ اس کے عوض

انہیں کچھ اور رعاتیں اپنے ملک سے حاصل کروا دیتا۔ ان لوگوں کو اس اخبار کے مالک کے اثر و رسوخ پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ اس کی وساطت سے اس خطے کے کسی بھی ملک میں سیاسی پناہ حاصل کر سکتے تھے اور اسی وجہ سے وہ بڑھ چڑھ کر اس سے تعلق قائم کرنے کی جدوجہد کرتے رہتے۔

یہ امر اور بھی باعث دلچسپی تھا کہ اس سے نہ صرف پاکستان سے تعلق رکھنے والے بعض بڑوں کے روابط تھے بلکہ اس سے اسی قسم کے روابط بھارت کے بعض لوگوں کے بھی تھے اور ان کے مقاصد بھی ویسے ہی تھے۔ اس طرح دو دشمن ملکوں کے بعضوں کو آپس میں قریب رہنے کا موقع مل جاتا اور وہ شخص ان میں بہتر درجے کی افہام و تفہیم پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ثابت ہوتا۔ دنیا کی بہت سی خفیہ ایجنسیوں کے ممبران کے بھی اس سے تعلقات تھے۔ را، موساد اور سی آئی اے کے ممبر تو اس سے اکثر ملتے رہتے۔ بھارت کے تعلق دار مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے کے باوجود سراپا سیکولر تھے اور پرلے درجے کے آزاد منش، عیش پرست، لبرل اور تمام اخلاقی حدود سے مبرا ہوتے اور پاکستان کے جن لوگوں کے ان سے رابطے تھے وہ بھی مسلمان ہونے کے باوجود ہو بہو ان جیسے طریقوں کے مالک ہوتے۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بناء پر ان میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بھارتی بنیادی طور پر اتنے غیر محب وطن ثابت نہ ہوتے جتنے پاکستان سے تعلق رکھنے والے اس کے تعلق دار۔ ان پاکستانیوں کے لیے دین کی محبت یا حب الوطنی کوئی معنی نہ رکھتی اور وہ ذاتی مقاصد کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتے۔

جب کبھی وہ اخبار کسی پاکستانی ادارے یا شخص کے خلاف سکینڈل

لوگ اس نظام تعلیم کو لاگو کرنے کا اختیار رکھتے ہیں وہ بذات خود اسلام سے متاثر نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ حالات خود بخود اسرائیل اور سیکولر لوگوں کے حق میں جا رہے ہیں۔ اسی لیے اسرائیل کے خفیہ اداروں کو کوشش کرنی چاہیے کہ یہاں کا نظام تعلیم سیکولر ہی رہے اور اسلامی طور پر شیعہ اور سنی فرقے علیحدہ علیحدہ نصاب پر زور دیتے رہیں تاکہ نظام تعلیم میں بھی فرقہ پرستی کی جڑیں مضبوط کر دی جائیں۔"

☆ "پاکستان کا نظام تعلیم مخصوص اور مختلف طبقے پیدا کر رہا ہے امراء اور غرباء کے لیے کلچر کے لحاظ سے مکمل طور پر مختلف قسم کی درسگاہیں ہیں۔ یہ تضاد پاکستان کے دشمنوں کے حق میں ہے چنانچہ اسے مضبوط تر کر دینا ضروری ہے۔

☆ پاکستان میں امراء اور اہل اختیار طبقہ تعلیم کے شعبے سے منسلک افراد کو قابل عزت مخلوق تصور نہیں کرتا۔ چنانچہ اساتذہ کا طبقہ احساس کمتری میں مبتلا رہتا ہے اور یوں بھی چھوٹی درسگاہوں کے اساتذہ کو معاشی پریشانیوں میں مبتلا کر کے بے تکریم و بے حال کر دیا گیا ہے۔ پاکستان کے دشمنوں کے لیے یہ حالات بہت سازگار ہیں۔

رپورٹ میں یہ لکھا گیا کہ (جو انتہائی قابل غور بات ہے وہ یہ کہ:

☆ پاکستان کا سارے کا سارا نظام تعلیم طلباء میں جدت اور تخلیق کے خلاف ہے اور رٹے بازی کو قابلیت کی بنیاد سمجھتا ہے۔ اساتذہ کیونکہ بذات خود اسی نظام کے تربیت یافتہ ہیں اس لیے وہ بجا طور پر قوت تخلیق کی حمایت نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں اپنی نوکریوں کو قائم رکھنے

اور ترقیاں حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ طلباء کو کامیاب کروانا ہوتا ہے۔

☆ اس طرح یہ نظام تعلیم بالکل بے مقصد ہو کر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے۔

ایسا نظام تعلیم اس لیے اسرائیل کے حق میں ہے کیونکہ:

☆ یہ انسان کو بے مقصد زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کی نظریاتی اساس ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے اس طرح کے تعلیم یافتہ شہری مجموعی طور پر پاکستان کے دشمنوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ اسلامی امت کا وہ نعرہ جو کبھی کبھار سننے میں آتا ہے وہ صرف اخباروں اور رسالوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ بدیں وجہ یہ سب کچھ اسرائیل کے لیے خطرناک نہیں۔

☆ رہی مذہبی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ تو وہ انگریزی تعلیم والوں کے لیے قابل قبول ہی نہیں اور یوں وہ جدید علوم کی وسیع سمجھ بوجھ سے محروم ہونے کی بنا پر اپنے ہی ملک میں کسی بھی موثر طبقے کی حمایت سے محروم رہتے ہیں۔

چنانچہ مندرجہ بالا عوامل کو مدنظر رکھ کر جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں کہ:

☆ "پاکستان کی اس دور کی تعلیم یافتہ نسل اس حد تک نظریاتی اور باعمل نہیں جس حد تک پاکستان بنانے والی دیہاتوں اور قصبوں کی غیر تعلیم یافتہ نسل تھی۔

☆ "البتہ موجودہ نظام تعلیم کو قائم و دوائم رکھنے کے لیے بہت سے

پالیسی سازوں کی پذیرائی ضروری ہے تاکہ ان کی جگہ کہیں ایسے لوگ نہ آ جائیں جو پورے کے پورے ڈھانچہ تعلیم کو بدل کر اسے انتہائی موثر بنا دیں اور بعد میں جس کا مقابلہ اسرائیل کے لیے بہت مشکل ہو جائے۔"

اس نے مزید جو کچھ اپنی رپورٹ میں لکھا اس میں کئی پہلو طلباء کی تربیت کے بارے میں' یعنی:

☆ پاکستان کے طلباء کی اکثریت اچھی خاصی تعلیم حاصل کر لینے کے باوجود معاشرتی' دینی اور اخلاقی طور پر غیر تربیت یافتہ رہتی ہے۔ ان میں خود غرضی' کرختگی' غصیلہ پن' جذباتیت اور گستاخانہ طریق حیات نمایاں رہتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ وہ پروقار انداز لباس' کھانے پینے اور ملنے جلنے کے بہتر آداب زندگی سے بھی ناآشنا رہتے ہیں اور قومی زندگی میں کسی نوکری یا کاروباری عمل میں شمولیت کے باوجود اپنے ہم وطنوں کے لیے ناکارہ اور ترقی و خوشحالی یا کسی بھی بہتری و آسانی کی راہ میں سخت رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح قوم کی جواں نسل آپس میں نفسیاتی طور پر کشمکش میں مبتلا رہتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سوائے چند مخصوص اداروں کے تمام یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے انتہائی ویران' بدنما' بدصورت' گندے اور ذوق جمال سے محروم اور پریشان حال نظر آتے ہیں اور بالکل یہی صورت حال ان میں پڑھنے والے طلباء اور پڑھانے والے اساتذہ کی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کا تعلیمی کلچر بھی بے حد بدصورت ہے۔ زیادہ تر اساتذہ کے اپنے حلیے بے

ہنگم اور بے صورت ہوتے ہیں جن کے چہروں پر پژمردگی' غصیلہ پن اور خوف صاف طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔"

ان عوامل کے گہرے تجزیے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

"اس سب کچھ کے ذمہ دار اس ملک کے بڑے بڑے پالیسی اور فیصلہ ساز ہیں چنانچہ اسرائیل کو ان سب کے خلاف کوئی سازش وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں کے تعلیمی نصاب میں مسلمانوں کی اپنی معرکتہ العراء کامیابیوں کا ذکر جو کہ زندگی کے ہر میدان میں بتائی جاتی ہیں نہایت ہی سرسری سا ملتا ہے اور انہیں صرف یورپین کامیابیوں سے آشنا کیا جاتا ہے اس لیے ان میں قومی و نظریاتی پہچان گم ہو چکی ہے۔"

ائرہوسٹس نے پاکستان میں آ کر ایک بڑے شہر کے اپنی پسند کے ہوٹل میں قیام کیا۔ تیسرے ساتھی کو ابھی تک یہ خبر نہیں تھی کہ اس کی ساتھی اسرائیلی ہوسٹس صحافی کے روپ میں پاکستان پہنچ چکی ہے۔ اس نے دو چار بار خود بھی باہر کے دو ایک ممالک میں کہ جہاں جہاں ائرہوسٹس کا قیام ہوتا تھا رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر تاحال اسے کامیابی نہ ہو سکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ واپس کچھ دنوں کے لیے اسرائیل چلی گئی ہوگی تاکہ کچھ نہ کچھ حالات سے انہیں باخبر رکھ سکے۔

البتہ اسی دوران وہ پاکستان کے سیاسی حالات پر بھی اپنی رپورٹ مکمل کر چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہوسٹس کے ملنے پر وہ فوری طور پر ان رپورٹوں کو اسرائیل بھجوا دے گا اور اگلے دنوں میں کوئی اور تجزیاتی رپورٹ تیار کرنے تک اسے کسی بڑے عہدے پر ترقی کی خوشخبری مل چکی ہوگی۔ تیسرے ساتھی نے حفظ ماتقدم کے لیے ہوسٹس کو بتا دیا ہوا تھا کہ

عبدالودود کے دونوں بیٹے کہاں پہ قیام پذیر ہیں اور اس کا خود اگر بہت دیر تک پتہ نہ چل سکے تو ان دونوں بھائیوں کو براہ راست اسرائیل کے خاص خفیہ ادارے کی نگرانی میں لے لیا جائے۔

ہوسٹس نے اگلے چند روز تک پاکستان کی بعض لائبریوں میں جا کر لڑکی سے متعلق خبروں کو مزید پڑھا۔ بہت سی خبروں اور ان پر کیے گئے تبصروں سے ہوسٹس کو اپنے شکوک یقین میں بدلتے نظر آئے۔ اس نے سوچا کہ لڑکی تک رسائی حاصل کرنے سے پہلے اس بڑے شخص سے رابطہ قائم کیا جائے تاکہ لڑکی کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔ یعنی اگر وہ لڑکی اپنے جنم سے لے کر اس واقعہ تک اسی علاقے یا گاؤں میں پلی بڑھی ہو اور بڑا شخص اس کے تمام گھر والوں سے واقف رہا ہو تو اس لڑکی سے ملنا اور کھوج لگانا فضول ہوتا۔ البتہ بڑا شخص اگر اس بات سے انکار کر دیتا کہ وہ لڑکی کو پہلے سے جانتا ہے تو اس کا تعلق اس کے علاقے سے نہ ہونے کی بناء پر یقیناً اسرائیل سے ہی ہوتا اور یہ وہی لڑکی ہوتی جس کی کہ ہوسٹس کو تلاش تھی۔

(21)

لڑکی نے گاؤں کی سربراہی سنبھالنے کے بعد حکومت کی اجازت سے وہاں پہ موجود تمام حکومتی زمینیں جو دشت و صحرا تھیں اور جو ٹیلوں اور جھاڑیوں سے اٹی پڑی تھیں ان کے لیے ایسی منصوبہ بندی اور حکمت عملی تیار کی تھی کہ وہ اپنی پہلی فصل پر ہی گل و گلزار ہو چکی تھیں اور فصلوں کی اٹھان ایسی تھی کہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ علاقے میں موجود بڑے شخص کی زمینیں مزارعین نہ ملنے کی وجہ سے ویران ہو چکی تھیں اور اس کے باغات تباہ و برباد ہو رہے تھے کیونکہ اس کے گھرانے کے کسی فرد کو خود محنت کرنے کی عادت نہ تھی اور نہ ہی کوئی خاتون محنت کرنا پسند کرتی تھی۔ اسی لیے ان کی حویلی اور فارم کے مویشی بھی منہ کھولے چارے کا انتظار کرتے رہتے۔ وحشی کتے جو اس سے پہلے بستی والوں کو توڑنے اور چبانے کے لیے رکھے گئے تھے وہ بھی بھوک سے تنگ آ کر حویلی

اور گھرانہ چھوڑ گئے تھے اور ٹکڑوں کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتے رہتے۔

گاؤں میں جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا اور بیمار و معذور لوگ جو موت کے انتظار میں زندگی کے دن کاٹتے چلے جاتے' لڑکی نے گاؤں والوں کے تعاون سے ان کے لیے ایسا ڈیرا بنا ڈالا جہاں وہ سب کی توجہ کا مرکز بن گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کی آرزو کرنے لگے۔ ڈیرے کے باہر خونی کتے اب سر جھکائے بیٹھے رہتے۔ لڑکی کے وہاں آتے جاتے رہنے اور ان پر توجہ دینے کی وجہ سے وہ اس کے پاؤں چاٹتے نہ تھکتے تھے۔ اس نے حکم دیا کہ انھیں علاقے کی پاسبانی کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ دشمن لوگ گاؤں کے کسانوں کی فصلوں کے کھلیانوں کو برباد نہ کر سکیں۔

لڑکی کو ایک روز انتہائی اہتمام سے لکھا ہوا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا:

معزز خاتون!

"میرے احساسات کی عقیدت قبول فرمائیں۔

سنگِ آخر کا نشان مٹنے کو ہے
یہ جہاں کہنہ اب زیرو زبر ہونے کو ہے
وہ افق پر کچھ نئی سرگوشیاں ہونے لگیں
ظلم کے سائے پگھلتے ہیں سحر ہونے لگی
مظلوم انسانوں نے اب اوہام کے ظلمات میں
زندگی کی سخت طوفانی اندھیری رات میں
کچھ نہیں تو کم سے کم خواب سحر دیکھا تو ہے
جس طرف دیکھا نہ تھا اب تک' ادھر دیکھا تو ہے

آپ کو یاد ہو گا کہ:

"پہلے میں ایک اخبار کے ٹکڑے پر اظہار عقیدت کر چکا ہوں۔ مدعا یہ ہے کہ آپ کی دین اسلام کے لیے محبت اور اس کے حوالے سے جو آپ علاقے کے لوگوں کی فلاح کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے ہیں میں اس کار خیر میں اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑی سی رقم شامل کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ براہ کرام آپ اسے قبول فرمائیں' اور سمجھنا یہ آپ کے معزز والد کی طرح کے ہی کسی شخص کی جانب سے ہے۔

بہت سی دعاؤں کے ساتھ
ایک اجنبی

لڑکی نے خط لانے والے کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا!

"مگر اس نے یہ بتانے سے انکار کر دیا کہ وہ خط کس کی جانب سے لایا ہے۔ البتہ وہ تمام رقم جو اسے دی گئی تھی اس نے لڑکی کے قدموں میں رکھ دی۔" یہ رقم اتنی زیادہ تھی کہ وہ پاکستان کی کرنسی میں کروڑوں میں تھی۔ لڑکی کے آس پاس کھڑے بہت سے نوجوان اور دیگر لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ لڑکی نے ان سب کی جانب دیکھا اور بڑے اطمینان سے ساری کی ساری رقم اس شخص کو یہ کہہ کر واپس لوٹا دی کہ وہ دولت جس کے ذرائع کا علم نہ ہو یا اپنی محنت سے نہ کمائی جائے اسلام میں اسے حاصل کرنے کی اجازت نہیں اور محنت سے کمائی جانے والی دولت بھی صرف اللہ کے قوانین کے دائرے میں ہونی چاہیے"

لڑکی نے اجنبی کے لیے پیغام دیتے ہوئے مزید کہا کہ!

"ہماری جانب سے اس معزز شخص کا شکریہ ادا کر دینا اور کہہ دینا کہ اس علاقے کے لوگوں کے ہاتھوں پر محنت کے پڑے چھالے اور جبینوں پر

محنتوں کے پسینے اب کسی سے کچھ لینا گوارا نہیں کرتے۔"

چھوٹے سے مجمعے کے لوگوں نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اور بڑھ بڑھ کر لڑکی کے ہاتھ چومنے کی کوشش کی۔ لڑکی نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان سے یوں مخاطب ہوئی:

معزز انسانو!

"انسان اپنی بہتر صفات کی بناء پر صرف عزت کے لائق ہے۔ مگر اللہ کے سوا کسی کے لیے پرستش اور بے جا تقدیس جائز نہیں۔ آپ شاید بے خبر ہیں کہ آپ کی معصوم عقیدتوں نے کتنوں کو خدائی کا دعویٰ کر دینے پر اکسایا ہے اور مسلمانوں کے تمام فرقوں کی بنیاد بھی اللہ اور آخری نبی کو چھوڑ کر بہت سی دیگر ہستیوں کے ساتھ بے جا عقیدتیں ہیں۔

قرآن پڑھتے ہوئے اس کے ایک ایک لفظ پر غور کیا کرو اور محسوس کیا کرو کہ کس طرح بڑے بڑے جید پیغمبروں کی ہستیاں بھی اس کی بارگاہ میں کھڑی صرف اسی کی رحمت کی منتظر اور طلب گار رہی ہیں۔

یاد رکھو!

اس ذات احد و واحد نے کسی پیغمبر کو بھی یہ اجازت نہ دی کہ وہ لوگوں سے اپنی بندگی کروائے اور انہیں اپنی پرستش کا حکم دے۔ یہاں تک کہ آخری نبی کو بھی اجازت نہیں تھی کہ اللہ کے فیصلوں میں مداخلت کر سکے۔ اس لیے اس کائنات میں کبھی کسی کے آگے سر نہ جھکانا۔ یہ اللہ کا پیغام ہے جو آخری نبی کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچا ہے۔ اور سنو کہ اس پیغام سے اپنی نسلوں کو ضرور باخبر رکھنا۔"

خط لانے والا شخص خود بھی اس لڑکی کے انداز' ایمان اور وقار

سے اس حد تک متاثر ہوا کہ واپس جا کر اس نے اپنی شخصیت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کا ارادہ کر لیا۔

اگلے چند مہینوں میں فصل پک کر تیار ہو گئی اور اس دفعہ پہلی بار علاقے کے لوگ اپنی محنتوں کے خود مالک بن چکے تھے۔ ان کی محنتوں کے ثمرات یہ تھے کہ جہاں تک نظر جاتی اک نیا جہاں نظر آتا۔

بیلے کے ڈاکوؤں نے اپنی ناکامی کے باعث ڈاکوؤں کے دیگر گروہوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تاکہ علاقے میں تباہی پھیلانے سے پہلے کوئی نہ کوئی مخبر مل سکے اور کوئی نہ کوئی ایسا گھر مل سکے جو مشکل وقت میں انہیں چھپانے اور پناہ دینے کے لیے تیار ہو۔

دیگر علاقوں اور بستیوں کے لوگ اس گاؤں پر برستی ہوئی رحمتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے آتے اور اس کے لوگوں کی خوش قسمتی پر رشک کرتے چلے جاتے۔ اس علاقے پر لڑکی کی پاکیزہ اور بہترین تدبیروں کی وجہ سے جو برکتیں نازل ہونا شروع ہو گئی تھیں ان کی داستانیں اب بستی بستی اور قریہ قریہ دوہرائی جانے لگیں۔

لوگ کہتے تھے کہ:

"یہ صرف اس لڑکی کے دم سے ہے۔" بہت سے لوگوں نے لڑکی سے رابطہ کر کے اپنے اپنے علاقے کے لیے راہنمائی حاصل کرنے کا ارادہ کیا مگر اپنی بستیوں کے بڑے بڑے اشخاص کے دبدبے سے سہمے رہے۔ حالانکہ بڑے بڑے خود بھی اس صورت حال سے خوف زدہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے علاقوں میں اگر خوشحالی نے قدم جما لیے تو ان کے زیر اختیار مسکین و ہراساں قسم کے لوگ بھی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے چنانچہ وہ ہر قیمت

پر اپنا جابرانہ نظام قائم رکھنا چاہتے تھے۔

یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ بے ثمر اور ویران جہاں جنت الفردوس کی مانند ایک نیا جہان دکھائی دیتا تھا۔ بے آب و گیاہ ٹیلے ہموار کھیتوں میں بدلے جا چکے تھے۔ پرخار جھاڑیوں سے اٹے میدان گلستانوں کے لیے تیار پودوں کی قطاروں سے سج گئے تھے۔ جہاں خاک اڑا کرتی تھی۔ وہاں تتلیوں کے جھرمٹ اور بلبلوں کے نغمے تھے۔

یوں لگتا تھا کہ:

"زمین نے محنت کرنے والوں کے لیے اپنے پاتال سے پانی انڈیل کے رکھ دیا ہے اور دور تک چھوٹے چھوٹے ٹیوب ویل و راہٹ آبشاروں کی طرح پانی برسا رہے تھے علاقے کے لوگ ہاتھ سے ہاتھ اور قدم سے قدم ملا کر سالوں کا کام مہینوں' مہینوں کا دنوں اور دنوں کا لمحوں میں مکمل کر رہے تھے۔ لوگ سورج کو شکست دے کر دن رات ایک کر رہے تھے۔ وہ خوف پیدا کرنے والی زمین جو اندھیروں سے اٹی رہتی تھی۔ اب قمقموں سے روشن و مزین تھی۔"

لڑکی کے چہرے پر بھی برابر کی محنت کی وجہ سے وہی مٹی اور پسینے کی تہیں جگمگاتی تھیں جو سارے علاقے کے لوگوں کے چہروں پر دکھائی دیتی تھیں۔ لوگوں کو اپنی محنتیں آسان تر اور مسرت سے لبریز محسوس ہونے لگی تھیں۔ انھیں اس سے پہلے زندگی کا بھرپور احساس کبھی نہ ہوا تھا۔ محنتوں کی اس سرشاری میں مولوی صاحب خود بھی شامل ہو چکے تھے اور وہ بھی ایک عام کسان مزدور کی طرح سارا سارا دن اور ساری ساری رات لوگوں کے ساتھ کام میں جتا رہتا۔ لڑکی نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ ہر مشکل میں

صرف "اللہ اکبر" کی آواز اٹھنی چاہیے اس کے علاوہ اس نے کسی بھی ہستی کے پکارے جانے کو باطل قرار دے دیا تھا۔ یوں اس علاقے میں دن رات اور اس کی فضاؤں میں صرف ایک ہی نعرے کی گونج مسلسل ابھرتی اور وہ "نعرہ تکبیر" کی جلالی اور پرتاثیر صدا ہوتی۔

اس علاقے کا بڑا شخص اپنا گھربار چھوڑ چھاڑ کر پہلے ہی دارالخلافہ میں بیٹھا تھا تاکہ حکومتی اثر و رسوخ کو استعمال کر کے آخر کار اپنے علاقے کے لوگوں کو پھر سے اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لے۔ گاڑی والا شخص جو کہ خود بھی ڈاکوؤں کا سردار تھا اس نے درگاہ والے پیر کی مدد حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ درگاہ والا پیر ہر لحاظ سے وہاں کے لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز جانا جاتا اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کو گناہ و جرم خیال کیا جاتا۔ خاص کر خواتین بہت زیادہ خوف زدہ رہتیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا تھا کہ اس کی بددعائیں کسی کے خلاف بھی بربادی لا سکتی ہیں۔ اسی لیے وہ گھبرائی ہوئی اس کے احکام ماننے کو تیار رہتیں۔

جوں جوں فصلوں کے کھلیان تیار ہوتے جا رہے تھے' شرپسندوں' لٹیروں' ڈاکوؤں اور خود غرضوں کے سینوں پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ لڑکی والے علاقے کے جوان' بوڑھے' بچے' عورتیں غرض سب اپنے اپنے طور پر فصلوں کو کاٹنے سمیٹنے میں مصروف تھے۔

درگاہ کے پیر نے اس علاقے میں بہترین فصلوں کی خبر پا کر پہلے سے اپنے آدمیوں کو بھیج دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو آگاہ کر سکے کہ اس بار فصل میں درگاہ کا حصہ بڑھا دیا گیا ہے اور اگر کوئی سرتابی کی کوشش کرے گا تو پھر آئندہ کے لیے فصلوں کی ویرانی' تباہی اور اللہ کی مار کے لیے تیار رہے۔

درگاہ والے پیر کے آدمی علاقے کے لوگوں کو پیر کا پیغام اور حکم سناتے پھر رہے تھے کہ گاؤں کے نوجوان انہیں اٹھا کر لڑکی کے سامنے لے آئے اور اسے پیر اور اس کے آدمیوں کے حالات اور پیغام سے آگاہ کر دیا۔

لڑکی نے انتہائی تحمل اور متانت سے انہیں بتلایا کہ:

"اسلام میں خانقاہ اور درگاہ کا تصور و پرورش حرام اور گناہ ہے۔ ان کا تصور صرف دیگر مذاہب میں زندہ ہے جو مسخ ہونے کی بنا پر منسوخ ہو چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس علاقے کے لوگ اپنی فصلوں کا کچھ حصہ قانون کے مطابق صرف حکومت کو زرعی ٹیکس کے طور پر ادا کریں گے اور کچھ یہاں کے یتیموں اور بے سہاروں پر خرچ کریں گے اور باقی کے وہ خود مالک ہوں گے جس میں کسی اور کی شرکت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر کوئی زبردستی کرنے کی کوشش کرے گا تو علاقے کے لوگ اسے سخت سزا دیں گے۔"

درگاہ کے پیر کو علاقے کے لوگوں کی یہ سرتابی نہایت گراں گزری۔ خاص کر لڑکی کی جانب سے شدید ردعمل نے تو اسے آپے سے باہر کر دیا۔ اس سے پہلے تو کبھی کسی کو مجال نہ ہوئی تھی کہ وہ پیر کے کسی حکم یا پیغام کو رد کر سکے۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے عہدیدار، بااختیار و بااقتدار اور اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ خود ہی آ آ کر پیر کے سامنے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے بیٹھے رہتے۔ کوئی میلہ وغیرہ ہوتا تو وہ لوگ بڑے بڑے فنکاروں کے معاوضوں سمیت لاکھوں و کروڑوں روپیہ اڑا دیتے۔

درگاہ کا پیر ان سب کی عقیدتوں کی وجہ سے انتہائی طاقتور اور معزز ترین سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے مجاور اس کی ایک آنکھ کے اشارے سے کٹنے مرنے

کے لیے تیار رہتے۔ ان مجاوروں اور فقیروں کے علاقے کے ڈاکوؤں کے ساتھ روابط تعلقات استوار تھے۔

اس علاقے میں اگر کوئی نوجوان پڑھائی کی خواہش رکھتا تو اسے لازماً پیر کے پاؤں پر ہی سر رکھنا پڑتا کیونکہ وہاں کے بڑے اشخاص ویسے ہی کسی کو زیادہ پڑھا لکھا نہیں دیکھ سکتے تھے اور ایسے ہی پیر بڑے اشخاص کو گارنٹی مہیا کرتا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والا ان کا مطیع ہو کر رہے گا۔ اسی بنا پر اس کے علاقے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بعض سرکاری عہدیداران بھی اس کے حکم کے منتظر رہتے اور وہ جہاں بھی ہوتے پیر کی جائز و ناجائز حاجات پوری کرنا اپنا فرض اولیں سمجھتے۔

گاڑی والے شخص نے جب درگاہ کے پیر سے ملاقات کر کے اپنا مدعا بیان کیا تو اس نے پیر کو پہلے سے ہی لڑکی کی جان کا دشمن پایا۔

پیر کا کہنا تھا کہ:

"کوئی بھی گروہ یا فرد جو لڑکی والے علاقے میں تباہی مچائے گا اسے درگاہ کا ہمدرد سمجھا جائے گا کیونکہ اس علاقے کے لوگوں نے درگاہ سے بغاوت کی ہے اور درگاہ سے بغاوت کا مطلب اللہ سے بغاوت ہے۔"

گاڑی والے شخص نے پیر سے استفسار کیا کہ:

"اس علاقے میں کیسے تباہی مچائی جائے کیونکہ وہاں کوئی بھی ایسا شخص نہیں مل رہا جو اس کے ڈاکوؤں یا لٹیروں کی اعانت پر آمادہ ہو اس لیے بغیر کسی کی مدد کے وہاں داخل ہو کر تباہی مچانا ناممکن ہو چکا ہے۔ وہاں کے تمام راستوں پر بستی کے طاقتور جوانوں کا دن رات پہرا رہتا ہے۔ اور وہاں کی عورتیں مردوں سے بھی زیادہ دلیر ہو چکی ہیں اور علاقے کے چاروں طرف

سے رات گئے بھی "اللہ اکبر" کے ورد کی آوازیں آتی ہیں۔ بچے اور عورتیں رات کو باری باری اس لڑکی سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور دن کو کام کاج میں جٹے رہتے ہیں۔ اس لڑکی نے تو علاقے کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے حلیے بدل کے رکھ دیے ہیں۔"

گاڑی والے نے پیر کو یہ بھی بتایا کہ:

"اس سے پہلے پہاڑی والے ڈاکوؤں نے بھی فصلوں کی تباہی کا پروگرام بنایا تھا اور اس کے لیے انہوں نے فلاں فلاں بڑے اشخاص سے وافر رقم بھی حاصل کر لی تھی مگر وہ اسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے کہ لڑکی کے علاقے کا کوئی مرد و زن ان کا ساتھ دینے یا کسی بھی قسم کی سازش میں شریک ہونے کے لیے تیار نہیں تھے اور وہ ہر بات لڑکی کو جا کر بتلا دیتے اور اسی سے ہدایات حاصل کرتے۔ چنانچہ وہ ایک رات علاقے کے باہر سے ہی چکر لگا کر ناکام لوٹ آئے۔"

گاڑی والے شخص سے حالات و واقعات کا تمام تجزیہ سننے کے بعد پیر صاحب نے بڑے طمطراق سے اسے بتایا کہ فلاں فلاں عہدیداران کب کام آئیں گے اور مزید یہ کہ فلاں فلاں ہم نے اسی لیے پال رکھے ہیں تاکہ وقت آنے پر درگاہ کے دشمنوں کا گھیرا ہر طرف سے تنگ کر دیا جائے۔ اسی ملاقات میں انہوں نے لڑکی کو تباہ کرنے کے لیے بہت سے حربوں پر تبادلہ خیال کیا اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے کئی تراکیب مرتب کیں۔

پہلے حربے کے طور پر پیر نے لڑکی کے خلاف بہت سی افواہوں کو جنم دینے کی کوشش کی اور جہاں تک ممکن ہوا اس کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کے لیے ادھر ادھر کوشش کی مگر دور دور تک کے علاقوں کے لوگ

بھی لڑکی کے خلاف کسی بھی قسم کی تہمت یا پراپیگنڈے پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔

لڑکی والے علاقے میں فصلیں پک کر تیار ہو چکی تھیں اور لوگ آپس میں گلے ملتے نہیں تھکتے تھے۔ لوگوں کے چہرے مسرتوں کی وجہ سے طلوع ہوتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ روشن و نورانی تھے۔ جب سے لڑکی نے لوگوں کو صرف اور صرف اللہ ہی کے لیے محنت کرنے کی تعلیم دی تھی تب سے لوگوں میں ضروریات زندگی پر دوسروں کے حقوق کو پامال کر کے قبضہ کرنا یا ہوس رکھنا بدترین فعل سمجھے جاتے تھے۔ لڑکی نے پہلے روز سے لے کر ہی عورتوں کے درمیان خود بھی کھیتوں میں کام کرنے کو عار نہ جانا تھا۔ تمام تر وقار و احترام کے باوجود وہ بھی شام تک مٹی میں مٹی ہو جاتی اور اسے دیکھ دیکھ کر علاقے کے لوگوں نے محنت کرنے میں حد کر دی۔

لڑکی نے جس چیز کو اہم ترین سمجھا تھا اور جس کے لیے اس نے لوگوں کو تربیت دے ڈالی تھی وہ کام کرنے اور رہنے سہنے کے انداز تھے۔

لڑکی کا سبق ہوتا تھا کہ:

"دانش اور ڈھنگ سے کی گئی کم سے کم محنت زیادہ سے زیادہ پھل دیتی ہے اور یہ کہ ہوس و لالچ کا ایک لمحہ ساری محنت کو بے ثمر اور ضائع کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی لیے جب لڑکی نے علاقے کے لوگوں کو اس بات کے لیے آواز دی تھی کہ اپنی بچتیں، زیور اور وہ سب کچھ جو علاقے کی قسمت سنوارنے کے کام آ سکتا ہے انہیں ایک جگہ جمع کر دو تاکہ ویران ٹیلوں اور بے آب و گیاہ زمینوں کو کام میں لانے کے لیے مشینیں اور دیگر ذرائع

حاصل کیے جا سکیں تو عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں تک، بچوں نے اپنے کھلونوں تک اور مردوں نے اپنی پگڑیاں تک لڑکی کے سامنے لا کر رکھ دی تھیں۔"

لڑکی انہیں بتایا کرتی تھی کہ:

"اسلام کے نظام حیات کا مرکزی نکتہ ہی قربانی اور احساس قربانی ہے جس کے اردگرد انفرادی اور اجتماعی زندگی کا سارے کا سارا نظام گردش میں رہتا ہے اور یوں اسلامی سوسائٹی ناقابل شکست ہو جاتی ہے، اس کے لیے وہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی مثال پیش کیا کرتی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آواز پر اپنے گھر کی ہر چیز اللہ کی راہ میں پیش کر دی تھی۔"

دوسری بار کی فصلوں کی آمدنی نے سارے علاقے کے لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ لڑکی نے چودھویں کے چاند کی رات کو کھیتوں میں ہی جشنِ محنت و کامیابی منانے کا اعلان کیا۔ اس رات لڑکی نے لوگوں کو بتایا کہ جشن کی رات اللہ کی پرستش اور اس کا شکرانہ ادا کرنے میں گزار دی جائے۔

صبح کے قریب لوگ جب حمد باری تعالیٰ سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا:

"محترم انسانو!

دیکھ لیا آپ نے! تم نے اللہ کے راستے پر چلنے کی کوشش کی تو اس نے تمہاری فصلوں کے خوشوں کو ان گنت موتیوں سے بھر دیا۔

تم نے دیکھا کہ لاخوف ہو کر آپ جب صرف اور صرف اللہ ہی کی خاطر ہاتھوں میں ہاتھ لے کر آگے بڑھے تو پھر کس طرح زمین نے اپنے

خزانے تمہارے سامنے پھیلا دیے۔

تم نے دیکھا!

کہ کس طرح تم خوف زدہ رہتے تھے مگر اب تمہارے دشمن تم سے خوف زدہ رہتے ہیں۔

تم نے دیکھا:

کہ تم نے ہوس و لالچ کی بجائے اپنے ساتھیوں، قرابت داروں اور ہمسایوں کو اٹھانے اور ان کے مددگار ہونے کی کوشش کی تو وہ اب تم جیسا ہو کر تمہاری طاقت میں اضافے کا باعث بن چکے ہیں۔

سنو کہ!

اپنی محنتوں کے پھل کو اس طرح تقسیم کر لیا کرو کہ تم میں کوئی دوسرا اپنے آپ کو محروم و محتاج محسوس نہ کرے۔ یہ زندگی تمہیں دوسری بار نہیں ملے گی کہ تم اگر بے حساب دولت کے مالک بن کر سانپ کی مانند بیٹھ گئے تو کسی دوسری زندگی میں اسے خرچ کر سکو۔ جو زندگی تمہیں مل گئی سو مل گئی۔ اسے حسین تر بنانے میں گزار دو یا بدصورت بنا کر گزار دو یہ صرف تم پر مبنی ہے۔

یاد رکھو!

کوئی ایسی زندگی حسین نہیں ہوتی جو صرف اپنے لیے گزاری جائے۔ اور دوسروں کی محرومیوں اور مجبوریوں کا تماشا دیکھا جائے۔ اپنی خوش قسمتیوں کو بدنصیبوں میں بانٹ دیا کرو تاکہ وہ بھی خوش قسمت بن جائیں۔

معزز انسانو!

یہ بھی یاد رکھنا کہ جس روز تمہارے دلوں میں ذرا سی کھوٹ آ گئی تو اسی

روز سے تم ان رحمت بھری برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے۔ تم نے دیکھ لیا!
کہ اب ہر صبح ابھرنے والی سنہری دھوپ تمہارے لیے خوش حالیوں کا
سنہری پیغام لے کے آتی ہے"
اسی دوران ایک سیانی عمر کے شخص نے لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا:
نیک و معزز خاتون!
"ہم اپنی محنتوں کو پہلے بھی نچھاور کرتے تھے مگر جو ثمر ملے ان کی بدولت ہم
اندھیروں میں ہی رہتے تھے۔ کئی بار سہانے خواب دکھا کر ہم سے ہمارا مال و
متاع لے لیا جاتا تھا اور ہم بھوک و پیاس کو اوڑھے سو جاتے تھے اور ہم
سے سب کچھ لے لینے والے بدلے میں ہمیں مسائل واپس کرتے تھے۔
اب ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے تمہیں ہمارے لیے سبب بنایا ہے۔
یہ سب رحمتیں اور برکتیں صرف تمہاری وجہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ہم
نے تو اپنی پگڑیاں اتار اتار کر تمہارے سامنے رکھ دی تھیں تاکہ اگر یہ بک
سکیں اور بستی والوں کے کام آ سکیں تو لے لو۔ ہاں! تم نے ان کے بدلے
ایمان کے تاج اور خوشحالی کی دستاروں سے ہمیں نوازا ہے۔ یہاں کی
عورتوں نے اپنی بالیاں اور کنگن جو تمہارے حوالے کر دیے تھے تم نے
بدلے میں انہیں علم و دانش کے زیور سے آراستہ کر ڈالا ہے۔
اور آج سب دیکھ رہے ہیں کہ ہم جھولیاں بھر بھر کر اللہ کی نعمتوں کو سمیٹ
رہے ہیں۔"
یہ یاد دہانی ان لوگوں کو میں اس لیے کروا رہا ہوں کہ:
"اگر کسی بے دانش یا بد طینت راہنما کو اپنا سب کچھ دے بھی دیا جائے تو وہ
بدلے میں اندھیرا اور گمراہی ہی تقسیم کرتا ہے اور وہ محروموں اور بے

سہاروں کے لیے باعث عذاب بن جاتا ہے کیونکہ اسی کی راہنمائی میں بے
سہارا لوگ بے آواز ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ مجبوروں کو مردہ لاشیں بنا
کے رکھ دیتا ہے۔ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ اس علاقے کے ارد گرد
بڑے بڑے بد طینت انسان گھات لگائے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم میں
کوئی بکنے والا انہیں مل جائے اور وہ اس علاقے میں ابھرتے ہوئے زندگی
کے پاکیزہ حسن کو برباد کر ڈالیں۔"
اے نیک خاتون!
"میں ان لوگوں سے مخاطب ہوں اور انہیں ان خطرات سے آگاہ کرنا چاہتا
ہوں جو انہیں کسی مکڑی کے جالے کی طرح لپیٹ سکتے ہیں۔
یہ لوگ غور سے سنیں کہ:
جس درگاہ پہ یہ سہمے ہوئے قطاروں میں وہاں کے مجاوروں اور گدی
نشینوں کے اشاروں پر ناچتے اور دھمالیں ڈالتے تھے وہ اب انہیں معاف
کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور آج ہم جو صرف اللہ ہی کا شکر ادا کر
رہے ہیں اور اسی سے فریادیں کر رہے ہیں کہ وہ اپنی رحمتیں ہم پہ قائم
رکھے، ہماری دعاؤں اور پرستش کا انداز جواب بغیر کسی وسیلے کے براہ
راست اللہ سے ہو چکا ہے یہ انہیں قطعی طور پر گوارا نہیں ہو گا اس لیے
کہ وہ بے کار بیٹھ کر ہماری محنتوں کا پھل کھاتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ
ہماری بربادی کے منصوبے بنائیں گے۔"
وہ کہتا چلا گیا کہ:
اے نیک خاتون!
"میں تو اپنی عمر کے آخری سائے دیکھ رہا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ تمام عمر

اسی انتظار میں گزر گئی کہ کب کوئی ہمارے دکھوں کا مداوا کرنے آئے گا۔ آپ کو اللہ نے ہمارا نجات دہندہ بنا کر بھیجا ہے' مہربانی سے ان کو میرے وسوسوں سے آگاہ کر دیجئے۔"

لڑکی نے بے حساب تشکر بھری نظروں سے اس سیانے شخص کی جانب دیکھا اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ:

میرے بھائیو اور بہنو!

"آپ نے سن لیا اور جان بھی گئے کہ زندگی کا وہ حسن جو تم حاصل کر رہے ہو اس کی حفاظت کرنا اس سے کہیں زیادہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ تم تعداد میں بہت تھوڑے ہو اور تمہاری بربادی کے منصوبے بنانے والے لاتعداد ہیں۔ مگر تم ان کا مقابلہ کرنے کے لیے بدر کے صحابیوں کے راستے پر چلتے رہنا"

کچھ ہی دیر بعد جبینِ جبرائیل کی طرح کے روشن ستارے نے گواہی دی کہ صبح ہونے کو ہے اور یوں اس سیانے کی اقتدا میں مرد اور عورتیں فجر کی نماز کھیتوں میں ادا کر کے بستی کو لوٹ آئے۔

اس رات کے جشن کی خبریں دور و نزدیک پہنچ چکی تھیں۔ دور رہنے والے لوگوں کو حیرانی تھی کہ بڑے اشخاص تو اپنے جشن طوائفوں کو بلا کر' شراب کی محفلیں سجا کر اور ہر قسم کا غل غپاڑہ کر کے مناتے ہیں۔ مگر لڑکی نے جس جشن کا اہتمام کیا اس میں لوگ تمام رات اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہے اور اسی کا شکرانہ ادا کرتے رہے اور اپنے علاقے میں ایک ہی امام کی اقتداء میں مرد ایک طرف اور عورتیں دوسری جانب صلواۃ ادا کرتی رہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگ حیران تھے کہ اس گاؤں کے لوگ

اپنے اپنے فرقوں کو حرام اور غیر اسلامی قرار دے کر صرف اور صرف مسلمان بن چکے تھے۔

وہ لڑکی کے اس نظریہ حیات سے متاثر تھے کہ:

"جو آخری نبی نے کہا ہے کرتے جاؤ اور جس سے منع کیا ہے اس سے منع ہو جاؤ" وہ لوگ اللہ کے علاوہ ہر قسم کی ہستی کی پرستش یا کسی بھی ہستی کے ذریعے اللہ تک کی رسائی کو حرام و غیر اسلامی قرار دے چکے تھے۔ دوسرے لوگ اس لیے بھی حیران تھے کہ مردوں اور عورتوں نے اپنے لباس اور انداز تک اس طرح بدل ڈالے تھے کہ وہ ہر لحاظ سے پروقار اور قابل رشک و حسین نظر آتے تھے۔

دور دور کے لوگ کہہ اٹھے کہ:

"وہ علاقہ زمین کا نہیں بلکہ اللہ نے اپنی جنت کا کوئی ٹکڑا اتار رکھا ہے۔ وہ بڑی حسرت سے اس جانب دیکھتے۔"

دیگر علاقوں کے بڑے اشخاص نے ڈاکوؤں اور درگاہ کے پیر سے رابطے تیز کر دیے۔ لیکن تمام تر کوششوں اور سازشوں کے باوجود ابھی تک وہ ان لوگوں کے اتحاد' ایمان اور خوشحالی کی جانب بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکے تھے۔ اگلی ہی فصل کے اختتام پر انہوں نے اپنے لیے بالکل نئی بستی کا نہ صرف منصوبہ تیار کر ڈالا تھا بلکہ زوروں سے اس کی تعمیر شروع کر رکھی تھی اور گاؤں کے تمام پرانے و فرسودہ گھروں اور حویلیوں کو تباہ کر کے ان کی جگہ کشادہ راستوں اور بہترین نمونوں والے گھروں کی تعمیر جاری رکھی ہوئی تھی۔ سازشی لوگوں سے یہ سب کچھ نہ دیکھا جا رہا تھا ان لوگوں سے ٹکرانے اور ان کی خوشحالی کو برباد کرنے کے

لیے درگاہ کے پیر نے اگلی فصل کے پکنے پر درگاہ کا میلہ منانے کا اعلان کیا تاکہ تباہی برپا کرنے سے پہلے یہ معلوم کیا جاسکے کہ اس بستی کے کون کون سے مرد اور عورتیں درگاہ پر حاضری دینے آتی ہیں تاکہ بعد میں انہی لوگوں سے رابطہ قائم کر کے لڑکی کو ختم کروا دیا جائے اور اس کے بارے انہیں نہ صرف منہ مانگی قیمت و دولت دی جائے بلکہ ان کا ہر لحاظ سے تحفظ بھی کیا جائے۔

اس میلے کا افتتاح ایک بڑے شخص کی مدد سے حکومت کے ایک بہت بڑے عہدیدار کے ہاتھوں کروانا طے پایا اور اس عہدیدار کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ درگاہ کے پیر اور قریب کے بڑے اشخاص کی مہربانی کا حوالہ دے کر لڑکی والے علاقے کے لوگوں کے لیے خاص رقم کا اعلان کرے جو کہ ان کی فلاح و بہبود پر خرچ ہو گی۔ اس طرح کے منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے میں نئے سرے سے حکومت کے حوالے سے درگاہ کے پیر یا دیگر بڑے اشخاص کو مداخلت کا موقع ملے اور لوگ اس رقم کے لیے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے رہیں۔"

میلے کا اہتمام دھوم دھام سے کیا گیا اور قریب قریب کے علاقوں میں اعلان کروا دیا گیا کہ اس بار میلہ انتہائی دھوم دھام سے منایا جائے گا۔ اسی دوران گاڑی والے شخص نے درگاہ کے پیر سے رابطہ کر کے اس کے پروگرام میں مزید جان ڈالنے کے لیے اس بات کی جانب اشارہ کر دیا کہ جب لڑکی والے علاقے کے لوگ میلے میں آ چکے ہوں گے تو وہ ڈاکوؤں کا بڑا گروہ لے کر اس علاقے کو برباد کر دے گا اور بستی کو آگ لگوا دے گا اور اگر ممکن ہوا تو لڑکی کو بھی ختم کروا دیا جائے گا۔ درگاہ کے پیر نے اپنے

بڑے بڑے مریدوں اور عہدیداروں کو بھی اس میلے میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس میلے کو اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے پچھلے تمام میلوں سے افضل بنانے کی سعی کی گئی۔ ملک کے بڑے بڑے فنکاروں کو بھی بلایا گیا۔ حکومت کے بڑے بڑے عہدیداروں کے لیے اور بھی کئی قسم کی تواضع کا سامان پیدا کیا گیا۔

جس دن سے قصبے میں گاڑی والا واقعہ پیش آیا تھا اسی روز سے گرد و نواح کے لوگ وہاں کے بڑے بڑوں سے شاکی ہو گئے تھے اور اس مولوی کے جذبہ ایمانی سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے تھے' ان تک لڑکی کی دانش و بہادری اور دین اسلام کی عظمت کی داستانیں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے اب انکے لیے درگاہوں کے میلوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہ گئی تھی اور ان کے دلوں میں انسانوں کے بارے میں خواہ مخواہ کی عظمتیں ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں ہر وہ شخص محترم تھا جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزار رہا ہوتا۔ یوں بھی دور و نزدیک کے غریب و بے آسرا لوگ لڑکی والے علاقے کے لوگوں کے اعتماد' ایمان اور انداز زندگی سے اس قدر متاثر تھے کہ اب ان کے اپنے دل کسی کے آگے ہاتھ باندھنے یا سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ ان علاقوں کے لوگوں کا اپنے بڑے بڑے اشخاص اور ان کی اعانت کرنے والے حکومت کے چھوٹے بڑے عہدیداروں پر اعتماد ختم ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اگر کسی دن اس لڑکی نے انہیں سر اٹھانے کی آواز دے دی تو وہ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تمام زنجیروں کو توڑ ڈالیں گے اور لڑکی کے پرچم تلے آ اکٹھے ہوں گے۔

نوجوان ڈاکو جو ان علاقوں میں سے ہی کسی نہ کسی بستی، گاؤں یا گھرانے سے تعلق رکھتے تھے جب کبھی خود بھیس بدل کر دیہاتوں یا قصبوں کا رخ کرتے تاکہ اپنی ضروریات زندگی حاصل کر لائیں تو انہیں لڑکی کی عظمت بھری داستانوں کو سننا پڑتا اور ہر جگہ اسی کے چرچے ملتے۔ ان میں جو بہت تجربہ کار ہوتے وہ اپنے ساتھیوں کو یہ پیش گوئی کرتے نہیں تھکتے تھے کہ اب اس علاقے میں ڈاکوؤں کا دور ختم ہو چکا ہے اور اگلے دنوں میں وہ کسی بھی واردات کے دوران زندہ نہیں بچ سکیں گے۔"

اپنی پیش گوئی کی وہ یہ توجیح کیا کرتے تھے کہ:

"لڑکی نے لوگوں کو لاخوف کر دیا ہے اور بڑے اشخاص اب پہلے سا اثر و رسوخ بھی نہیں رکھ رہے کیونکہ آئے دن انہیں اپنے منہ پھٹ مزارعوں سے واسطہ پڑ رہا ہے اور ان کے مطیع فرمان لوگ بھی اب ان سے کترا کر گزرنے لگے ہیں اور لوگ اب بڑے اشخاص کے سامنے سرجھکانا پسند نہیں کرتے۔" بہرحال تمام ڈاکوؤں کو ایک بڑے معرکے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا اور گاڑی والا شخص جو حقیقت میں ان تمام ڈاکوؤں کے گروہوں کا سردار تھا وہ انہیں اس معرکے کے عوض بے حساب دولت اور انعام و اکرام کی خوشخبری سناتا رہتا تھا۔

اس نے ان سب کو بتایا کہ:

"اس نے میلے کے افتتاح کے روز لڑکی کے علاقے کو تباہ کر کے بستی کو آگ لگانے کا پروگرام اور منصوبہ مکمل طے کر لیا ہے اور بعض بڑوں سے منظوری حاصل کر لی ہے لہٰذا وہ اطمینان سے وہاں کے لوگوں کو لوٹ سکتے ہیں اور انہیں ہر قسم کی چیزوں سے محروم کر سکتے ہیں۔ البتہ لڑکی کو ختم

کرنے والے کو خاص انعام سے نوازا جائے گا اور وہ انعام ایک خالی چیک کی صورت میں ہوگا جس پر رقم وہ اپنی مرضی سے بھرے گا۔

پچھلے کئی مہینوں سے بیکار بیٹھے ہوئے ڈاکوؤں کے لیے یہ پیش کش کافی پرکشش تھی۔ یوں بھی اس وقت تک قریب کے علاقوں کے لوگ فصلوں میں اپنا اپنا حصہ لے چکے تھے اور اس بار ڈاکوؤں کو بڑے بڑوں سے گارنٹی بھی مل چکی تھی کہ ضرورت پڑنے پر ان کی ہر طرح کی پشت پناہی کی جائے گی۔

ساتھ ساتھ والے دیہاتوں اور علاقوں کے اب کئی لوگ لڑکی کے پاس آ آ کر اس سے استدعا کرنے لگے تھے کہ وہ ان کی بھی راہنمائی کرے کیونکہ وہ ہر وقت اس کے حکم کے منتظر ہیں کہ کب وہ آواز دے اور کب وہ جبر و ستم کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ ان علاقوں کے بڑے بڑے طاقت ور جوان بھی آ آ کر پیش کش کرتے کہ وہ اس کی خدمت کرنا اور اس کی پاسبانی کرنا سعادت سمجھتے ہیں اور اس کے ایک حکم پر اپنی جانوں کو نچھاور کرنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ لڑکی ان سب کو انتہائی متانت سے جواب دے دیتی کہ اپنے سینوں میں اور زیادہ قوت ایمانی کی پرورش کرو اور قرآن کریم کا اپنی زبان میں مطالعہ اور بڑھا دو تاکہ تم اپنے راہنما آپ بن سکو کیونکہ آخری نبیؐ ہی ہم سب کا عظیم و برتر ھادی اور راہبر ہے اور اسی کے طریق پر چلتے رہنے سے تمام الجھنوں اور سوالوں کے جواب ملتے ہیں۔ لوگ اس کی عرفان بھری باتیں سن سن کر بے حساب اعتماد لیے واپس چلے جاتے۔

(22)

ائرہوسٹس نے لڑکی سے متعلق خبروں پر مبنی ایک البم تیار کر لی تاکہ اسے اسرائیل لے جائے اور کامیابی کی صورت میں انہیں بتا سکے کہ اس نے صرف ایک خبر کے حوالے سے اس لڑکی کا کھوج لگایا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ عام دماغ کا کام نہ تھا بلکہ واقعی شاہکار ذہن نے معمولی سی خبر سے اپنی منزل کا سراغ لگایا تھا۔ ہوسٹس کو عبدالودود کے دونوں بیٹوں کے تیسرے ساتھی یعنی جو اسرائیل کا ایجنٹ تھا کی تلاش تھی تاکہ جلد از جلد وہ اسے اپنی کامیابی سے آگاہ کرے۔ مگر تیسرا ساتھی کسی بڑی محفوظ جگہ پر پاکستانی سیاست کے بارے میں تیار کی گئی رپورٹ کی نوک پلک سنوارنے میں مشغول رہتا تھا تاکہ وہ اسے بھی ہوسٹس کے ذریعے اسرائیل پہنچا سکے۔

تیسرا ساتھی جانتا تھا کہ بڑا نوجوان اپنی تنظیم کے لیے بعض

طریقوں کا مشاہدہ کرنے افغانستان جا چکا تھا مگر اس کا چھوٹا بھائی بھی خاصا باخبر قسم کا آدمی تھا۔ اسی لیے وہ بڑی احتیاط سے ہوسٹس کے ساتھ رابطہ قائم کر کے بڑے نوجوان کا افغانستان میں پیچھا کر کے اس کی سرگرمیوں کا ریکارڈ رکھنا چاہتا تھا تاکہ وقت آنے پر وہ اسرائیل کو اس کی نئی سرگرمیوں سے مطلع کر سکے۔

ہوسٹس پاکستان میں اپنے اس قیام کے دوران لڑکی تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ رابطے قائم نہ کر سکی مگر اسی دوران جس اخبار کی جانب سے صحافی کی حیثیت سے وہ پاکستان آئی تھی اس غیر ملکی اخبار کے مالک نے اسے واپس بلا کر کسی دوسرے ملک میں بعض اہم ذمہ داریاں دے کر بھیج دیا جو تقریباً سال چھ مہینے سے کم عرصہ میں پوری ہونے والی نہ تھیں۔ ان ذمہ داریوں کا تعلق زیادہ تر پاکستان ہی کے کچھ بڑوں سے تھا جو اس میں قیام پذیر تھے جہاں ہوسٹس صحافی کو بھیجا گیا تھا اور اس کی اہم ذمہ داری یہ تھی کہ ان کی حرکات پر نظر رکھ کر ان کے خلاف بعض سکینڈل کے لیے مواد اکٹھا کرے۔ وہ پاکستان میں رہ کر اور اخباروں و رسالوں کا مطالعہ کر کے جان گئی تھی کہ اسے سونپی گئی ذمہ داری چنداں مشکل نہ تھی چنانچہ وہ اپنے کام کو جلد از جلد مکمل کر کے واپس پاکستان آ جانا چاہتی تھی۔

تیسرے ساتھی نے اسرائیل میں کسی نہ کسی طرح رابطہ کر کے ہوسٹس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تو اسے بتلایا گیا کہ وہ فلاں ملک میں ایک صحافی کے طور پر کام کر رہی ہے اور جلد واپس پاکستان پہنچ جائے گی چنانچہ اپنی تیار شدہ رپورٹیں بھی اس کے حوالے کر کے افغانستان چلے جانا تاکہ بڑے نوجوان کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جا سکے اس سلسلے میں

اسرائیل کے خفیہ ادارے کی مرکزی کمان کی جانب سے اسے جو ہدایات ملیں وہ نہایت دلچسپ تھیں جن میں سے کچھ یوں تھیں۔

☆ "افغانستان میں رہ کر وہاں کے مختلف گروپوں سے ذاتی روابط بڑھانے کی کوشش کرو اور انہیں کسی حالت میں متحد نہ ہونے دو۔ اگر کوئی خاص اسلامی گروپ دیگر گروپوں کو دھکیل کر اقتدار قائم کرے تو ایران سے منسلک شیعہ گروپوں کو اشتعال دلا کر ان کے اقتدار کو غیر مستحکم کر دو تاکہ اس علاقے میں شیعہ اور غیر شیعہ مسلمانوں کو آپس میں برسرپیکار رکھا جائے۔

☆ "تمہاری اس ذمہ داری کی اہمیت تاریخی طور پر بہت زیادہ ہے کیونکہ اگر افغانستان کسی ایسے گروہ کے زیر اقتدار آگیا جو سراپا اسلامی ہو تو وہ وسط ایشیا پر براہ راست اثر انداز ہو گا اور چیچنیا والوں کی کامیابی کے بعد انہیں مزید آگے بڑھنے کا موقع ملے گا۔ ہماری معلومات کے مطابق پاکستان میں سیکولر طرز کے بہت زیادہ سکالر اور گروپ موجود ہیں جو اسلامی بنیاد پرستوں کو زیادہ بہتر نگاہ سے نہیں دیکھتے' اس سلسلے میں ان سے بھی روابط پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ سیکولر لوگوں میں زیادہ تر نئی نسل کے لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے فرقوں یعنی شیعہ و سنی فرقوں کی بنیادوں کو ہی غیر حقیقی اور غیر اسلامی تصور کرتے ہیں اور رد عمل کے طور پر سیکولر ہو چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ وہ بے فرقہ ہو کر اسلام کی اصل کی جانب نہ لوٹیں۔ بہرحال اپنی اولین ترجیح ہماری ہدایات کو دو اور اپنی سرگرمیوں کے پروگرام اور منصوبے انہی کے مطابق طے

کرو۔"

تیسرے ساتھی کو ان ہدایات پر عمل کرنا انتہائی مشکل نظر آ رہا تھا کیونکہ افغانستان کے حالات پاکستان سے بہت زیادہ مختلف تھے اور وہاں زیادہ تر مسلمان سادہ مگر سخت گیر تھے۔ وہ آخرت کے بدلے اس زندگی کی کشش اور موت کی تلخی سے بے نیاز ہو گئے تھے کیونکہ وہ طویل عرصہ تک دنیا کی سپرپاور یعنی سویت یونین کے خلاف برسرپیکار رہ کر اسے شکست سے دوچار کر کے پارہ پارہ کر چکے تھے۔ اگرچہ بعد میں آپس میں اقتدار کی جنگ نے انہیں مضمحل کر کے رکھ دیا تھا لیکن ان میں قوت ایمانی ابھی تک قابل دید تھی اور تیسرے ساتھی کے لیے وہاں جا کر اپنی کسی سرگرمی کو جاری رکھنا بے حد مشکل بلکہ ناممکن نظر آ رہا تھا۔

چند روز پہلے جب اسے یہ علم ہوا تھا کہ بڑا نوجوان افغانستان جا چکا ہے تو اس نے افغانستان کے بارے میں مختلف کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران وہ پامیلا گڈون کی کتاب "کاٹ ان دی کراس فائر" پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا جس میں مصنفہ نے اپنے عملی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ثابت کیا تھا کہ "افغان مجاہدین اپنی قوت ایمانی کی بنا پر ناقابل شکست ہیں۔" اسے ان لوگوں کے طریقہ جنگ اور انداز زندگی کو جان کر اپنی سرگرمیوں سے وحشت ہونے لگی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اسرائیل میں اپنے خفیہ ادارے کو بتلا دے کہ یہ ذمہ داری نبھانا اس کے بس کی بات نہیں لیکن وہ یہ سوچ کر بھی خوف زدہ ہو جاتا کہ اس طرح تو اس کی وہ تمام محنت رائگاں چلی جائے گی جو اب تک کر چکا ہے اور آئندہ وہ کسی ترقی و عہدے کے قابل نہ رہے گا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے خفیہ

ادارے سے مزید ہدایات لینے کا فیصلہ کر لیا۔

اسرائیلی خفیہ ادارے نے ایسی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے اسے اپنی گرینڈ سٹریٹیجی سے آگاہ کیا جو یوں تھی:

☆ ”مسلمانوں میں جو قوم ناقابل شکست بن چکی ہو ان میں شیعہ سنی دو فرقوں کی علیحدہ علیحدہ پرورش کرو اور پھر انہیں آپس میں برسرپیکار کر دو۔“

☆ ادارے نے اسے مزید ہدایت دی کہ اس علاقے میں ایران اپنے شیعہ انقلاب کو مضبوط تر کر رہا ہے اس لیے ان حالات سے بہت زیادہ فوائد اٹھائے جا سکتے ہیں۔“

تیسرے ساتھی نے ان ہدایات کے تحت افغانستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر جانے سے پہلے وہ ہوسٹس سے رابطہ کر کے اپنے اگلے پروگرام کے خدوخال بتلانا چاہتا تھا اور اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ تیار شدہ رپورٹیں بھی اسی کے حوالے کر دے۔ وہ اس بات سے متفکر تھا کہ اگر ان دونوں نوجوانوں کو ہوسٹس کے ساتھ اس کے رابطے کا پتہ چل گیا تو وہ انہیں معاف نہیں کریں گے اور کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اسے قتل کر دیں گے۔ اسی غور و خوض کے دوران اسے حیران کن خیال آیا جو کہ ہوسٹس کو دونوں نوجوانوں سے متعارف کروانے پر مبنی تھا۔

”اس نے بڑے نوجوان کے چھوٹے بھائی کو بتلایا کہ:

”اس نے ایک لبنانی ائرہوسٹس کو اپنی تنظیم کا ممبر بننے کی دعوت دی ہے۔ بات کو بڑھاتے ہوئے اس نے ہوسٹس کے حق میں کافی تعریفی کلمات بھی کہے اور یہ دلیل بھی دی کہ وہ پاکستان میں لڑکی کی تلاش کے لیے بہت

مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اس کے افغانستان چلے جانے کے بعد اگر وہ رابطہ کی کوشش کرے تو اس کی پذیرائی کی جائے اور اسے آہستہ آہستہ تنظیم کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کر دیا جائے مگر اس سے پہلے وہ افغانستان میں بڑے نوجوان سے اس کی ممبرشپ کے بارے میں منظوری حاصل کر لے گا تاکہ اپنے آپ کو وہ باقاعدہ ہماری تنظیم کی ممبر سمجھے اور اس کے لیے خلوص سے فرائض سرانجام دے سکے۔ اس نے ہوشیاری سے چھوٹے نوجوان کو اس بات پر بھی آمادہ کر لیا کہ اگر اس وقت تک ہوسٹس کو تنظیم کی ممبرشپ نہ مل سکے تو وہ اس کے امتحان کے طور پر اسے لڑکی کو تلاش کرنے کا فرض سونپ دے۔“

چند روز بعد تیسرے ساتھی نے اس ملک میں ہوسٹس سے رابطہ قائم کر لیا جہاں وہ پاکستان کی بعض شخصیات کے لیے سکینڈل تیار کرنے کے حوالے سے مواد اکٹھا کرنے میں سرگرم تھی۔ چنانچہ اس نے اسے خفیہ الفاظ کی مدد سے تمام حالات و واقعات سے آگاہ کر دیا۔

اس نے ہوسٹس کو مزید بتلایا کہ:

”چھوٹا نوجوان اپنے بڑے بھائی کی طرح جوشیلا اور سادہ نہیں بلکہ پرلے درجے کا ذہین اور طاقتور قسم کا نوجوان ہے اور وہ زیادہ تر خاموش رہنے والا اور حالات پر کڑی نظر رکھنے والا انسان ہے۔ وہ بہت کم اپنی رائے دیتا ہے مگر زیادہ سنتا ہے۔ اسرائیلیوں سے اسے شدید نفرت ہے اور مسلمانوں کے خلاف وہ کوئی لفظ سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ اسلام سے اسے گہرا لگاؤ ہے اور ہم تینوں میں سے لڑکی کا سب سے بڑا دشمن وہی ہے اور وہی انتقام سے بھرا ہوا ہے۔ اسی دوران اگر لڑکی کا اتہ پتہ مل گیا تو اسے خود ختم کرنے کی

بجائے چھوٹے نوجوان کو آگے کر دینا تاکہ وہ خود ہی نمٹ لے اور پاکستان میں اس واقعہ سے ابھرنے والے قانونی حالات کا وہ بذات خود مقابلہ کرتا رہے مگر اپنے آپ کو ان تمام حالات سے اوجھل ہی رکھنا۔"

اس نے ہوسٹس کو یہ بھی بتلا دیا کہ:

"ادارے نے جو رپورٹیں اس کے ذمے لگا رکھی تھیں انہیں مکمل کر کے اس نے فلاں ہوٹل کے کمرے میں فلاں جگہ رکھ دیا ہے اور وہ اسرائیل جاتے ہوئے انہیں لے جائے۔ تیسرے ساتھی نے اسے اپنے افغانستان جانے کے پروگرام سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ ہوسٹس سے ان معلومات کو حاصل کر کے بہت خوش ہوا جن کے مطابق اخباروں اور رسالوں کی بعض خبروں کی مدد سے لڑکی کا اتہ پتہ ملنے کی قوی امید تھی۔

لڑکی کے بارے میں ہوسٹس نے تیسرے ساتھی کو بہت سی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

اس نے بتایا کہ:

"اس کی رائے میں اس لڑکی کا کھوج لگانا ضروری ہے کیوں کہ اخباروں نے لکھا ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں یہ ایک منفرد واقعہ ہے۔ کیوں کہ بغاوت کرنے والی لڑکی نے ذاتی انتقام کی بجائے قرآن کے قوانین کی بنیاد پر انہیں للکارا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکی ہو جو مسلمان ہو چکی ہے اور اسلام سے اس حد تک متاثر ہے کہ وہ اس کے لیے کچھ کیے بنا نہیں رہ سکتی۔"

ہوسٹس نے بتایا کہ:

"وہ اسے اس کی تصویروں پر مبنی البم اور تمام خبریں دکھانا اور پڑھانا چاہتی

ہے۔ تاکہ مزید تجزیہ کر کے کسی نتیجے پر پہنچا جا سکے۔"

تیسرے ساتھی کو لڑکی کے بارے میں ہوسٹس کا کھوج لگانا بہت دلچسپ لگا اور وہ رہ رہ کر سوچنے لگا کہ اگر وہ اس کا خاتمہ کر سکے تو اپنے ادارے میں بہت نام کما سکے گا۔ بہرحال اس نے ہوسٹس کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا کہ چھوٹے نوجوان کو لڑکی سے ملنے کا بالکل موقع نہ دے۔ بلکہ جب بھی اسے ختم کرنا ہو تو اسے صرف محدود وقت دے۔ تاکہ وہ اس سے تفصیلی ملاقات کیے بغیر اس کا کام تمام کر دے۔ تیسرے ساتھی نے اپنے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ لازم نہیں کہ خبروں میں چھپنے والی لڑکی وہی ہو۔ اس لیے خواہ مخواہ پیچھا کرنا بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ پاکستان کی اپنی خفیہ ایجنسی انتہائی مستعد جانی جاتی ہے۔ اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان تمام سرگرمیوں کے دوران سارا پول کھل جائے۔

اس نے ہوسٹس کو تنبیہہ کی کہ:

"ہمیں عبدالودود کے دونوں نوجوانوں کو ہر صورت بچانا ہے۔ تاکہ ان کے پیچھے پیچھے چلتے چلتے ہم اپنے مقاصد پورے کرتے رہیں۔"

تیسرے ساتھی نے ہوسٹس کو اگلی اتوار کو بلا لیا تاکہ افغانستان جانے سے پہلے اسے وہ ہر قسم کی ہدایات دے سکے۔

ہوسٹس اس ملک میں اپنی سرگرمیاں مختصر کر کے اگلی اتوار کو دو چار روز کے لیے پاکستان چلی آئی اور اپنے اگلے منصوبے کے لیے تمام ہدایات اور راہنمائی تیسرے ساتھی سے حاصل کر لی۔

چھوٹا نوجوان ان دنوں اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان طے پانے والے معاہدے کے خدوخال کے بارے میں کافی غور و خوض کیا کرتا

تھا۔ وہ معاہدے کے بہت سے پہلوؤں کے بارے میں شاکی بھی تھا۔ وہ خاص کر اسرائیل کے انتہا پسندانہ رویے پر زیادہ متفکر ہو جاتا۔ جس کے تحت وہ معاہدے کے باوجود بعض جگہوں پر نئی بستیاں بنانے کا اعلان کر دیتے اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیتے۔

سب سے زیادہ وہ جس مخمصے میں مبتلا رہتا۔ وہ یہ تھا کہ:

"علاقے میں عراق اور امریکہ کی کشمکش کے معنی کیا ہیں؟ اور عراق کی شکست کے باوجود ہر دو چار سال بعد عراق پر چڑھائی کیا مطالب رکھتی ہے؟ اور یہ کہ اسرائیل کا ان حالات سے بالواسطہ یا براہ راست کیا تعلق ہے؟ اور ان حالات نے عربوں کو آپس میں کس حد تک سیاسی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے؟ اور اس کشمکش کے معاشی یا سیاسی فوائد کس کس غیر مسلم قوت کو حاصل ہو رہے ہیں۔ بہرحال اسے اور زیادہ دیر تک پاکستان میں قیام کرنا بے معنی سا لگ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے اس خیال کی پرورش کی کہ بڑے نوجوان کو قائل کر کے پاکستان سے نکل جانا چاہیے۔ اس نے تیسرے ساتھی سے ابھی تک اپنے ارادے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ البتہ اس ساتھی نے جو ہوسٹس کے بارے میں اسے غائبانہ طور پر بتایا تھا تو وہ اس سے ملاقات کا منتظر تھا۔ تاکہ اسے لڑکی کی تلاش کا کام سونپا جا سکے۔

چند روز بعد ہوسٹس نے چھوٹے نوجوان سے روابط بڑھا لیے اور جس ہوٹل میں اس نے قیام کیا تھا۔ نوجوان کو وہیں مدعو کر لیا۔ اس ملاقات کے دوران ہوسٹس نے اس سے تنظیم کے خفیہ الفاظ میں بات کرنے کی کوشش کی۔

نوجوان نے اس سے دریافت کیا:

"آپ ابھی تنظیم کی باقاعدہ ممبر نہیں۔ پھر آپ ان الفاظ کو کیسے جانتی ہیں؟"

نوجوان کی طرف سے اچانک کیا ہوا یہ سوال ہوسٹس کے لیے بے حد مشکل کا باعث تھا۔ مگر وہ اپنی ہوشیاری سے سنبھلنے اور اس سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔

اس نے نوجوان کو بتایا:

"آپ کے ساتھی نے اسے بتایا تھا کہ انہی الفاظ سے چھوٹا نوجوان پہچان سکے گا کہ میں کون ہوں؟ مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ یہ الفاظ باقاعدہ ممبر شپ کے بعد بتائے جاتے ہیں۔"

یہ جواب سن کر نوجوان کو دفاعی انداز اختیار کرنا پڑا اور اس نے بہت زیادہ تمہید میں جانے کی بجائے اپنے تیسرے ساتھی کی ہدایات کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔

ہوسٹس نے اسے بتایا کہ:

"آپ کے ساتھی نے اسے ایک لڑکی کے بارے میں بتا رکھا ہے۔ جو تنظیم کی پرلے درجے کی دشمن ہے اور وہ ان کی قید سے بھاگ کر ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں رہ کر تنظیم کے خلاف دشمنانہ سرگرمیوں میں مصروف ہے اور براہِ راست اسرائیل سے ہدایات حاصل کر کے پاکستان کے خلاف اور کئی مسلم ممالک کے خلاف کام کر رہی ہے۔

نوجوان نے کہا:

"آپ چاہو تو اسے تلاش کر سکتی ہو مگر مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ لڑکی اسرائیل جا چکی ہے اور اسرائیلی اس کا بہانہ بنا کر ہماری تنظیم کو ختم کرنے

کے درپے ہیں۔"

ہوسٹس نے نوجوان کو بتایا:

"پنسل سے تیار شدہ لڑکی کے خدوخال کی جو تصویر اسے دی گئی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے سمجھنے میں اس کی مزید مدد کی جائے۔"

چھوٹے نوجوان نے لڑکی کے بارے میں کچھ اور بتایا کہ:

"وہ کیسے بھاگ کر ایک مسلمان بوڑھے شخص کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہوئی اور وہ انہیں بھی فریب دے کر آج تک غائب ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنی تنظیم کو بچاتے پھر رہے ہیں۔" ہوسٹس کو نوجوان کی باتوں میں تھکن اور بے دلی سی محسوس ہوئی۔ اس نے سوچا کہ ان نوجوانوں کو ہر صورت لڑکی کے خلاف مشتعل رکھنا چاہیے تاکہ اسرائیل کی ہدایات کے مطابق مزید مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔

ہوسٹس نے نوجوان کو بتایا:

"وہ پاکستان میں آکر اسی ہوٹل میں قیام کیا کرے گی اور اسی جگہ ملاقات بہتر رہا کرے گی۔"

اسی دوران اس نے نوجوان کو آگاہ کیا کہ:

"اس نے اتفاق سے ایک پرانی سی اخبار میں پاکستان کے حوالے سے ایک خبر پڑھی۔ جس میں کسی نوجوان لڑکی کی بغاوت کا قصہ درج تھا۔ لڑکی کے خدوخال اور خصائل ہماری مطلوبہ لڑکی سے کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ہوسٹس نے نوجوان پر مزید زور دیا کہ ہمیں ایسی خبروں پر نظر رکھنی چاہیے۔ نوجوان کے پوچھنے پر اس نے اس خبر اور اخبار کو تلاش کرنے کی مہلت مانگی۔"

نوجوان نے ہوسٹس کی خبر کو بڑے تجسس سے سنا اور اگلی صبح خود بھی ایک لائبریری میں پرانی اخباروں کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

(23)

میلے کی تیاریاں جوبن پر پہنچ گئیں۔ بہت سے لوگ پہلے سے پیر صاحب کو ملنا اور اس کے سامنے سر جھکا جھکا کر ایک قسم کا سجدہ وغیرہ کرنا شروع ہو گئے تھے۔ تاکہ اس کی خوشی کے لیے میلے کی مختلف ذمہ داریاں سنبھالی جا سکیں۔ علاقے کی خواتین جو منتیں مانتی تھیں۔ انہیں بھی میلے کے روز ہی پورا کرنا ہوتا تھا۔ وہ لوگ جو ابھی تک خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مزارع یا مزدور کی حیثیت سے جو کچھ کمایا تھا۔ اس میں سے وافر حصہ پیر کے حکم کے مطابق درگاہ کو نذرانے کے طور پر دے رہے تھے۔

اسی دوران دریا کے پار والے ڈاکوؤں کے گروہ میں سے ایک جوان ڈاکو کو خیال آیا کہ کسی طرح اس لڑکی اور اس کے ٹھکانے کو دیکھ لیا جائے۔ تاکہ حملے کے روز اسے پہچاننے میں مشکل پیش نہ آئے اور وہ اسے قتل کر کے اپنی مرضی کا انعام حاصل کر سکے۔ چنانچہ وہ اپنی اس خواہش کے

ساتھ اس بستی کی جانب چلتا گیا' جہاں لڑکی رہتی تھی۔ وہ اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو انعام حاصل کرنے کے بعد وہ خود ایک بڑا ڈاکوؤں کا گروہ تیار کرے گا۔ جس کا سردار وہ خود ہو گا۔ اور اس کے بعد وہ اپنی وارداتوں کا سلسلہ شہروں تک بڑھا دے گا اور اس طرح لوٹی ہوئی دولت سے سب سے پہلے بڑی بڑی شخصیات کو خریدے گا اور پھر حکومت میں زیادہ سے زیادہ اثر و رسوخ پیدا کر کے اگلے الیکشن میں لازماً" کامیاب ہونے کی کوشش کرے گا اور کامیابی کی صورت میں وزارت کے لیے جدوجہد کرے گا اور اگر الیکشن ہار گیا تو دولت کے بل بوتے پر کسی پارٹی سے سینٹ کی ٹکٹ حاصل کرے گا۔

جوان ڈاکو کو اپنے ارادوں کی تکمیل زیادہ مشکل نہ نظر آ رہی تھی بلکہ اپنے پروگرام کے تسلسل میں وہ ہر مرحلے پر اپنے آپ کو کامیاب محسوس کر رہا تھا۔ اس کے لیے بستی میں جا کر لڑکی کے ٹھکانے اور اس تک جاتے ہوئے تمام راستوں کا جائزہ لینا بہت آسان تھا۔ اس نے لڑکی کے اردگرد رہنے والوں کے طریق بھی جاننے کا پروگرام طے کر لیا۔ وہ اس لیے بھی پر اعتماد تھا کہ آج تک اس نے اپنے گروہ کے ساتھ مل کر جتنی بھی وارداتیں کی تھیں۔ ان میں وہ کامیاب رہا تھا۔ جب کبھی کسی بڑے نے ان کے گروہ کو کسی مشکل ترین واردات کے لیے منتخب کیا تھا۔ تو اس گروہ نے اس خاص واردات کے لیے اسی نوجوان کا انتخاب کیا ہوتا تھا۔ کیوں کہ وہ اسے اپنی بہادری اور عیاری سے ہمیشہ پایہ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتا۔ وہ اس قدر پر اعتماد تھا کہ اسے گاڑی والے شخص کی پیش کش کے بدلے میں

یہ واردات بہت ہی آسان معلوم ہوئی۔

نوجوان ڈاکو نے بستی کا رخ کیا اور اس کے باہر اور آس پاس سارے ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ دیر تک اس بستی کے باہر دور دور تک تیار کیے گئے کھیتوں اور جگہ جگہ جھومتے ہوئے پھولوں کو بھی دیکھتا رہا۔

اسے یاد آیا کہ:

"دو ایک سال پہلے تو وہ جگہ ایک خوف ناک ویرانہ تھی۔ جہاں آئے دن ان کا پولیس کے ساتھ مقابلہ پڑا رہتا تھا اور ان کا گروہ پولیس کی گولیوں سے تو نہیں۔ البتہ وہاں کی نوکیلی کانٹوں والی جھاڑیوں سے چھلنی ہو کر رہ جایا کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ ڈاکو و لٹیرے ہونے کے باوجود اس دشت میں سے گزرتے ہوئے گھبراتے تھے۔" نوجوان ڈاکو دیر تک حیران اور انگشت بدنداں رہا۔ بہرحال وہ اس ماحول کو دیکھا ان دیکھا کر کے بستی کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ صبح ہی صبح اس علاقے کا چکر لگا کر اور پتہ و خبر حاصل کر کے واپس آ رہے گا۔ اور دو چار روز بعد جب انہیں حملے کا حکم ملے گا تو وہ سیدھا اس لڑکی کے ٹھکانے کی جانب لپکے گا اور اسے ختم کر کے اس کی لاش اس گاڑی والے شخص کے پاس لا کر رکھ دے گا تاکہ اس کے انعام کا دعویدار کوئی اور نہ بن سکے۔

اس سے پہلے ایسے ہی چند واقعات اور دو ایک وارداتوں میں اسے عہد کے مطابق حصہ نہ دیا گیا تھا۔ اسی لیے اب وہ کسی اور پر بھروسہ کرنے کو تیار نہ تھا۔ اور جب سے گاڑی والے نے تمام ڈاکوؤں میں اپنے منصوبے کا اعلان کیا تھا۔ تب سے ان کے گروہوں نے اپنے اپنے طور پر بھی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔

البتہ نوجوان ڈاکو نے اس بار اپنے گروہ کے سردار کو بتا دیا تھا کہ:

"اپنی کامیابی کا انعام وہ بذات خود حاصل کرے گا اور کسی کا حصہ کسی بھی وجہ سے نہیں مارا جائے گا۔"

سردار کی یقین دہانی کے باوجود وہ ان پر یقین نہیں کر رہا تھا۔

چنانچہ مختلف خیالات کے آتے ہی اس نے بستی کو چھوڑ کر درگاہ کا رخ کیا۔ جہاں گاڑی والے نے اپنے ساتھ رابطہ رکھنے کو کہا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا پیر صاحب کے ڈیرے پر پہنچا اور گاڑی والے صاحب کے پاس چلا گیا۔

وہاں جاکر اس نے انہیں اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

نوجوان ڈاکو نے پیر صاحب کے پیروں کو چھو کر پوچھا:

"آپ بتائیں کہ اس واردات کا کتنا انعام ملے گا؟"

گاڑی والے نے کہا:

"منہ مانگا۔"

نوجوان ڈاکو نے کہا:

"صاف صاف اصل رقم کا اعلان کرو۔ تاکہ لڑکی کی لاش کے بدلے تم بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً ادا کر سکو۔"

پیر صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کچھ رقم ڈاکو کے ہاتھ پر لکھ دی۔ نوجوان ڈاکو اس رقم کو پڑھ کر اتنا خوش ہوا کہ اس کا جی چاہا کہ کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر لڑکی کو ختم کرکے وہ یہ رقم حاصل کرلے۔ چنانچہ وہ آندھی کی طرح وہاں سے نکلا اور تیز تیز قدموں سے بستی کی جانب چلتا گیا۔

اس نے راستے میں ہی کئی بار اپنے ریوالور کو دیکھا اور دو ایک بار دور سے درختوں کی شاخوں کو نشانہ بنایا۔ تاکہ وہ اپنے نشانے کو ٹیسٹ کر سکے۔ بے

تابی میں نوجوان ڈاکو نے سوچا کہ اگر موقع مل گیا تو وہ اسی روز ہی لڑکی کا کام تمام کر دے گا اور اس طرح اسے حملے کے دن کا بھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ جب بستی میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ:

"لوگ جوق در جوق ایک کھلی جگہ کی جانب رواں دواں تھے۔ مرد انتہائی باوقار اور سادہ و سفید لباس میں تھے۔ جب کہ خواتین بھی باحیا اور پروقار لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں۔ تھوڑی دیر بعد چند خواتین کی پاسبانی میں ایک دراز قد انتہائی باوقار اور متانت سے لبریز لڑکی سر اٹھائے ہوئے اسی جگہ کی جانب چل رہی تھی۔ خواتین کے گھیرے سے ذرا دور کچھ کڑیل نوجوان اس کی پاسبانی کرتے ہوئے اس کے چاروں طرف چل رہے تھے۔"

نوجوان ڈاکو نے دیکھا کہ:

گاؤں کی تمام خواتین ایک جانب اور تمام مرد دوسری جانب ایک ہی امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ جوں ہی وہ سب سجدے میں گئے تو نوجوان ڈاکو نے سوچا کہ یہ بہترین موقع ہے کہ لڑکی کو وہیں کا وہیں ڈھیر کر دیا جائے۔ چنانچہ جب تمام لوگ دوبارہ سجدے میں گئے تو اس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ ریوالور نکالنے کے لیے چادر کے اندر کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا ریوالور نکال سکتا۔ سائے کی طرح ایک خاموشی سے پیچھے کھڑے شخص نے اپنا ریوالور اس کی کنپٹی پر رکھتے ہوئے کہا۔ اسی حالت میں خاموشی سے باہر آ جاؤ اور اپنا ریوالور ایک لمحے سے پہلے زمین پر گرا دو۔ نوجوان ڈاکو کو ویسا ہی کرنا پڑا۔

ذرا دور جا کر اس نے ڈاکو سے کہا:

"میرے ناوان دوست! اس معزز خاتون کو قتل کرنا اتنا ہی آسان ہوتا تو وہ اتنی بڑی رقم تمہارے ہاتھ پہ نہ لکھ دیتا۔ ذرا غور کرو اور عقل سے سوچو کہ اتنی بڑی رقم کے لیے تو خود گاڑی والا شخص اس کی جان لینے آجاتا مگر وہ خود نہیں آیا۔ اور مجھے امید ہے کہ تم پر ایک گولی سے زیادہ ضائع نہیں کرنی پڑے گی اور بہتر یہی ہے کہ گولی تمہارے سینے میں اتار دی جائے۔

کیوں کہ لڑکی قرآن کے حوالے سے یہی بتاتی ہے کہ:

"جب کوئی انسان ہدایت لینے سے انکار کر دیتا ہے تو آخر کار اس کا سینہ بے نور ہو کر رہ جاتا ہے۔"

نوجوان ڈاکو اس اچانک واقعہ سے لرز کر رہ گیا۔ کیوں کہ آج تک تو اس نے ہی لوگوں سے سب کچھ چھینا تھا مگر اس وقت اس سے بھی زیادہ ایک وجیہہ اور طاقتور نوجوان اسے اپنے پنجے میں لیے کھینچتا ہوا دور لیے جا رہا تھا۔ اور وہ بے بس اتنا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول کے رہ گئے تھے اور وہ اپنی تمام تر قوت کے باوجود بے حس و بے جان سا ہو کر رہ گیا تھا جوں جوں وہ اسے شہہ رگ سے پکڑے دوسرے ہاتھ میں ریوالور لیے کھینچتا ہوا دور سے دور لیے جا رہا تھا۔ توں توں وہ اپنے جسم سے روح کو نکلتا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔

اس آدمی نے اپنا ریوالور اس کے سینے پر رکھ کر کہا:

"اپنے ہاتھ بلند کر لو اور آنکھیں بند کر لو تاکہ تمہاری ناپاک نگاہیں دوبارہ اس بستی کی جانب نہ اٹھ سکیں۔ لیکن کسی خیال کے آتے ہی اس نے نوجوان ڈاکو کے ہاتھ پیچھے کی جانب باندھ کر اپنی پگڑی سے اس کی آنکھیں

بھی باندھ دیں اور جہاں لڑکی رہتی تھی اسے لے جا کر وہاں پھینک دیا۔

اور لڑکی کو بڑے ادب سے بتایا:

"یہ ڈاکو خود بتائے گا کہ وہ کون ہے؟ تاکہ اس کے بعد آپ کے حکم کے مطابق اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔"

اس نے بات بڑھاتے ہوئے ڈاکو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میں صرف لڑکی کے فیصلے کا منتظر ہوں۔ اگر اس نے تمہیں معاف کر دیا تو اسے پوری بستی کا احسان سمجھنا مگر اس کے باوجود میری نگاہیں ہر جگہ تمہارا پیچھا کرتی رہیں گی اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ابھی رقم تمہارے ہاتھ پر لکھی بھی نہ گئی تھی کہ جب میں سائے کی طرح تمہارے ساتھ ساتھ تھا۔"

لڑکی نے بندھے ہوئے نوجوان کو دیکھا اور اسے کھولنے کا اشارہ کیا۔

"ایک پاسبان نے آگے بڑھ کر اسے کھول دیا۔"

لڑکی نے متانت بھری آواز میں پوچھا:

"میرے بھائی! آپ کون ہو اور کس ارادے سے یہاں تک آئے تھے؟"

نوجوان ڈاکو نے بولنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا اور بات کرنے سے پہلے ہی اس کے ہونٹ کانپنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے بار بار بات کرنا چاہی مگر الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔"

لڑکی نے کہا:

"اسے کچھ دیر آرام کرنے دو۔"

وہ کچھ دیر تک پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھتا رہا۔

لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہنا شروع کیا:

"وہ لڑکی کو قتل کرنے کے ارادے سے یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ لڑکی کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ وہ اس پر لکھی ہوئی رقم کے بدلے قتل کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ ڈاکوؤں کا امیر ترین سردار بن سکے۔" ایک پاسبان نے آگے بڑھ کر فوراً ہی اپنی بندوق اس کے سر پر رکھ دی مگر لڑکی نے اسے پیچھے رہنے کا اشارہ کیا۔"

اور نوجوان ڈاکو سے کہا:

برادر عزیز!

"اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ رقم تمہارے لیے بے حد ضروری ہے اور تمہاری مشکلات اس سے ختم ہو سکتی ہیں اور تمہیں اطمینان نصیب ہو سکتا ہے تو تم میری جان لے سکتے ہو۔"

لڑکی نے ایک پاسبان کو کہا:

"بندوق اس کے حوالے کر دو اور سب لوگ باہر چلے جاؤ اور اُسے میرا حکم سمجھنا کہ اگر یہ قتل کر دے تو اس کی موت تمہارے ہاتھوں نہیں آنی چاہیے۔"

پاسبان ایک بندوق اس کے حوالے کر کے کچھ تردد کے بعد بادل نخواستہ باہر چلے گئے۔ نوجوان ڈاکو بندوق اٹھا کر کھڑا ہو گیا مگر لڑکی اعتماد کے ساتھ کھڑی رہی۔ ڈاکو اگلے چند لمحوں تک اپنی ذہنی کشمکش کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس کی آنکھیں کبھی جھکتی اور کبھی بند ہوتیں۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ لڑکی کے پیروں پر گر گیا اور اونچی اونچی آواز میں رونے لگ گیا۔ رونے کی آواز سن کر پاسبان اندر آ گئے۔

لڑکی نے اسے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور کہا:

"اپنی زندگی کے لیے سوائے اللہ کے کسی کے بھی سامنے مت جھکو۔ تمہیں یہ زندگی کسی انسان نے نہیں بلکہ اللہ نے عطا کی ہے۔ اور جو ہستی تمہیں اتنی قیمتی زندگی عطا کر سکتی ہے۔ وہی اگر چاہے تو تمہیں دولت بھی عطا کر سکتی ہے۔ تم یہ سودا انسانوں سے کرنے کی بجائے صرف اس ذات باری تعالیٰ سے کیا کرو اور اس کی محبت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی زندگی اس کے احکام کے مطابق گزار دو۔"

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے نوجوان ڈاکو سے کہا:

"تم ہماری طرف سے آزاد ہو۔ جب اور جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔"

ڈاکو کو اس سے پہلے کئی دفعہ بعض بڑے بڑے اشخاص سے اسی طرز کے معاملات طے کرنے کا موقع مل چکا تھا مگر وہ بندوق کی نالی کے سامنے زرد پڑ جاتے تھے اور اپنا سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

وہ حیران تھا کہ:

"یہ خاتون عجب رنگ ڈھنگ کی مالکہ ہے۔ نہ اسے زندگی اور موت کی پروا ہے اور نہ ہی کسی دولت کو اہمیت دیتی ہے۔"

وہ سوچتا رہا کہ:

"یوں ہی تو اس علاقے کے لوگ پروانوں کی طرح اس کے گرداگرد گھیرا نہیں ڈالے رکھتے۔"

وہ کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا مگر لڑکی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دوپہر کے بعد تک اس شخص نے وہیں قیام کیا۔ واپس چلے جانے کے بارے میں ابھی وہ کشمکش میں تھا کہ سورج کی سنہری کرنوں نے بستی کے پیڑوں کی بلند ترین شاخوں کو بھی الوداع کہہ دیا اور پھر وہی اذاں کہ۔

"جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود"

اس علاقے کی فضاؤں میں جلال و جمال لیے ابھر رہی تھی اور لوگ ویسے ہی کشاں کشاں اپنی پاکیزہ روحوں اور پروقار جبینوں کے ساتھ سجدہ ریز ہونے کے لیے اللہ کی بارگاہ کی جانب بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

وہ نوجوان ڈاکو جو کچھ دیر پہلے تک قتل و خوں کے ارادے لیے بستی میں داخل ہوا تھا اور ایک بہتر جگہ کھڑے ہو کر موزوں وقت کے انتظار میں تھا کہ لڑکی کو قتل کر سکے۔ وہ اب بھی وہیں رکا ہوا اپنی روح کو ٹٹول ٹٹول کر پوچھ رہا تھا۔

"میری ماں نے بچپن میں ایک بار میرے ہاتھ میں جو سیپارہ تھما کر گاؤں کی مسجد میں بھیجا تھا۔

اے میری روح! بتاؤ کہ:

"تم اس کا قرض کب لوٹاؤ گی؟"

اس کی روح سے آواز ابھری:

"جب تم دوبارہ اسی سیپارے کی طرف آؤ گے۔"

اسے یاد آیا کہ کس طرح قرآن پڑھانے والے نے اسے اپنا سبق یاد نہ کرنے پر رسیوں سے باندھ دیا تھا اور شام تک وقفوں وقفوں سے مار مار کر اسے سبق کو رٹنے پر مجبور کرتا رہا تھا اور اس کے آنسوؤں سے سیپارے کے صفحے بھیگ بھیگ جاتے تھے مگر اسے وہ رونے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ وہ بچپن کی اس یاد سے ہی سہم گیا اور تب اسے یاد آیا کہ روز کی اس مار سے گھبرا کر ہی وہ گھر سے بھاگ گیا تھا اور پھر وہ بھاگتا ہی رہا۔

یہاں تک کہ سفاک لوگوں نے اس کی پاکیزہ روح میں آلائشیں اور بدصورتی بھر کر رکھ دی

اور وہ ایک لمحے کو بھی رک کر نہ سوچ سکا کہ:

"پڑھانے والا ظالم و جاہل ہو سکتا ہے مگر قرآن خود تو نورانی ہدایت اور محبت کا سرچشمہ ہے۔"

اسے خیال آیا کہ اس پاکیزہ خاتون نے تو اسے نہ صرف معاف کر دیا ہے۔ جب کہ وہ اس کی جان کا دشمن بن کر آیا تھا بلکہ اس کو عزت و احترام دے کر آزاد کر دیا۔ اس کی نگاہ لمحہ بھر کے لیے اپنی یادوں سے باہر آئی تو اس نے دیکھا کہ اس بستی کے سبھی لوگ نماز سے فارغ ہو کر اپنی چمکتی پیشانیوں کو لیے ہاتھ اٹھائے اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے کہ:

اے اللہ!

"ہم آپ کے عدل کے نہیں بلکہ صرف رحمت اور فضل کے طلبگار ہیں۔"

نوجوان ڈاکو کو پھر سے اپنے چشمِ تصور میں لٹنے والے لوگوں کی فریادیں اور آہیں سنائی دیں۔ جب کہ وہ اپنے گروہ والوں کے ساتھ حملہ کیا کرتا تھا اور عورتیں اور بچے بھاگ بھاگ کر اس سے جان بچاتے تھے اور وہ اپنی بندوق سے شعلے برساتا تباہی پہ تباہی لاتا چلا جاتا تھا۔ اور یوں بھی ابھی کل ہی کی بات تھی کہ جب اس نے اپنے گروہ کے سردار اور ساتھیوں سے بزور طاقت اپنی ساری شرائط منوالی تھیں مگر ایک ہی دن بعد یعنی آج وہ بستی کے لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ناکارہ اور کمزور ترین محسوس کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ:

"جب وہ خود طاقت سے دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتا تو معاف کرنے کا نام تک نہیں سننا چاہتا تھا۔ لیکن آج اسے جن طاقتوروں سے واسطہ پڑا ہے تو وہ اس کی ذات کو کسی اہمیت کے قابل ہی نہیں سمجھ رہے۔"

اسے حیرانی تھی کہ:

"اپنے آپ کو بڑا اور بااختیار سمجھنے والے اس سے اپنا مقصد نکلوانے کے لیے اس کے ہاتھوں پر اتنی زیادہ دولت کے ہندسے لکھ دیتے کہ جو اس کے ہاتھ سے نکل نکل جاتے مگر یہ لڑکی کتنے اطمینان اور سکون سے پورے کے پورے علاقے کی راہنمائی کرتی چلی جا رہی ہے۔ اگر وہ چاہتی تو ایک لمحے میں اس کا پرزہ پرزہ کروا دیتی مگر وہ اس قدر بہادر اور ایمان سے سرشار ہے کہ دنیا کے کسی واقعہ یہاں تک کہ وہ اپنی جان کے خلاف کی گئی سازش کو خاطر میں نہیں لاتی۔"

وہ اپنے خیالوں میں ہی واپس علاقے کے گلستان و خیابان کی جانب چلا گیا اور تب اسے سمجھنے میں بالکل دیر نہ لگی کہ:

نوکیلے کانٹوں اور پتھریلے ٹیلوں والی زمیں پرخلوص راہنمائی اور قوت ایمانی سے دنوں میں کس طرح ثمربار ہو جاتی ہے۔

وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ کسی نے پھر آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"تمہیں زندگی مبارک ہو۔ آؤ میں تمہیں بستی کی سرحد تک باہر لے جاؤں۔ معزز خاتون نے حکم دے رکھا ہے کہ تمہیں احترام سے لے جایا جائے۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو یہ وہی شخص تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ

اچانک کہاں سے نمودار ہو جاتا ہے۔ اس نے نمودار ہونے والے شخص سے درخواست کی کہ چند لمحے اور رکنے دو تاکہ وہ لڑکی کے سامنے ایک بہت بڑی سازش کا انکشاف کر سکے۔ کندھے پر ہاتھ رکھنے والے نے اسے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا:

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔ وہ آگاہ ہے کہ تمام ڈاکو میلے کے روز بستی پر حملے کی کوشش کریں گے۔ گاڑی والے اور درگاہ کے پیر نے مل کر اس کے قتل کا بہت بڑا انعام رکھا ہوا ہے۔ کیا تم اس کے علاوہ کچھ اور بھی بتانا چاہتے ہو؟" وہ حیران و ششدر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

کندھے پر ہاتھ رکھنے والے نے کہا:

"تیز تیز چلو' رات بہت اندھیری ہو رہی ہے اور تمہیں دریا کے پار جانا ہے۔ آج کل آپ لوگوں کی سرگرمیوں کے دوران آپ سب کے آپس میں شکوک و شبہات بڑھ چکے ہیں اور ایسا نہ ہو کہ آپ کا کوئی شخص آپ کو گولی سے اڑا دے۔ کیوں کہ کل ہی آپ نے ان سے بہت سی شرطیں منوائی ہیں۔ اگر آپ اس بستی کے آس پاس بھی مارے گئے تو ہم معزز خاتون کو اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔"

اس نے دریا کے کنارے لے جا کر نوجوان ڈاکو کو الوداع کرتے ہوئے کہا:

"میرے دوست!

"تم اگر دوبارہ کسی وقت ویسے ہی ارادے سے ہماری بستی کی جانب آئے تو مہربانی سے ہم سے آج جیسے احسان کی توقع نہ رکھنا۔"

نوجوان ڈاکو رات بھر دریا کے کنارے پھرتا رہا مگر اس کا دریا کے پار اترنے کو جی نہ چاہا۔

گاڑی والے شخص نے چاروں طرف کے ڈاکوؤں کے سرداروں کو بلا بھیجا۔

ان سب کے اکٹھے ہو جانے پر اس نے انہیں باقاعدہ یہ ہدایات دیں۔:

☆ آپس میں مل بیٹھ کر کوئی مشترکہ حکمت عملی تیار کریں۔

☆ بستی والوں پر حملہ نہ صرف کامیاب رہنا چاہیے بلکہ لڑکی کو ہر صورت قتل کر دیا جانا چاہیے۔

اس نے ان کے سامنے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"اگر یہ معرکہ لڑکی والی بستی کے لوگوں کے ہاتھ رہا تو پھر اس سرزمین پر انہیں کوئی ٹکنے نہ دے گا اور وہ کہیں بھی جا کر پناہ نہیں لے سکیں گے۔"

اس نے ڈاکوؤں کے سرداروں کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ:

"پہلے والی پولیس جس کا ہر فرد علاقے کے لوگوں کا ہمدرد اور خیر خواہ بن چکا تھا۔ انہیں تبدیل کروا کر درگاہ کے پیر نے اپنے مرید عہدیداروں کو تعینات کروا لیا ہے۔ چنانچہ آپ سب نہایت بے فکری سے منصوبہ بندی کرو۔"

مگر یاد رکھنا کہ:

"اگر آپ ناکام ہوئے تو پھر اس کا انتقام "فردا" فردا" تم سب سے لیا جائے گا اور پھر ایک ایک واردات کے بدلے تمہیں گواہوں سمیت پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تاکہ تمہاری ساری عمر چکی پیسنے اور پھانسیوں کے پھندوں کے انتظار میں گزر جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھنا کہ:

"تم پولیس کا مقابلہ کر کے اپنی اپنی پناہ گاہوں میں جا کر چھپ سکتے ہو مگر مجھ سے تمہاری غاروں اور کمین گاہوں کا ایک تنکا بھی چھپا ہوا نہیں۔" اسی

دوران درگاہ کے پیر نے انہیں مزید برے نتائج کی دھمکی دی۔ ڈاکوؤں کے سردار بڑے تذبذب میں بیٹھے سوچتے رہے۔

آخر ایک نے کہا:

"اب وہ علاقہ عام علاقوں جیسا نہیں رہا۔"

گاڑی والے نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"تو کیا اب وہ علاقہ امریکہ کے علاقوں جیسا ہو گیا ہے۔"

سردار ڈاکو نے جواب دیا:

"اگر وہ امریکنوں کے علاقوں جیسا ہوتا تو ہمیں اتنی منصوبہ بندی نہ کرنا پڑتی۔"

درگاہ کے پیر نے کہا:

"تو تم کیا چاہتے ہو؟"

سردار ڈاکو نے کہا:

"یہ ایک مشکل ترین مہم ہے اور اس کے لیے انعام و معاوضہ بہت کم ہے اور دوسرے یہ کہ بستی کے اندر سے دولت ملنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ کیوں کہ بستی کے لوگ اپنا پیسہ فضول میں جمع کر رکھنے کی بجائے لڑکی کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق دھڑا دھڑ علاقے کو ترقی دینے کے لیے خرچ کر رہے ہیں۔ اور ایک فصل کاٹنے کے بعد انہوں نے سینکڑوں ایکڑ زمین پھر سے کاشت کر ڈالی ہے اور فصلوں کے نئے سے نئے بیج ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ اس علاقے کا پرانا ترین قبرستان جہاں کبھی ہم ضرورت پڑنے پر پناہ لے لیا کرتے تھے اور لوگوں کے لیے انتہائی خوفناک تھا اور جہاں سے لوگ بدروحوں کی آوازیں سننے کی کہانیاں گھڑ لیا کرتے تھے اور

دن کو بھی گزرتے ہوئے ہراساں اور خوف زدہ رہتے تھے۔ اب بستی
والوں نے لڑکی کے حکم سے اسے بھی ختم کرکے اس جگہ پر بہت بڑا باغ تیار
کر دیا ہے۔ جس میں ہر وقت کئی قسموں کے پھول کھلے رہتے ہیں۔ اور
جہاں بے حساب قسموں کے پھل دار پودے تیزی سے پروان چڑھ رہے
ہیں۔ اور اب وہ نیا قبرستان بستی سے تقریباً دو کلومیٹر دور پہاڑیوں سے پیچھے
لے گئے ہیں۔ اس لئے ایسے میں ان لوگوں پر ہاتھ ڈالنا اور پھر ان کی خالی
جیبیں ٹٹولتے رہنا سوائے نادانی کے اور کیا ہے؟ جب کہ اس دوران ہم
اپنی جانوں سے بھی جا سکتے ہیں۔"

درگاہ کے پیر نے جھنجلا کر کہا:

"آپ سب کو یہاں اس لیے نہیں بلایا گیا کہ ان لوگوں کی ترقی کی داستانیں
ہمیں سناؤ۔ آپ ہمارے ساتھ صاف صاف بات کرو اور بستی کو آگ لگانے
اور لڑکی کو ختم کرنے کا سودا کرو۔"

پیر نے ایک کاغذ انہیں دکھاتے ہوئے کہا:

"ابھی تک بڑے اشخاص نے تم سب کو اتنی ہی رقم دینے کا وعدہ کیا ہے۔
البتہ لڑکی کو ختم کرنے کی قیمت الگ ہے۔"

گاڑی والے نے ڈاکوؤں کے سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اس وقت تم سب تعداد میں صرف ایک سو آٹھ ہو اور اس رقم کو اگر تم
آپس میں برابر برابر بھی تقسیم کرو تو یہ اتنی ہے کہ تم نے ساری عمر میں اتنی
رقم کبھی لوٹی نہیں ہوگی۔" کاغذ پر لکھی رقم کو دیکھ کر چاروں سردار ہکا بکا
رہ گئے۔

ایک سردار ڈاکو نے کہا:

"اس کی کیا گارنٹی ہے کہ تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے؟"

گاڑی والے نے جواب دیا:

"تم جانتے ہو کہ ہمارے معاہدے عدالتوں میں جا کر طے نہیں ہوتے بلکہ
یوں ہی اعتماد اور اعتبار پر تکمیل پاتے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے مفادات ایک
دوسرے سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے دھوکہ دینے کا مطلب
آیندہ اپنی تباہی کو دعوت دینا ہے۔"

درگاہ کے پیر نے ایک ایک تھیلا جس میں اچھی خاصی رقم تھی' چاروں
سرداروں کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"تمہارے اعتبار کے لیے ان میں آدھی رقم برابر برابر کی ڈال دی گئی
ہے۔" ڈاکو سرداروں نے تھیلے لیے اور اپنی اپنی راہ لی۔

میلے کا افتتاح کرنے والے وزیر کے استقبال کے لیے تیاریاں
تقریباً مکمل ہو چکی تھیں اور قریب قریب کے چھوٹے بڑے حکومتی
عہدیداران روزانہ ہی ان کا معائنہ کر کے جاتے تھے۔ وزیر صاحب کے
آنے سے پہلے انہوں نے کئی بار ریہرسل بھی کر رکھی تھی۔ علاقے کے
لوگ جانتے تھے کہ بعض عہدیداران درگاہ کے پیر سے بہت عقیدت رکھتے
تھے۔ اس لیے وہ اس کے احترام میں بظاہر ڈرے ڈرے بھی رہتے تھے۔
پیر صاحب نے درگاہ کو غسل دینے کے لیے کئی من عرق گلاب کا بندوبست
کرایا ہوا تھا۔

علاقے کے بڑے بڑے اشخاص اور وزیر صاحب کی جانب سے
درگاہ پر چڑھانے کے لیے بہت سی قیمتی چادروں کا بندوبست کر دیا گیا۔ یہاں
تک کہ ایسے لوگوں کو الگ مدعو کیا ہوا تھا جو طوائفوں کا کاروبار کرتے

تھے۔ جہاں جہاں سے شراب ملتی تھی' وہ بھی بعض اصحابِ اختیار کی جانب سے منگوانے کی فرمائش پوری کی جا رہی تھی۔ اخبارات میں اس میلے کے اشتہارات نے اور بھی بہت سے من چلوں کو خبر کر دی ہوئی تھی۔ البتہ بعض اخبارات نے اپنے سنجیدہ قسم کے رپورٹروں کو میلے کی تفصیلات رقم کرنے کے لیے خاص ہدایات جاری کر دی تھیں۔

وہ بڑا شخص جو لڑکی کے سربراہ بننے کے بعد بستی چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اس نے میلے میں شرکت کی دعوت ملنے پر جواب دیا تھا:

"وہ مناسب وقت کے انتظار میں ہے اور تب وہ خود اپنے علاقے کے باغی لوگوں کو مزا چکھانے آئے گا۔"

اس نے یہ بھی لکھا:

"وزیر صاحب کو پچھلے تمام حالات و واقعات سے آگاہ کر دیا گیا ہے جو کسی بھی صورت حال سے نپٹنے کے لیے آپ کی مدد اور اعانت کریں گے۔"

اس نے مزید لکھا:

"مہمان خصوصی کے لیے کسی وزیر کا انتخاب کرنے سے پہلے ہمارے ساتھ مشورہ کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ کیوں کہ جو وزیر صاحب آپ کے پاس آ رہے ہیں۔ ان کا تعلق ہم جیسے کسی بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار گھرانے سے نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے ایسے گھرانے سے ہے جو دیندار قسم کا ہے۔ البتہ ان کی ذاتی دلچسپیاں غیرمذہبی ہیں۔ جن سے آپ بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ایک اور بات جو میں ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے والے علاقے کے لیے وزیر صاحب جتنے پیسے کا اعلان کریں۔ اسے میرے نام کروائیں تاکہ میں بذات خود آ کر آپ کی بھی مدد کروں اور ان لوگوں کو

بھی ادھر ادھر کروا دوں جو آپ جیسے ایک بڑے مذہبی راہنما کی پگڑی اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کی تجویز کے مطابق میں نے سب پولیس والوں کے تبادلے کروا دیئے ہیں۔ جس کی وجہ سے حالات بھی آپ کے حق میں کروا دیئے ہیں۔ میں بہت جلد واپس آنے والا ہوں اور سمجھ لو کہ ان لوگوں کا روز حساب قریب آ گیا ہے۔"

پیر صاحب نے اس بڑے شخص کے خط کو بھی اپنے لیے نیک فال جانا کیونکہ دارالخلافے میں جا کر بیٹھ جانے والا گھرانہ بھی اسی انتقام میں بھرا بیٹھا تھا۔ چنانچہ وہ خوشی سے بھر گیا۔

اور سوچنے لگا کہ:

"لڑکی اور اس کی بستی والے لوگ کس کس محاذ پر اسے (یعنی درگاہ کے پیر) کو شکست دیں گے۔ اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ طرز کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اپنی چشم تصور میں دو ایک روز بعد اس بستی کے لوگوں کی پگڑیاں اور عورتوں کی چادریں ڈاکوؤں اور بعض عہدیداروں کے ہاتھوں رلتے دیکھ رہا تھا اور یوں اسے پوری بستی سے شعلے اٹھتے نظر آ رہے تھے اور اسے اپنے خیال میں یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ کس طرح اس کے آدمی اس لڑکی کو زندہ گھسیٹ رہے ہیں یا اس کی لاش کو گھسیٹ گھسیٹ کر ادھر ادھر پھینک رہے ہیں اور اس کے اس طرح کامیاب ہو جانے پر کس کس طرح علاقے کے بڑے بڑے اشخاص اس کا شکریہ ادا کرنے چلے آ رہے ہیں اور وہ کس طرح گاہے گاہے انہیں اپنی شرائط سے آگاہ کرتا جا رہا ہے۔"

کچھ دیر بعد گاڑی والے شخص نے اسے یہ کہہ کر چونکا دیا کہ پولیس والوں نے پیغام بھیجا ہے کہ:

"پیر صاحب کو اپنی حفاظت کے لیے میلے کے دوران کتنی نفری درکار ہوگی۔" پیر صاحب نے کچھ بتانے کے بعد گاڑی والے شخص سے آیندہ پیدا ہونے والی صورت حال کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی۔

گاڑی والے نے کہا:

"میں سب سے زیادہ ان نتائج سے خوفزدہ ہوں۔ جن کا سامنا ہمیں ناکامی کی صورت میں کرنا پڑے گا۔"

درگاہ کے پیر نے جواب دیا:

"ہمیں پہلے ہی یہاں کے بڑے بڑے اشخاص یقین دلا چکے ہیں کہ وہ کئی اور طریقوں سے بھی دشمن کو زیر کرنا اور تباہ کرنا جانتے ہیں۔ لہٰذا فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ہمیں موجودہ حالات کو زیادہ سے زیادہ اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لڑکی کے علاقے سے جتنے لوگ بھی درگاہ کی زیارت کو آئیں۔ ان پر نگاہ رکھو اور انہیں ہر طرح کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لو۔ اس سلسلے میں اگر ایک آدمی بھی مل جائے تو ہمارے لیے اپنے مقاصد حاصل کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔"

وزیر صاحب کے آنے سے تقریباً دو روز پہلے پچھلے پہاڑوں کی وادی والے جنگل میں تمام ڈاکوؤں کا اجتماع ہونا قرار پایا۔ جب سے وہ سرزمین ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سرگرمیوں کا مرکز بنی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ سب آپس میں اختلافات رکھنے کے باوجود اکٹھے ہو رہے تھے۔ اجتماع کے لیے یہ جگہ انہوں نے اس لیے منتخب کی تھی کہ یہ دشوار گزار راستے طے کرنے کے بعد واقع تھی۔ دوسرے یہ کہ اس جگہ کا محاصرہ ناممکن تھا کیوں کہ اس کی پچھلی اطراف پاکستان کے ایک ہمسایہ ملک کو جا نکلتی تھیں۔

عام طور پر بوقت ضرورت ڈاکو ادھر ہی کی راہ لیتے تھے اور آج تک اگر کبھی کسی نے ان کی سرکوبی کی کوشش کی تو اسے آخرکار منہ کی کھانی پڑی۔ ہمسایہ ملک کے ان جیسے لٹیرے، ڈاکو یا دہشت گرد بھی ان سے روابط رکھتے تھے تاکہ وہ بھی اپنی ضروریات ان سے پوری کرلیا کریں۔

حکومتوں کے آپس میں کیسے تعلقات ہوں مگر یہ ان سے بے نیاز ہوتے تھے۔ اس لیے کہ برائی اور باطل صرف نیکی و حق کے ہی دشمن ہوتے ہیں۔ ان کے لیے نسل، جغرافیائی سرحدیں یا دنیا کا کوئی اور پیمانہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس سے پہلے تو وہ ویسے بھی اس طرح اجتماع نہیں کرتے تھے کیوں کہ انہیں یہ گارنٹی نہیں ہوتی تھی کہ وہ ہر لحاظ سے اور ہر طرف سے محفوظ ہیں۔

یہ اجتماع انہوں نے رات کے درمیانی پہر کو رکھا تھا۔ تاکہ دن کو علاقوں کے لوگوں کو ان کی آمد و رفت کی خبر نہ ہو سکے۔ مبادا کہ دشمن ان کے ارادے بھانپ جائے۔ انہوں نے اسے اتنا خفیہ رکھا کہ آج تک کی گئی کسی واردات کی خبر اور منصوبہ بندی بھی اتنی خفیہ نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ ان کے بارے میں تو کئی بار پہلے سے نشانہ بننے والی بستی کے افراد کو وارننگ دی جاتی تھی کہ ان کی شرائط کے مطابق مال و متاع بستی سے باہر رکھ دیا جائے ورنہ لٹنے اور مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ کبھی کبھار تو بڑوں کی شہہ پاکر ان کے حوصلے اتنے بڑھ جاتے تھے کہ وہ بعض پولیس اسٹیشنوں پر جا حملہ آور ہوتے اور پسند کا اسلحہ وغیرہ لوٹ کر لے جاتے اور بعد میں غریب سپاہی نتائج بھگتتے رہتے اور اکثر اوقات نوکریوں سے نکال دیئے جاتے۔ اس دوران اگر کچھ ڈاکو پکڑے بھی جاتے تو گواہیاں وغیرہ نہ ہونے

کی بناء پر ملکی عدالتیں انہیں آسانی سے رہا کر دیا کرتیں یا بڑے بڑے دباؤ ڈال کر انہیں ضمانتوں پر عدالتوں سے پہلے ہی رہا کروالیا کرتے۔

کئی بار اخباروں کے تجزیاتی تبصروں میں لکھا جاتا کہ فلاں فلاں بڑی وارداتوں میں ڈاکوؤں کو خود پولیس والوں کی اعانت حاصل تھی لیکن ان خبروں میں کتنی سچائی ہوتی تھی اس کے بارے میں شاید ہی کوئی عدالتی فیصلہ سامنے آیا ہو۔ بہرحال اتنا ضرور تھا کہ ڈاکوؤں کے وہ گروہ انتہائی منظم ہو چکے تھے اس لیے انہیں اپنی وارداتوں کو اب خفیہ رکھنے کی چنداں ضرورت نہ ہوتی تھی کیوں کہ یہ وارداتیں تو اب ان کا آئے دن کا معمول بن چکا تھا۔

دو سال پہلے ایک بڑے شخص کے کہنے پر جب انہوں نے ایک پروفیسر کے گھر کو لوٹنے کی کوشش کی تھی تو وہاں کچھ نہ ملنے پر وہ اس کی ساری کتابوں کو آگ لگا کر چلے آئے تھے اور اس قصے کو یاد کر کر کے بڑے اشخاص آپس میں ہنسا کرتے تھے حالانکہ اس واردات سے پہلے ہی انہوں نے پروفیسر کو آگاہ کر دیا تھا مگر وہ اپنی بے بسی کی بناء پر کچھ نہ کر سکا تھا۔

لیکن آج کی رات چاروں کے چاروں گروہ بڑی ہی احتیاط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ درگاہ کے پیر نے انہیں پہلے ہی سے بہت بڑی رقم سے نواز دیا تھا۔ اور گاڑی والے شخص نے انہیں ناکامی کی صورت میں خطرناک نتائج کی دھمکی دے رکھی تھی۔ ڈاکوؤں کے چاروں سرداروں نے اسی لیے اپنے اپنے گروہ کے تمام ڈاکوؤں کو ہر بات سے آگاہ کر رکھا تھا اور انہیں اپنی طرف سے مزید تنبیہہ کر دی گئی تھی کہ کسی کی معمولی سی غلطی بھی معاف نہیں کی جائے گی اور

اسے اگلے ہی لمحے ڈھیر کر دیا جائے گا۔ ڈاکوؤں کے سرداروں کے سوا تمام ڈاکو جوان تھے۔

اگرچہ وہ علاقہ صرف ایک گروہ کے زیر کنٹرول تھا لیکن اس کی گزرگاہیں ہمسایہ ملک تک سب کے لیے کھلی تھیں اور ان میں یہ غیر تحریری معاہدہ چلا آ رہا تھا کہ کوئی راستہ چاہے کہیں بھی ہو۔ وہ تمام گروہوں کے لیے کھلا رہے گا اور جب تک کوئی گروہ اس راستے سے گزر رہا ہو گا اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس علاقے کے گروہ پر عائد ہو گی۔ اسی وجہ سے آج تک ان کا آپس میں شاید ہی کوئی نقصان ہوا ہو گا۔

بستیوں اور دیہاتوں کے لوگ جو سرشام اپنے کواڑوں کو مقفل کر کے کمروں میں جا سوتے تھے۔ وہ بھی بے سود ثابت ہوتے تھے۔ کیوں کہ واردات کی رات کو وہ سب قفل و تالے توڑ دیا کرتے تھے۔ اور آیندہ انہوں نے طریقہ بنا لیا تھا کہ واردات سے پہلے لوگوں کو خبردار کر دیتے تھے کہ بستی میں کوئی دروازہ بند نہیں کیا جائے گا اور جس کا دروازہ بند پایا گیا۔ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ایسے میں سیانے لوگ گھربار کھلا چھوڑ کر اپنی بہو بیٹیوں کو لے کر کہیں دوسری بستی میں جا پناہ لیتے تھے۔ اور اگلے روز واپس آ کر اپنے خالی گھروں میں پھر سے تنکا تنکا جمع کرنا شروع کر دیتے۔ تاکہ جیسی تیسی ہی سہی پر زندگی تو گزر جائے۔

ڈاکوؤں نے اپنے اجتماع کے لیے جس رات کا انتخاب کیا تھا۔ وہ ایک لحاظ سے بے نور رات تھی۔ کیوں کہ چاند پہلی رات کا بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اور کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے ستاروں کی روشنی کو بھی مقید کیے ہوئے تھے۔ جنگل ویسے بھی تاریک تھا۔ لے دے کر وہی ایک جگہ

جہاں اجتماع ہونا تھا' ایک چھوٹی سی جھیل کے کنارے تھی اور پانی کی وجہ
سے ذرا سی روشن تھی۔ یہ جھیل بھی بس جنگل کے معصوم جانوروں کے
لیے رہ گئی تھی۔ کیوں کہ ڈاکوؤں نے اپنے ہوتے ہوئے وہاں کوئی درندہ
رہنے ہی نہیں دیا تھا۔

ڈاکو سر شام ہی وہاں آنا شروع ہو گئے تھے اور اس سے پہلے کہ
رات جواں ہو۔ وہ اپنی کمین گاہ میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ ڈاکو گروہوں کی
صورت میں ساتھ ساتھ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور ڈاکوؤں کے چاروں سردار
ایک بنائی گئی سادہ سی سٹیج نما جگہ پر براجمان ہو گئے۔ اگرچہ انہیں تسلی تو
تھی کہ اس رات کوئی وردی والا چھاپہ نہیں مارے گا۔ پھر بھی حفظ ماتقدم
کے طور پر انہوں نے دو چار ڈاکوؤں کو پہرے داروں کے روپ میں دور
پہاڑی راستوں پر بھیج دیا تاکہ وہ آتے جاتے پر نظر رکھ سکیں۔

سرداروں میں وہ جو عمر میں ذرا زیادہ تھا۔ اس نے پہل کی اور ان سب
سے محتاط انداز میں یوں مخاطب ہوا:

دوستو!

"ایک لحاظ سے یہ ہم سب کا امتحان ہے۔ اصل واردات کے لیے آپ
آگاہ اور تیار ہو چکے ہوں گے۔ اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب کسی
باقاعدہ حکمت عملی کے ذریعے بستی میں داخل ہو کر لوگوں کو سنبھلنے کا موقع
ہی نہ دیں اور بغیر کسی تاخیر کے اسے آگ لگا دیں۔ آپ اس بات کا خاص
خیال رکھیں کہ ہمیں بستی کو صرف آگ لگانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے
اور اسے لوٹنا ہمارا مقصد نہیں۔"

یاد رکھو کہ:

"یہ کام لوٹنے سے زیادہ آسان اور جلد مکمل ہونے والا ہے۔ رہی بات
لڑکی کا کام تمام کرنے کی تو میری تجویز یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم خود
غرضی کا ثبوت دیں اور بڑے انعام کے لیے آپس میں ہی ٹکرا جائیں۔ بہتر
یہ ہے کہ اس کے لیے بھی کوئی مشترکہ طریقہ اختیار کیا جائے اور جو بھی
اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو۔ اس کا انعام بھی ہم سب آپس میں یوں ہی
برابر تقسیم کر لیں۔"

اس مختصر سے خطاب کے بعد دوسرے گروہ کے سردار نے اپنا
موقف بیان کرنے کے لیے اجازت چاہی اور اس نے پہلے والے سردار کی
گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

ساتھیو!

"ہمیں وقت ضائع کرنے کی بجائے اس حکمت عملی کو وضع کر لینا چاہیے۔
جو ہمیں کامیابی دلا سکے۔ اس سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ ہمارے چار چھ
جوان بستی والوں ہی کے لباس میں وہاں چلے جائیں اور ان میں جا کر بیٹھ
جائیں۔ جنہیں لڑکی مختلف موضوعات پر درس دیتی ہے اور درخواست
کریں کہ وہ بھی درس میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہیں بھی وہاں
بیٹھنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ اسی دوران جب ہم بستی پر حملہ آور ہوں تو
وہ نوجوان لڑکی کا وہیں کام تمام کر دیں۔"

تیسرے سردار نے ان دونوں کی بعض وضاحتوں سے اتفاق نہ کیا اور اپنی
رائے دیتے ہوئے کہا:

ہم سفرو!

"ہمارے نوجوانوں کا اس طرح پہلے سے بستی میں داخل ہونا بستی میں کسی

بھی شخص کو شک میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اور اس طرح ہمارا سارے کا سارا
منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ ایک ہی
دفعہ بستی کو چاروں طرف سے محاصرے میں لے کر اندر داخل ہوا جائے
اور مار دھاڑ کرتے ہوئے لڑکی کو اٹھا لیا جائے۔ لوگ جب چھڑانے کے لیے
ہمارے پیچھے بھاگیں تو اسی دوران بستی کو آگ لگا دی جائے۔ اگر مزاحمت
ہو تو سب کو قتل کر دیا جائے۔"

چوتھے سردار نے آخری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے ان سب کی توجہ کسی
بہت اہم بات کی طرف دلاتے ہوئے کہا۔

عزیزو!

"اس میں شک نہیں کہ ہم آدھی رقم لے چکے ہیں اور آدھی ایک آدھ
روز بعد واردات کرنے پر مل جائے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ لڑکی کو کیسے
قتل کیا جائے۔ کیوں کہ لوگ بستی کو بچانے کے لیے شاید مزاحمت نہ
کریں۔ مگر لڑکی کو بچانے کے لیے وہ اپنی جانوں کی بھی بازی لگا دیں گے
اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہر حربہ استعمال کریں گے اور اس طرح
ہمارے بہت سے ساتھیوں کی جانیں بھی جا سکتی ہیں۔ لہٰذا ہم اس بات سے
اتفاق نہیں کرتے کہ لڑکی کو مارنے کا جو صلہ ملے اسے برابر تقسیم کر لیا
جائے۔ میری تجویز یہ ہے کہ پرچیاں ڈال لی جائیں اور ان میں جس کا نام
نکلے۔ اسی کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے ختم کرے اور اس کا انعام بھی وہ خود
ہی وصول کرے۔"

تمام گروہوں کے ڈاکوؤں نے اس سے اتفاق کیا اور اس کی تجویز
کو سراہا گیا۔ ابھی یہ بات ختم ہی ہوئی تھی۔ اور پہلے والا سردار ڈاکوؤں کو

ہدایات دینے ہی والا تھا کہ سب سے آگے بیٹھے ہوئے ایک بڑے نوجوان
ڈاکو نے اسے ایک چھوٹا سا لفافہ تھما دیا اور کہا:

"یہ پچھلی والی قطاروں میں سے کسی نے بھیجا ہے تاکہ اسے آپ تک پہنچا
دیا جائے۔"

سردار ڈاکو نے بغیر کھولے ہوئے پوچھا:

یہ کس نے بھیجا ہے؟

اس سوال پر سب ڈاکو آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے
لگے۔ کیوں کہ یہ پچھلی جانب سے ہاتھوں ہاتھ چلتا ہوا آیا تھا اور کسی نے
توجہ نہیں دی تھی کہ یہ خط اصل میں کس نے کس کو پہلے دیا تھا۔ اس لیے
سبھی خاموش رہے۔

ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے تینوں سرداروں نے اس سے کہا:

"اس خط کو لیمپ کے سامنے لا کر پڑھو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی نے کوئی پیغام
بھیجا ہو؟" سیانی عمر کے ڈاکو سردار نے اسے کھولا تو پڑھ کر حیرت زدہ ہو کر
چپ کا چپ کھڑا رہ گیا۔

سب نے کہا:

"اس خط کو اونچی آواز میں پڑھو۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا:

اگر ضرور سننا چاہتے ہو تو سنو!

"ابھی آپ نے تجویز دی تھی کہ جس کے حق میں پرچی نکلے گی۔ وہی لڑکی
کو قتل کرے گا تو اس کاغذ پر لکھا ہے۔"

"میرے محترم بھائیو!

اگر میں اسی وقت تمہارے سامنے آ کھڑی ہوں تو مجھے قتل کرنے کا فیصلہ تم کس طرح کر پاؤ گے۔ ممکن ہے جس کے حق میں پرچی نکلے وہ مجھے قتل نہ کر سکے تو پھر کیا کرو گے؟

موت کی منتظر!

تمہاری بہن

یہ الفاظ سنتے ہی ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ ڈاکو حیرانی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

ایک سردار نے کہا:

"یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ لڑکی یہ ہمت کر سکے اور ہمارے درمیان آ کھڑی ہو۔ ایک عورت آخر ہوتی ہی کیا ہے؟ سمجھ لو کسی چڑیا یا عورت کی گردن مروڑنا ایک برابر ہے۔"

دوسرے نے کہا:

"اس میں اتنی جرات ہوتی تو سامنے آ کھڑی ہوتی۔ بات صرف اتنی ہے کہ یہ سب ہمیں خوفزدہ کرنے کا کوئی حربہ ہے۔"

درمیان میں سے ایک سورما ڈاکو نے آواز لگائی:

"دوستو اگر ہرن خود ہی شیروں کی کچھار میں چلا آئے تو شیروں کو اور کیا چاہیے؟"

اس بات کو سن کر بہت سے ڈاکو اونچی آواز میں ہنس دیئے۔

ایک سردار نے کہا:

"مگر یہ کاغذ دیا کس نے ہے؟"

سامنے بیٹھے ہوئے ایک ڈاکو نے کہا:

"یہ ہم میں سے ہی کسی کی شرارت ہے۔"

سیانی عمر کا سردار خاموشی سے مجمع کی جانب دیکھتا رہا اور سب کی باتیں سنتا رہا۔

تھوڑی دیر تک جب سبھی اس خط کے جواب میں اپنی اپنی للکار سنا چکے تو اس نے کہا:

دوستو!

"یہ الفاظ ہم میں سے کسی کے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی یہ الفاظ کسی ایسی خاتون کے ہیں جس کا تعلق واقعی ہمارے علاقوں سے ہو۔ میں اپنی پوری عمر کے تجربے کے بعد کہتا ہوں کہ اگر ہماری تعداد اور بھی چار گنا ہوتی تو بھی ہم اس لڑکی کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ یہ خاتون انتہائی ذہین اور بہادر ہے۔ یہ مجھے اس حد تک دانشمند اور باعلم محسوس ہو رہی ہے کہ ہمارے کئی بڑے بڑے اس کی گرد تک کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

میں آپ کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کرتا کہ اس میں ہمت ہوتی تو وہ کاغذ بھیجنے کی بجائے خود چلی آتی۔"

میرا دل کہہ رہا ہے کہ:

"وہ ہم سے دور نہیں اور شاید ہم اس کے نرغے میں آ چکے ہیں"

اور یاد رکھو!

"کوئی ہرن کبھی شیروں کی کچھار میں نہیں آتا اور جو شیروں کی کچھار میں آتا ہے وہ یقیناً شیروں کا شکاری ہوتا ہے۔"

دائیں طرف بیٹھے ہوئے سردار ڈاکو نے کہا:

"ہم آج تک اسی لیے آپ سے مل کر وارداتیں نہیں کیا کرتے کہ آپ کا

گروہ بزدلوں کا ہے اور وقت آنے پر ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔ اس لیے کہ بزدل ہمیشہ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں اور موقع پر تباہ کروا دینے والے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ تم ہمیں بلاوجہ خوفزدہ کر رہے ہو۔"

اس نے اپنی بات بڑھاتے ہوئے ان سب کو مخاطب ہو کر کہا:۔

میرے دوستو سنو!

"کس کی مجال ہے جو ہماری غاروں کی جانب چلا آئے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ دو تین سال پہلے ایک بڑے پولیس آفیسر نے ہمیں بڑے بڑے دھمکی آمیز پیغامات بھیجے تھے مگر بعد میں اس نے کیا کر لیا تھا۔ بلکہ الٹا اسے ہی بدترین نتائج بھگتنے پڑے تھے اور پچھلے سال دو وحشت گردوں نے ہم سے اپنا مال چھڑانے کے لیے ہمیں خوف ناک نتائج کی دھمکی دی تھی مگر آخر کار ہم نے ہی ان کا قیمہ کر کے رکھ دیا تھا۔"

اس نے سیانی عمر والے ڈاکو سردار کا مذاق اڑاتے ہوئے مزید کہا:

"مجھے تو یوں لگتا ہے کہ تمہارا بڑھاپا تمہارے ہی گروہ کے لیے سردرد بنا بیٹھا ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ تمہارے گروہ کو کسی جوان سردار کی ضرورت ہے۔ تم نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے اور اب بہتر ہے کہ صرف اپنے آپ کو تجویزیں دیتے رہا کرو۔"

آپ خود ہی سوچو!

"کوئی دو ٹکے کی عورت ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہے اور آپ اس کے دو اڑھائی الفاظ سے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

سامنے بیٹھے ہوئے چند کے سوا تمام ڈاکوؤں نے آفرین کہا۔

دوسرے سرداروں نے بھی یہ کہتے ہوئے تائید کی:

"اس پاگل کو خود ہی علم ہو جائے گا کہ ہم کون ہیں؟"

وہ ابھی اپنی جوشیلی باتیں جاری رکھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ کوئی بالکل سیاہ مردانہ لباس میں آدھے چہرے پر پردہ ڈالے بڑے اطمینان سے سٹیج کی جانب بڑھا چلا آ رہا ہے۔

سامنے آ کر رکتے ہی آنے والے نے بڑی متانت سے کہا:

معزز بھائیو!

"میں وہی لڑکی ہوں جس کی بستی کو جلانے اور جسے قتل کرنے کے لیے تم آج کی سیاہ رات کو اپنی پناہ جان کر یہاں جمع ہوئے ہو۔"

یاد رکھو!

"جب کوئی اللہ کے قوانین توڑ کر اس کی پناہ حاصل کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو پھر آخر کار اس کائنات میں کوئی طاقت اسے پناہ نہیں دیتی۔"

یہ اچانک پیدا ہونے والا ماحول سارے کے سارے ڈاکوؤں کے لیے عجیب حیرت و تذبذب لے کر آیا تھا۔ چند لمحوں کے سکتے کے بعد ایک گروہ کے ایک سورما ڈاکو نے لڑکی کے خلاف گستاخانہ الفاظ بولتے ہوئے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے دو تین ساتھیوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

ساتھ والے گروہ کے دو ایک ڈاکوؤں نے کھڑے ہو کر کہا:

"سردار سنبھالو اپنے سورمے کو ورنہ دو لمحوں میں اس کی کھال اتار کر ہم تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے۔"

لڑکی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

بھائیو!

"ابھی آپ نے جو مجھ پر وار کرنے ہیں یا جو کچھ مجھے کہنا ہے۔ اسے کچھ دیر سنبھالو اور صبر سے کام لو۔ اگر میں خود آئی ہوں تو بھاگ کر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں ضرور موقع دیا جائے گا کہ اپنا بڑے سے بڑا حربہ اور زیادہ سے زیادہ طاقت میرے خلاف آزماؤ۔

حقیقت یہ ہے کہ تم دنیا کے کمزور ترین اور بزدل ترین انسان ہو۔ جو اتنے زیادہ ہو کر بھی ان پہاڑوں کے پیچھے آ چھپے ہو۔ تم نے آج تک جہالت سے مارے ہوئے لوگوں کے خوف و ہراس سے فائدہ اٹھایا ہے اور یوں اپنے آپ کو جی دار اور جاندار سمجھنے لگ گئے۔"

غور سے سوچو!

"اگر وہ غریب و بزدل لوگ کسی وقت آپس میں اتحاد کر لیتے تو آج تمہاری قبروں میں تمہارے جسموں کے ڈھانچے بھی ٹوٹ پھوٹ رہے ہوتے۔

اے کمزور و بزدل انسانو سنو!

تم سب اس لیے بھی بزدل ہو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی بجائے بڑے بڑے اشخاص کی پناہ لے رکھی ہے۔ آج بھی تمہیں اگر کسی کی مدد و اعانت حاصل نہ ہوتی تو یہاں اکٹھے ہوتے ہوئے تمہارے پاؤں لڑکھڑا رہے ہوتے۔

یاد رکھو!

کسی کمزور و بے سہارا' بے گناہ و مجبور کو برباد کرنے والا کبھی بہادر نہیں کہلا سکتا۔ وہ صرف اور صرف ظالم اور بزدل کہلا سکتا ہے۔ تم سب نے بہادری کا لفظ سن رکھا ہے مگر بہادری اور بہادروں سے نا آشنا ہو۔ کاش تم اسلام کو بھی جان رہے ہوتے تو میں تمہیں بتلاتی کہ کس طرح علیؓ نے دشمن کے سینے پر بیٹھ کر اپنے چہرے پر تھوکنے والے کی حرکت سے اسے یہ

کہہ کر معاف کر دیا تھا کہ:

"اب میرا اس سے لڑنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں بلکہ اپنی انا اور ذات کی خاطر ہوگا۔"

اگر جان گئے ہو تو سمجھ لو کہ بہادری بس اسی سلیقہ و انداز کو کہتے ہیں۔ مگر جو طریقے تم نے اپنا رکھے ہیں۔ وہ صرف درندگی اور ظلم کی ہی پرورش کرتے ہیں۔

غور کرو اور سوچو کہ:

"جن لوگوں کی خاطر تم جان ہتھیلی پہ لیے لیے پھرتے ہو۔ وہ خود تو دن کے اجالے میں ہنستے کھیلتے' اپنی عیاشیوں میں مصروف ہیں۔ ان کی خاطر بندوقوں کا بوجھ تم اٹھائے پھرتے ہو اور بینکوں میں ان کی دولت ابل رہی ہے۔"

کیا تم نہیں جانتے کہ وہ رقم جو آج تم نے آپس میں تقسیم کی ہے۔ وہ ساری کی ساری انہوں نے تمہارا خوف دلا کر معصوم و مفلس جانوں سے چھین رکھی ہے۔ اسی رقم میں سے کچھ تمہیں دے کر انہوں نے تمہارے اوپر کیا احسان کیا ہے؟ اگر وہ واقعی تمہارے خیر خواہ ہیں تو انہیں کہو کہ اپنے بیٹوں کو ہماری بستی کو آگ لگانے کے لیے بھیجیں۔

میرے بھائیو!

توجہ سے سنو تم لوگ پرلے درجے کے جاہل اور اپنی ہی جانوں پر ستم کرنے والے ہو۔ اس لیے کہ جو طاقت تم نے انہیں طاقتور اور خوشحال بنانے اور ان کے ظلم کی پرورش کرنے میں لگا رکھی ہے۔ تم اگر اس سے بھی آدھی طاقت صرف اپنی ذات کو سنوارنے اور خوش حالی حاصل کرنے میں صرف

کرتے تو آج ساری دنیا کی نگاہوں میں محترم ہوتے۔

سنو!

تم جتنے زیادہ جاہل ہو اس سے کہیں زیادہ سادہ و نادان اور بیوقوف بھی ہو۔
کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے مقابلے میں ان لوگوں نے دہشت گردوں کا گروہ علیحدہ سے تیار کر رکھا ہے۔ جو تمہاری ناکامی کی صورت میں تمہارے پرخچے اڑا دے گا۔ اگر یقین نہیں تو پوچھو اپنے سرداروں سے کہ جب وہ درگاہ کے پیر اور گاڑی والے سے معاہدہ کر رہے تھے تو انہوں نے انہیں کیا ایسے ہی نتائج کی دھمکی نہیں دی تھی؟

تمہیں علم نہیں مگر میں جانتی ہوں کہ اس وقت تمہاری صفوں میں ان کے تربیت یافتہ کچھ دہشت گرد بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ جنہیں تم سے کہیں زیادہ رقم پہلے سے ادا کی جا چکی ہے مگر میں انہیں بھی یہی رائے دیتی ہوں کہ وہ تمہاری ہی طرح ورغلائے ہوئے ہیں۔ کیوں کہ وہ تمہاری ہی طرح بزدل اور فراریت پسند ہیں اور تمہاری ہی طرح انہوں نے بھی اپنے گھروں کی مجبوریوں' بے روزگاریوں اور بڑے اشخاص کے مظالم کو بہانہ بنا کر دہشت گردی میں پناہ لے رکھی ہے۔ کیوں کہ یہ بدترین راستہ تمہاری ہی طرح انہیں بربادی اور خون کے عوض دولت عطا کرتا ہے۔

اے گمراہ انسانو!

اپنے دماغوں میں کوئی تو روشنی کی کرن داخل ہونے دو اور ذرا سوچو تو سہی کہ بے بہا دولت حاصل کر کے اگر اطمینان چھن جائے اور بے گناہ انسانوں کی چیخیں' فریادیں اور بددعائیں ہی تمہیں گھیرے رکھیں تو یہ کتنا گھاٹے کا سودا ہے۔ خشک روٹی کا صرف ایک لقمہ اس پر تعیش کھانے سے کہیں زیادہ

لذیذ و قیمتی ہے جو انسانوں کے خون' فریادوں' مجبوریوں اور بددعاؤں کے عوض کھایا جائے۔

تم اپنی حالت پر غور کرو!

اتنا کچھ لوٹنے کے باوجود تم اپنے دلوں کی دھڑکنوں کے خوف و ہراس سے باہر نہیں آ سکے ہو اور چھپ چھپ کر زندگی گزار رہے ہو۔ اور تمہاری طرح یہ دہشت گرد بھی ایک دن میں کئی بار جیتے اور کئی بار مرتے ہیں۔ کیوں کہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے سر اٹھانے یا دھوکہ دینے کی صورت میں انہوں نے ان کے لیے علیحدہ سے کرائے کے قاتل منگوا رکھے ہیں اور یہ اپنے ہی وفاداروں کو ختم کرنے کا سلسلہ زنجیر در زنجیر بہت طویل ہے۔

ان دہشت گردوں کا احساس جرم تمہاری ہی طرح ان کی ہر دھڑکن کو بوجھ بنا کے رکھ دیتا ہے اور بالفرض اگر وہ اپنی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہو بھی جاتے ہیں اور اپنے ظلم کی قیمت وصول بھی کر لیتے ہیں تو آخرکار اپنی مرضی سے اور کتنی لمبی عمر جی لیں گے۔

سوچو!

کہ صرف چند سالوں کی عیاشی کے لیے وہ اور تم پیار سے بھرے انسانوں کو خاک اور خون میں ملا کر تڑپتا ہوا چھوڑ دیتے ہو۔ تم سے کہیں زیادہ بہادر' باغیرت اور ہمت والا تو وہ ایک مزدور ہے جو صبح روزی کی تلاش میں پرندوں کی طرح اپنے آشیانے سے نکلتا ہے اور شام کو اک پرسکون تھکن لیے اپنی بیٹی اور بیٹے کو چومتا ہوا اپنی کٹیا میں چلا آتا ہے۔

یاد رکھو!

کہ تم جیسے کروڑوں کی طاقت اس مزدور کی ہمت سے کہیں زیادہ کم تر'

پست اور بے وقعت ہے۔ اس مزدور کی بھوک' تھکن اور سکون تمہاری بے بہا دولت' عیاشیوں اور غیرت سے عاری جذبوں سے کہیں زیادہ قیمتی' محترم اور نسل انسانی کا سرمایہ ہیں۔ مگر بد ترین ظلم یہ ہے کہ دہشت گردوں کے بم اور تمہاری بندوقیں انہیں بھی برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

تم لوگ فصلوں اور کھلیانوں کو اس لیے تباہ کر دیتے ہو۔ تاکہ بے آسرا کسانوں کو روٹی سے بھی محروم کر دیا جائے اور تم ملوں کو اس لیے نشانہ بناتے ہو کہ مزدوروں کو مزدوری بھی نہ مل سکے اور ان کے بچے بلکتے ہوئے سو جایا کریں۔ تم رونق بھرے بازاروں' بسوں اور ریلوں کو اس لیے نشانہ بناتے ہو کہ گھروں میں انتظار کرتے ہوئے بچے' بہن' بھائی سب اپنے پیاروں کے چہرے دیکھنے کے لیے ساری عمر ترستے رہیں اور قوم کے مفلس و بے آسرا لوگ پھر سے اپنے نوالوں کا ٹیکس دے دے کر اپنے لیے پھر سے کوئی روزی کے ذرائع تعمیر کرنے کو سرگرداں رہیں۔

غور سے سوچو!

کہ اصل میں یہ ہے تمہاری زندگی جس کے لیے تم جیئے جا رہے ہو اور اس کے بدلے میں تمہیں اور تم جیسے دہشت گردوں کو پالنے والے معاشرے میں خود محترم ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر تمہیں اور تمہارے جیسی نسلوں کو معاشرے میں ذلیل و خوار اور رسوا ہونے کے لیے زندہ رکھے ہوئے ہیں۔"

سارے ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خونخوار سانسوں والے ڈاکو دم بخود بیٹھے اس کے ایک ایک لفظ کو توجہ سے سن رہے تھے۔ سارا ماحول یوں لگ رہا تھا کہ جیسے موت کا عالم طاری ہو۔ بہت سے تو اس دوران اپنی

مٹھیاں بند کرتے اور کھولتے رہے۔ بہت سے لاشعوری طور پر اپنے ہونٹوں کو چبانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ اسی دوران ایک سردار ڈاکو نے بڑے تلخ لہجے میں لڑکی کو خاموش کرنے کی کوشش کی۔ مگر جس ڈاکو نے لفافہ ایک سردار کے حوالے کیا تھا۔ اس نے گرجدار آواز میں اسے منع کرتے ہوئے کہا:

سردار!

"اگر تم نے دوبارہ یہ حرکت کی تو پگڑی سمیت تمہارا سر اتار کر اس خاتون کے قدموں میں ڈال دیا جائے گا۔"

اس کا یہ لہجہ دیکھ کر ڈاکوؤں کے باقی گروہ بھی سکتے میں آ گئے اور انہیں سیانے سردار کی بات یاد آنے لگی کہ وہ سب لڑکی کے نرغے میں آ چکے ہیں۔

لڑکی نے ماحول کو پھر سے سنبھالا دیا اور انہیں دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا:

محترم بھائیو!

"آخر تم کس لیے اور کس کا سہارا لے کر انسانوں کی محبتوں سے سرشار دنیا کو چھوڑ کر صرف آگ اور خون کا کھیل کھیلنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہو۔ ہم چاہتے تو تمہاری واردات کے دن بستی کے بہت باہر تم میں سے ایک کو بھی بچ کر نہ نکلنے دیتے۔ اور تمہاری لاشوں کو اکٹھا کر کے فرعون کی لاش کی طرح محفوظ کر لیتے۔ تاکہ ڈاکوؤں کی آئندہ نسلیں عبرت حاصل کرتیں۔ مگر قرآن کریم نے ہمیں کسی بھی انسان کا اس وقت تک احترام کرنا سکھایا ہے جب تک کہ وہ اپنے اوپر ہدایت کے تمام دروازے بند نہیں کر لیتا اور

صرف فساد پھیلانے کے لیے زمین کا بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر یقیناً اس کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے۔"

میرے بھائیو!

"میرے یہ چند الفاظ اپنے لیے وارننگ سمجھنا۔ اگر تم قرآن کریم کا راستہ اختیار کرو گے تو تمہیں خود بخود راہنمائی ملے گی اور اگر منہ موڑ لو گے تو پھر ہم ہر اس جگہ تمہارا پیچھا کریں گے جہاں جہاں تم چھپنے کی کوشش کرو گے۔"

لڑکی کی گفتگو کے دوران تمام ڈاکوؤں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ حیران و پریشان ٹکٹکی باندھے اس کی جانب دیکھے جا رہے تھے۔ انہیں تو اپنی زندگی کا یہ کوئی افسانوی واقعہ لگ رہا تھا۔ ان میں سے کئی جو ذرا سا بہتر شعور رکھتے تھے۔ اپنے بیسیوں واقعات و وارداتوں کی یادوں سے ہراساں و لرزاں بیٹھے ہوئے تھے۔

سرداروں سمیت ان میں سے کئی سوچ رہے تھے کہ:

"کہاں جب وہ بستیوں کی بستیوں کو وارننگ دیتے تھے تو بڑے بڑے سورما اپنا سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور کہاں اب ایک خاتون ان کے سامنے کھڑی ان کے سارے کے سارے مجمع کو للکار رہی ہے۔"

لڑکی کچھ دیر سٹیج پر کھڑی رہی اور اس نے سرداروں سے کہا:

"اپنے اپنے گروہوں کے ڈاکوؤں سے مشورہ کر لو۔ دیکھنا کل کوئی حسرت لیے نہ رہ جائے۔ پوچھو ان سے اور فیصلہ کر لو کہ تمہارے سامنے میں نے قرآن اور بندوق دونوں کو رکھ دیا ہے۔ آپ اپنی پسند سے دونوں میں سے کسی کو بھی چن لو۔"

ڈاکوؤں میں سے ایک کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا:

"اس کی باتیں مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا میں نے بندوق کو چن لیا ہے۔ کل کی بات بعد میں ہو گی میں تو اسی وقت اس کا خون کروں گا اور انعام بھی میں خود ہی لوں گا۔"

دوسرے ڈاکو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ وہ ابھی تک لڑکی کی باتوں سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ ڈاکو تیزی سے اسٹیج کی جانب بڑھنے لگ گیا۔

لڑکی نے سرداروں کی جانب دیکھا اور پوچھا:

اے میرے بزرگو!

"ان حالات میں تمہارا قانون کیا ہے؟"

سیانی عمر کے سردار نے کہا:

"ہمارا اگر کوئی قابل عزت قانون ہوتا تو ہم اس طرح کی رسوا زندگی نہ گزار رہے ہوتے۔"

البتہ دوسرے سردار خاموش رہے۔

مگر وہ ڈاکو آگے بڑھتا گیا اور اسٹیج پر آ کر سب کی جانب چہرہ کر کے کہنے لگا:

"اب تم سب گواہ رہنا اور تم میں سے کسی کو شک نہیں رہنا چاہیے کہ اس لڑکی کو قتل کرنے کے لیے سب سے پہلے میں آگے بڑھا ہوں۔"

لڑکی اب بھی بڑے اعتماد سے ایک ہی جگہ کھڑی اسے اور مجمع کو دیکھ رہی تھی۔

ڈاکو نے مڑ کر لڑکی پر وار کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اپنے گوریلا طریقے سے اگلے ہی لمحے اسے بے ہوش کر کے اس کی شہہ رگ پر

پاؤں رکھا ہوا تھا۔ ڈاکوؤں کے سارے مجمع کے لیے یہ ایک دوسرا دل ہلا دینے والا واقعہ تھا۔

لڑکی نے سرداروں سے پوچھا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ اس کی شہہ رگ اس کے منہ سے نکال دوں یا پاؤں ہٹالوں؟"

سرداروں سمیت سارے کے سارے ڈاکو دم بخود اور حیرت زدہ اسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اور کچھ دیر تک خاموش تماشائی بنے رہے۔

لڑکی نے خود ہی پاؤں ہٹاتے ہوئے کہا:

بھائیو!

"اپنے انہی رویوں کو لے کر اگر کہیں تم ہمیں دوبارہ ملو گے تو ہم سے ایسے ہی احسان کی توقع نہ رکھنا۔ آپ کے سامنے میں قرآن اور بندوق چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ان میں سے جس کو پسند کرو گے۔ اسے کل شام کے ستارے سے پہلے ہماری جانب بھیج دینا۔ کچھ بھی واپس نہ آنے کی صورت میں تم ہمیں اپنا پیچھا کرتے ہوئے پاؤ گے۔ تمہارے ساتھی کو جب ہوش آئے تو اسے بتا دینا کہ مجھے اس سے اپنے احسان کا بدلہ نہیں چاہیے۔ میں نے صرف اللہ کی راہ میں اسے معاف کر دیا ہے خدا حافظ۔"

لڑکی یہ کہہ کر تیزی سے مجمعے سے نکل گئی اور رات کے اندھیرے میں بہت جلد اوجھل ہو گئی۔ کیوں کہ وہ جن راستوں سے آئی تھی انہی راستوں سے واپس چلی گئی۔

تمام ڈاکو دور تک اور دیر تک اس کے اوجھل ہو جانے کے باوجود اس طرف دیکھتے رہے۔ اپنے ساتھی ڈاکو کا حشر دیکھنے کے بعد کسی کی

بھی ہمت نہیں تھی کہ اس کا پیچھا کرے۔

کچھ دیر کے بعد سیانی عمر کے سردار نے کہا:

دوستو!

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا اور اس کے چلے جانے کے باوجود ہم اس کے نرغے میں ہیں۔ لیکن ان تمام حالات و واقعات سے قطع نظر میرا خیال ہے کہ ہمیں اب نئے انداز سے سوچنا ہو گا۔"

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

بھائیو!

"جو حالات دیکھتے دیکھتے آپ کے سامنے رونما ہوئے ہیں۔ آپ مجھے بتاؤ کہ ان سے کیسے نظریں چرا سکتے ہو۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور اب پھر یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اس خاتون کی ہم سب سے کہیں بڑھ کر بلند تر پرواز ہے۔ یوں سمجھو کہ ہم اس کی مٹھی میں بہت چھوٹے سے پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح ہیں۔ میری عقل اور دل کہتے ہیں کہ اب ہر گروہ میں ہمارے ساتھی کم اور ایسے ڈاکو زیادہ ہیں جن کے دماغوں پر لڑکی کے وقار، بہادری، اعتماد اور ایمان کی حکمرانی ہے۔"

اب ذرا غور سے سوچو کہ:

"ایسے میں تم کون سی واردات کر سکو گے۔"

ایک دوسرے سردار نے کہا:

میرے یار!

"اگر ایسا نہ بھی ہو جیسا کہ تم بتا رہے ہو تو پھر بھی سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ جن رازوں کو کھول کر اور حقائق سے پردہ ہٹا کر گئی ہے تو کیا ان میں

صداقت نہیں ہے؟ ایک لحاظ سے آپ سچ کہہ رہے ہو۔ کیوں کہ اس نے ہماری ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ اس کو تو یہ تک علم ہے کہ ہم سب نے آپس میں کتنی کتنی رقم تقسیم کی ہے اور یہ رقم کس کس نے اور کس کس مقصد کے لیے دی ہے۔ میرے خیال میں یہ بھی سچ ہے کہ اگر وہ چاہتی تو ہمیں یہیں پر ختم کر سکتی تھی کیوں کہ میرے یقین کے مطابق نہ وہ تنہا آئی تھی اور نہ ہی تنہا واپس گئی ہے۔

مگر میں ان سب باتوں سے ہٹ کر یہ سوچ رہا ہوں کہ:

"کیا ہم واقعی جانوروں یا اندھوں کی طرح ایسی جانب بھاگے جا رہے ہیں جو حقیقت میں صرف سراب ہی سراب ہے۔

غور سے سوچو!

"اس سراب سے ہم کب اور کہاں پہنچ کر اپنی پیاس بجھائیں گے۔ مجھے تو اس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔"

بہت سے ڈاکوؤں نے اٹھ اٹھ کر بہت کچھ کہا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا:

"ایک وہ جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے سہارے آخری نبیؐ کو اپنا راہنما مان کر، قرآن سے ہدایت لیتی ہوئی اس تیرہ و تاریک رات میں ان پہاڑوں کے پیچھے ہم سے آ ٹکرائی اور ایک ہم ہیں کہ دوسروں کے جرائم اور سازشوں کا بوجھ اپنے سروں پر اٹھائے کسی بھی زہر سے مہلک تر اس قسم کی دولت کے بدلے لوگوں کی آہیں اور بددعائیں لیے لیے پھرتے ہیں اور آسرے و پناہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ اس طرح گھل گھل کر مرتے رہنے سے بہتر ہے کہ ہم خود ہی اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر کے مشکل ترین ہی سہی مگر پرسکون زندگی کو گلے لگا لیں۔"

ڈاکوؤں میں سے ایک بہت ہی پتلا اور دبلا سا ان کا ساتھی جو تمام کاروائی میں مکمل طور پر خاموش رہا تھا۔ اٹھ کر بغیر کچھ کہے اسٹیج کی جانب آیا اور سرداروں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا:

دوستو!

"تم اس بات سے بے خبر ہو کہ میں کون ہوں؟ آپ ابھی تک مجھے اپنا ہی ساتھی سمجھتے آ رہے ہو۔ حالانکہ میں دہشت گردوں کی اس ٹیم کا سربراہ ہوں۔ جسے ناکامی کی صورت میں تم سب کو اڑانے کا کام سونپا ہوا ہے۔ آفرین ہے اس خاتون پر جس نے اپنے ایک ایک دشمن پر بھرپور نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ لیکن ہر بات سے قطع نظر میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے بندوق کی بجائے قرآن پاک کو چن لیا ہے۔ اس لیے کہ میں اس کی ہر بات کو سچ مانتا ہوں۔ آج تک میرا تجربہ گواہ ہے کہ ہم جب بھی کسی کی بربادی یا تباہی کرتے ہیں تو اصل میں ہم اپنے ہی جسم و شعور کی تباہی کر رہے ہوتے ہیں۔ جو آخر کار ہمیں اس کیفیت میں لے آتی ہے کہ جس میں ہم نہ مرتے ہیں اور نہ ہی زندہ ہوتے ہیں۔"

میرے دوستو!

"میں بڑے یقین سے کہتا ہوں کہ میرے تمام ساتھی آہستہ آہستہ اسی کیفیت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اس لیے اس معزز خاتون نے جو کہا ہے وہ سچ ہے اور ہمیں اس کی پیروی کرنی چاہیے۔"

اس رات ان سب میں کتنی کشمکش رہی اور ڈاکوؤں و دہشت گردوں نے کیا کیا سوچا؟ اس کے بارے میں زیادہ معلوم نہ ہو سکا۔ سوائے اس کے کہ جب رات کے ستارے واپس لوٹ رہے تھے تو وہ اپنی بندوقوں سمیت سروں کو جھکائے جنگل سے باہر نکلنے کی کوشش میں تھے۔

(24)

میلے کے روز افتتاح کے لیے وزیر صاحب دن کے کوئی گیارہ بارہ بجے درگاہ پر پہنچے۔ ان کے آگے پیچھے بڑی بڑی گاڑیوں کا ایک جلوس تھا۔ پولیس کی گارڈ الگ تھی اور سائرن بجاتی گاڑی آگے آگے تیزی سے دیہاتوں میں سے گزر کر آئی تھی۔ بہت سے لوگ جو ابھی تک پیچھے پیچھے پیدل چل کر آ رہے تھے۔ وہ بھی اپنے سروں پر ڈھول لیے درگاہ پر پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اس میلے کے لیے بے حساب اعلانات کروانے اور اشتہارات چھپوانے کے باوجود بہت کم لوگ آئے تھے۔ وزیر صاحب کو گاڑی سے اترتے ہی بڑے اہتمام کے ساتھ پہلے درگاہ کی زیارت کروائی گئی اور ایک بہت بڑی اور قیمتی چادر ان کی طرف سے درگاہ کی قبر پر بچھا دی گئی۔ وہاں پر حاضری دلا کر وزیر صاحب کو سٹیج پر لایا گیا۔ جہاں ان

کے برابر ہی علاقے کے بڑے بڑے اشخاص براجمان ہو گئے۔

کچھ حمد و ثناء کے بعد گاڑی والے شخص نے درگاہ کے پیر صاحب کی جانب سے سپاس نامہ پیش کیا اور اسی میں اشارا تا" بتا دیا کہ:

"اس علاقے میں بعض شرپسند لوگ مذہب کے خلاف کام کرنے میں مصروف ہیں۔ جس کی وجہ سے درگاہ کی بے حرمتی کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اہل علاقہ اس سلسلے میں درخواست کرتے ہیں کہ جناب وزیر صاحب اپنے خصوصی اختیارات کو استعمال میں لا کر یہاں کی انتظامیہ کو ان لوگوں کے خلاف سخت اقدامات کرنے کے احکامات جاری کریں۔ اس کے لیے جناب پیر صاحب انتظامیہ کی مدد اور سہولت کے لیے ان لوگوں کی باقاعدہ نشاندہی بھی فرما سکتے ہیں جو علاقے کے بھولے بھالے لوگوں کو ورغلا کر اور حکومت کی زمینیں حاصل کر کے فساد پھیلا رہے ہیں اور درگاہ کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

جواب میں وزیر صاحب نے پیر صاحب اور بڑے اشخاص کا شکریہ ادا کیا اور اپنی مختصر تقریر کے آخر میں لڑکی والے علاقے کے لیے اچھی خاصی رقم کا اعلان کرتے ہوئے کہا:

"یہ رقم یہاں کے فلاں فلاں بڑے اشخاص اور جناب پیر صاحب کی ان لوگوں کے لیے مہربانی کا نتیجہ ہے کہ حکومت نے ان کی فلاح و بہبود کے لیے یہ رقم مختص کی ہے۔"

حیرانگی کی بات یہ تھی کہ میلے میں اور نہ ہی وزیر صاحب کے جلسے میں لڑکی والے علاقے سے کوئی مرد یا عورت آئی تھی۔ چنانچہ جب رقم کا اعلان کیا گیا تو زیادہ تالیاں سٹیج پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے ہی بجائیں۔

دوسرے لوگوں کو اس کا فائدہ نہیں پہنچا تھا اس لیے وہ دم سادھے بیٹھے رہے۔

کچھ ہی دیر بعد وزیر صاحب اپنے عمائدین کے ساتھ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک سرکاری عہدے دار نے وزیر صاحب کو ایک ذاتی سا سفید لفافہ لا کر پیش کرتے ہوئے کہا:

جناب!

"جس علاقے کے لیے آپ نے رقم کا اعلان کیا ہے۔ یہ لفافہ وہیں کا ایک شخص لے کر آیا ہے۔"

اس نے بتایا کہ:

"اس میں آپ کے لیے اہم پیغام ہے۔" وزیر صاحب کو جب لفافہ موصول ہوا تو اس وقت پیر صاحب سمیت دوسرے بڑے اشخاص بڑھ بڑھ کر لڑکی کے خلاف باتیں کر رہے تھے۔ طریقہ کار کے مطابق دفتر میں تمام ڈاک وزیر صاحب کا سیکرٹری کھولتا اور ان میں جو ضروری ہوتا" صرف اس خط کو ہی پیش کیا جاتا مگر موجودہ صورت حال میں وزیر صاحب نے خود ہی لفافہ کھولا۔ اس میں بڑی پر معنی تحریر تھی جو کچھ یوں تھی۔

عزت ماب!

ہم اہل بستی جن کے لیے آپ نے حکومت کی جانب سے مدد فرمائی ہے۔ اسے ہم نہایت شکر اور ادب کے ساتھ واپس کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ہماری محنتوں کا اتنا ثمر دیا ہے کہ ہم ضرورت مندوں کے زمرے میں نہیں آتے۔ براہ کرم آپ یہ رقم کسی ایسی بستی کو دے دیجیے جو واقعی ضرورت مند ہو۔ تاہم ہماری جانب سے آپ کی مہربان توجہ قابل

عزت ہے جس کی ہم قدر کرتے ہیں۔"

شکر گزار

اہل بستی

وزیر صاحب یہ الفاظ پڑھتے ہی چونک گئے۔

انہوں نے کہا:

"یہ میری زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ کسی بستی کے لوگ اتنی بڑی رقم لینے سے اس لیے انکار کر دیں کہ انہیں صرف اپنی محنتوں پر بھروسہ ہو۔"

ساتھ بیٹھے ہوئے ایک بڑے شخص نے کہا:

جناب!

"بات یوں نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ حکومت کے بھی باغی ہیں۔ ورنہ دولت کسے اچھی نہیں لگتی۔ اگر آپ ان کی اس گستاخی کا نوٹس نہیں لیں گے تو پھر کل کلاں کو وہ اور بڑی بغاوت کا آغاز کریں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دیگر علاقوں کے لوگوں کو آپس میں ملا کر واقعی کسی بڑی بغاوت کا اعلان کر دیں جو حکومت کے لیے بہت بڑی مشکل پیدا کر دے۔" ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس بڑے شخص کے تجزیے کی بہت تائید و حمایت کی۔ ان میں تو کئی آگے بڑھ بڑھ کر اسے وزیر صاحب کی توہین قرار دینے لگے اور اجازت مانگنے لگے کہ:

جناب!

"آپ اجازت دیں تو بستی والوں سے ہم ذاتی طور پر آپ کی توہین کا بدلہ لیں۔" کچھ نے تجویز دی کہ بستی کے سب عورتوں اور مردوں کو گرفتار کر کے تھانے میں بند کر دیا جائے۔"

وزیر صاحب ان کی باتوں سے قائل ہو گئے اور انہوں نے خط لے کر آنے والے شخص کو اپنے روبرو پیش کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

آنے والا شخص بڑی متانت اور وقار سے داخل ہوا۔ وہ اپنے لباس سے کوئی تاریخی مسلم شخصیت کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بڑی محبت اور ادب سے اہل محفل کو سلام کیا مگر شاید ہی کسی نے جواب دینے کی زحمت فرمائی ہو۔

بلکہ دو ایک نے تو آہستہ سے وزیر صاحب کو کہا:

جناب!

"یہ اسی بستی کا کمی کمین ہے۔"

یہ سن کر وزیر صاحب نے زیادہ کرخت لہجے میں پوچھا:

"یہ خط کیوں لائے ہو؟"

اس نے کہا:

"تاکہ یہ رقم زیادہ بہتر طور پر ان لوگوں پر خرچ ہو سکے جو ہم سے زیادہ مستحق ہیں۔"

وزیر صاحب نے مزید بلند لہجے میں کہا:

"ہمیں اتنی بات بتانے والے آپ کون لوگ ہوتے ہیں؟ یہ حکومت بہتر جانتی ہے کہ کون سا پیسہ کہاں' کتنا اور کس لیے خرچ کرنا ہے؟"

وہ شخص خاموش رہا اور کافی زیادہ تلخ و سخت الفاظ سنتا رہا۔

جاتے ہوئے اس نے اتنا کہا:

"ہمارا فرض آپ کو آگاہ کرنا تھا سو ہم نے کر دیا ہے۔ اب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے درمیان ہے۔ جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔"

وزیر صاحب نے واپس جاتے ہوئے اس شخص کو نظر بھر کر غور سے دیکھا اور پوچھا:

"آپ لوگ تو کہتے تھے کہ یہ کمی کمین ہے مگر اس کے وقار' اعتماد اور شخصیت کے حسن و پاکیزگی نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں اچھا بھلا شخص ہم سے بات کرنے کی جرات نہیں کرتا۔ مگر اس نے تو میرے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو کوئی بہت بڑا دانا کسی نادان بچے کے ساتھ کرتا ہے۔"

ذرا سا دور بیٹھا ہوا گاڑی والا شخص کہنے لگا:

جناب!

"آپ یوں ہی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری جوتیاں سیدھی کرتے نہیں تھکتے تھے۔ یہ صرف کچھ دن کی بات ہے۔ اس کے بعد یہ دوبارہ اپنی اوقات میں آجائیں گے۔ آپ اگر حکم کریں تو ہم آج ہی ان کا دماغ درست کر دیں۔"

جناب عالی!

"اصل میں اس پورے علاقے کو وہی لڑکی بغاوت پر اکسا رہی ہے اور یہ جو ابھی گیا ہے یہ بھی اسی کا تربیت یافتہ ہے۔"

جناب عالی!

"آپ ذرا غور کریں اس کی باتوں میں وہ مسکینی و عاجزی نہیں تھی۔ جو ہمارے ملک کے دیگر باشندوں میں پائی جاتی ہے۔ آپ اس کے اس انداز سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ حکومت کے خلاف کس کس طرح کی سازش کر رہے ہوں گے۔"

وزیر صاحب دوبارہ ان لوگوں کی باتوں سے قائل ہونا شروع ہو گئے۔

درگاہ کے پیر نے کہا:

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ یہاں کے کسی بڑے سے بڑے شخص کے سامنے بھی سر نہیں جھکاتی۔ یہاں تک کہ آج تک اس نے درگاہ کو بھی سجدہ و سجود نہیں کیا اور نہ ہی ہم فقیروں کو اس نے کوئی نذر و نیاز پیش کی ہے۔ جس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس حد تک مذہب سے اور حکومت سے باغی ہے۔ آپ حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے دار ہونے کے ناطے ہمارے اس احساس اور عمل کی یقیناً تعریف کریں گے۔"

اور جناب!

"آپ جانتے ہیں کہ ہم اس حکومت کے ہمیشہ خیر خواہ رہے ہیں اور اگر ان علاقوں میں کسی جگہ بھی کوئی ایسی سرگرمی ہو جس کا کہ حکومت کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اس کا فوراً محاسبہ کیا جائے یا اگر وہ ہمارے اثر و رسوخ سے باہر ہو تو حکومت کو کسی نہ کسی طرح آگاہ کر دیا جائے۔ جیسا کہ آج ہم نے آپ کو لڑکی اور اس کی بستی کے لوگوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کر دی ہیں۔"

"آپ صاحب اختیار ہیں۔ آپ چاہیں تو ایسے لوگوں کی سرکوبی کا ابھی سے حکم جاری کر سکتے ہیں ورنہ حکومت کی مدد کے لیے یہاں پر موجود یہ سب اصحابِ عزت و وقار ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ حکومت کا کوئی فرمان آئے تو اسے من و عن علاقے میں نافذ ہونے میں مدد دی جائے۔"

جناب عالی!

"آپ اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ علاقے کے لوگ آپ کا استقبال کرنے دور دور سے آئے تھے۔ حد یہ ہے کہ آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بچے، عورتیں اور مرد سب ٹوٹ پڑے تھے مگر اس بستی سے کوئی بڑا بوڑھا تو کجا کوئی بچہ تک بھی نہ آیا۔ حالانکہ اس علاقے کی تمام بستیوں کو چھوڑ کر آپ نے کمال مہربانی سے حکومت کی جانب سے اس بستی کے لوگوں کی مدد فرمائی۔ لیکن انہوں نے اس کی بھی بالکل قدر نہ کی اور میری اطلاع کے مطابق یہ سب کچھ اسی لڑکی کا ہی کیا دھرا ہے۔"

اس محفل میں بیٹھے ہوئے ہر بڑے شخص نے پیر صاحب کے ہر فقرے کی حمایت کی۔

ان سب کی باتیں سن کر وزیر صاحب اس حد تک طیش میں آ گئے کہ انہوں نے وہاں پر موجود پولیس کے بڑے آفیسر کو حکم دیا کہ:

"اس لڑکی کو فوری طور پر اسی جگہ حاضر کیا جائے۔" پولیس آفیسر بغیر کوئی لمحہ ضائع کیے کچھ نفری کو ساتھ لے کر بجلی کی طرح اس بستی میں جا دھمکا۔

یہ کوئی عصر کا وقت تھا اور اہل بستی اپنے طریقہ کار کے مطابق بستی کے درمیان زیر تعمیر نہایت کشادہ مسجد کی جانب اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے کشاں کشاں بڑھ رہے تھے۔ پولیس والوں کے لیے یہ ایک قابل دید منظر تھا۔ کیوں کہ مرد ایسے لباس میں تھے جس سے اسلامی تاریخ کی عظیم شخصیتوں کی یاد ابھرتی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ خواتین بھی بڑے ہی باوقار لباس میں اسی مسجد کی جانب رواں دواں تھیں۔ لوگ بڑے ہی پرسکون انداز میں اللہ کے ذکر میں محو اس طرف بڑھ رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد پولیس آفیسر نے دیکھا کہ:

"چند خواتین کے درمیان کوئی بڑی ہی باوقار خاتون بڑی حیا سے اسی طرف بڑھی جا رہی ہے اور اس کے اردگرد کچھ پاسبان بھی عقابوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جا رہے ہیں۔"

پولیس کے یہ لوگ کیوں کہ اس علاقے میں نئے نئے تعینات ہوئے تھے اس لیے وہ ابھی تک اس بستی کے حالات اور اس کے لوگوں کی زندگیوں میں برپا ہونے والے انقلاب سے بے خبر تھے۔ تاہم بڑے اشخاص نے ان کے خلاف بڑی بری طرح پولیس والوں کے کان بھرے ہوئے تھے۔ شاید اسی لیے ایک پولیس والے نے انتہائی کرخت زبان میں ایک پاسبان سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

لڑکی نے پاسبان سے کہا:

"انھیں بڑے ادب سے اپنے ساتھ لے کر وہاں چلے جاؤ جہاں ہم لوگ عصر کے بعد علم کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔" پاسبان نے لڑکی کی ہدایت کے مطابق ویسے ہی ادب و محبت سے انھیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور درخواست کی کہ صلوٰۃ کے مکمل ہونے تک آپ وہاں انتظار فرمائیں۔"

ساتھ کھڑے نسبتاً ایک چھوٹے عہدے کے پولیس آفیسر نے زیادہ کرخت لہجے میں سخت سرزنش کرتے ہوئے اس پاسبان سے کہا:

"ہمارے پاس وقت نہیں اور نہ ہی ہم اتنا انتظار کر سکتے ہیں۔" پولیس کی اس نفری میں ایک ایسا سپاہی بھی موجود تھا۔ جسے ابھی تک کہیں اور ٹرانسفر نہیں کیا گیا تھا۔

اس نے بڑے پولیس آفیسر سے گزارش کی:

جناب!

"یہ وہی لڑکی ہے جس کی حفاظت کرتے کرتے ہمارا ایک ساتھی شہید ہو گیا تھا اور جس کی انکوائری کی فائل غائب ہو چکی ہے۔" اس کی بات سن کر دوسرے پولیس والے اس کی جانب دیکھنے لگے۔"

آفیسر نے کہا:

اس لڑکی کے بارے میں اور کچھ بتاؤ؟"

اس نے کہا:

جناب!

"آپ اسے لے جانے تو آئے ہیں مگر یہ خاتون سوائے اللہ کے نہ کسی سے خوفزدہ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی بھی بڑے سے بڑے کے آگے سر جھکاتی ہے۔"

جناب عالی!

"میرے تجربے کے مطابق یہ لوگ آپ کی صرف اس وقت تک ہی عزت کریں گے۔ جب تک آپ ان سے عزت و احترام کے ساتھ پیش آئیں گے۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ ہم یہاں سے ایک بدترین تجربہ لے کر واپس جائیں گے۔"

پہلے والے ایک سخت گیر پولیس والے نے کہا:

"اس قسم کے لوگ ہم نے بہت دیکھے ہیں اور ہم بغیر کچھ سنے گنے وہی کریں گے جس کا حکم وزیر صاحب نے دیا ہے اور ساتھ ہی اس نے مسجد کے باہر کھڑے ایک پاسبان کو بڑی ہی کرختگی سے آواز دے کر بلایا۔"

وہ پاسبان سیدھا بڑے آفیسر کے سامنے آ کر کہنے لگا:

"مہربانی سے اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں کہ بولنے سے عہدے کا نہیں بلکہ

شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔"

وہ یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا:

"آپ اپنی کاروائی کریں ہم صلوٰۃ سے پہلے فارغ نہیں ہوں گے اور معزز خاتون کی ہدایت کے مطابق آپ کو تب تک انتظار کرنا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ آپ لوگوں کے غیر انسانی رویئے کی وجہ سے اب ہماری طرف سے آپ کو احترام و استقبال نہیں ملے گا۔"

اس سے پہلے کہ بڑا آفیسر کوئی بات کرتا۔ وہ پاسبان واپس اپنی جگہ پر جا چکا تھا۔

بڑا آفیسر کچھ دیر خاموش رہا اور پھر ان دونوں سخت گیر پولیس والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"سچ یہ ہے کہ آپ جیسے پولیس والوں کی جہالت' بے رحمی اور ناعاقبت اندیشی نے ہم سب کو رسوا کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ کی ساری کرختگی کے باوجود اس نے آپ سے بات تک کرنا بھی گوارہ نہیں کی۔ اب بتاؤ کہ آپ ان کے خلاف کیا کر سکتے ہو؟

ذرا غور سے سوچو کہ:

"وہ لوگ جو صرف اللہ کو اپنا معبود جانتے ہیں اور اسی کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ وہ اس کی پرستش کو چھوڑ کر کسی وزیر کے سامنے کیسے سر جھکا سکتے ہیں"

ذرا خیال کرو کہ:

"اس لڑکی نے نہایت احترام سے ہمیں پیغام دیا تھا کہ ہم کچھ دیر انتظار کریں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم بھی وہیں جا کر سجدہ ریز ہو جاتے۔ آپ

دیکھ نہیں رہے کہ ساری بستی کی خواتین ایک جانب اور مرد دوسری جانب ایک ہی امام کے پیچھے اللہ کے حضور سربسجود ہیں اور آپ کہتے ہو کہ آپ نے ایسے بہت دیکھے ہیں۔"

مجھے بتاؤ کہ:

"میرے پورے ملک میں ایسی بستیاں کہاں کہاں ہیں۔ جہاں ذرے ذرے میں اللہ کا ذکر ہوتا دکھائی دیتا ہے اور جہاں کے راستے' کھیت' درس گاہیں اور مکان اس حد تک ترتیب سے تیار ہوتے نظر آ رہے ہیں۔"

یاد رکھو!

"ہم حکومت کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں مگر ان احکام کو نافذ کرنے کے لیے اپنی دانش' تجربے اور دور اندیشی کو بھی کام میں لانا ضروری ہے تاکہ بہتر نتائج حاصل کیے جا سکیں۔

میرا تجربہ گواہی دیتا ہے کہ:

"جب آپ لوگ جان گئے کہ محبت اور رحمدلی کہاں اختیار کرنی چاہیے اور سخت گیری کہاں تو سمجھ لو' اسی دن سے آپ کا شمار دنیا کی بہترین معزز و محترم پولیس فورس میں ہو گا۔"

اسی دوران انہوں نے دیکھا کہ لوگ مسجد سے نکل کر واپس اپنے اپنے کام کاج کی جانب ہنستے کھیلتے رواں دواں تھے اور کوئی بھی متوجہ نہیں ہو رہا تھا کہ پولیس وہاں کیوں موجود ہے؟ چند لمحوں بعد پولیس وہاں پہنچ گئی جہاں لڑکی موجود تھی۔ بڑا پولیس آفیسر نفری کو باہر روک کر لڑکی سے اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک باقاعدہ درس گاہ کا سا ماحول تھا۔ مرد و خواتین علیحدہ علیحدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی انہیں زندگی

کے بعض موضوعات پر روزانہ ایک گھنٹے کے لیے درس دیتی تھی۔ پولیس آفیسر اگرچہ پہلے ہی بستی کے لوگوں اور لڑکی کے سلیقہ و انداز سے متاثر تھا' پھر بھی اس نے مؤدبانہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا کہ:

"وزیر صاحب نے یاد کیا ہے۔"

لڑکی نے نہایت متانت و سکون سے جواب کے طور پر کچھ لکھ کر ایک لفافہ آفیسر کو دے دیا تاکہ وزیر صاحب کو دے دیا جائے۔ آفیسر نے کسی بھی قسم کی بحث یا دلیل بازی میں جانے سے گریز کیا اور شکریہ کہہ کر اپنے ماتحتوں کے ساتھ وزیر صاحب کی خدمت میں پیش ہو گیا۔ اپنی تاخیر کی وجہ بیان کرنے کے بعد اس نے وہ لفافہ انہیں پیش کر دیا۔

وزیر نے کہا:

"زبانی بتاؤ' وہ کیوں نہیں آئی؟"

آفیسر نے کہا:

جناب!

"انہوں نے جواباً" یہی کچھ دیا ہے۔"

وزیر نے جھنجلا کر سخت لہجے میں کہا:

"تمہیں لڑکی کو اٹھا لانا چاہیے تھا۔ تاکہ اسے ہمارے اختیار کی طاقت کا پتہ چلتا۔"

آفیسر نے جواب دیا:

جناب!

"بلا وارنٹ یا بغیر کسی جرم کے قانون کسی خاتون کو اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔" وزیر نے اس آفیسر کو سخت ڈانٹ پلائی اور اس کی نااہلی کا تجزیہ

کرتے ہوئے اسے کافی سست کہا۔"

بہرحال خط کھول کر پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا:

عزت مآب جناب وزیر صاحب!

"آپ کی عزت افزائی کا شکریہ۔ تاہم اسلام اجازت نہیں دیتا کہ حکمرانوں کے درباروں میں بلاوجہ حاضری دی جائے۔ البتہ صاحب اختیار ہونے کی بنا پر ہمارے علاقے کی مشکلات کی خبر رکھیے اور اگر کبھی آپ آگاہ ہو جائیں کہ ہماری بستی واقعی کسی مشکل میں ہے اور اسے حکومت کی مدد درکار ہے تو ہمیں امید ہے کہ آپ اس وقت غفلت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔

والسلام

خط سنتے ہی بڑے اشخاص نے بڑھ بڑھ کر وزیر صاحب کو اشتعال دلایا۔

وزیر نے سخت طیش میں پولیس آفیسر کو ہدایات جاری کیں کہ:

"کل شام تک لڑکی سمیت بستی کے لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کرو کہ "وہ بھاگتے' تڑپتے ہوئے فریادیں لے کر میرے پاس آکر مجھے مدد کے لیے پکاریں۔"

گاڑی والے نے بہت چاپلوسانہ انداز میں کہا:

جناب عالی!

"یہ ہیں اصل احکامات۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی اصل جگہ پر نہیں آتے۔"

پولیس آفیسر نے وزیر صاحب سے درخواست کی:

جناب والا!

"میں ان لوگوں کے انداز زندگی کا مشاہدہ کر کے آ رہا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ انہیں آپ کی سختی کی نہیں بلکہ حمایت کی ضرورت ہے۔"

وزیر نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

"ہمارے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا مطلب آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔" یہ کہہ کر وزیر صاحب شام سے پہلے واپس چلے گئے۔

درگاہ کے پیر اور گاڑی والے شخص کو حیرانی تھی کہ:

"ڈاکوؤں نے اس وقت تک بستی کو کیوں برباد نہ کیا اور وہاں لگی ہوئی آگ کے شعلے کیوں نہیں بلند ہوئے۔"

انہیں خیال آیا کہ:

"ہو سکتا ہے کہ بستی میں پولیس والوں کے موجود ہونے کی خبر پا کر ڈاکوؤں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رات گئے وہ واردات کریں۔ ایک لحاظ سے انہیں لے دے کر اب اسی خبر کا انتظار تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے انتہائی معتبر آدمی کو بستی میں حالات کا جائزہ لینے اور کوئی خبر وغیرہ حاصل کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔"

اس نے کافی دیر کے بعد آکر اطلاع دی کہ:

"وہاں پر ایسا کوئی واقعہ یا واردات ہونے کے آثار نہیں جس سے آپ کو کوئی خوشی میسر آ سکے کیوں کہ وہاں کے لوگ معمول کے مطابق اپنی اپنی باری پر کھیتوں میں اور بستی کے دیگر کاموں میں مشغول ہیں اور باقی بڑے سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ ویسے بھی بستی کے چاروں طرف دن اور رات کو بڑے طاقتور اور چوکس پاسبانوں کا پہرہ رہتا ہے۔"

درگاہ کے پیر نے گاڑی والے سے کہا:

"اب یہ بات تو طے ہے کہ ڈاکو اگر بستی کو نہ بھی برباد کر سکے تو کل شام تک پولیس والے ان لوگوں کو مار مار کر ویسے ہی بے حال کر دیں گے۔ بلکہ میری تجویز یہ ہے کہ آپ کل صبح ہی پولیس والوں کے پاس جاؤ اور دو ایک کو ہاتھ میں لے لو اور انہیں بتاؤ کہ باقی لوگوں کو کچھ کہیں نہ کہیں مگر لڑکی کی ضرور ہڈی پسلی ایک کر دیں۔"

گاڑی والے کو یہ تجویز بہت پسند آئی:

"اس نے اگلی ہی صبح اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

بڑے پولیس آفیسر اور دیگر نئے پولیس والوں کو جب اس علاقے میں تعینات کیا گیا تھا تو انہیں خصوصی طور پر آگاہ کیا گیا تھا کہ:

"پچھلے کئی سالوں سے ان علاقوں میں خونخوار ڈاکوؤں کا راج ہے۔ اور ان سے پہلے کی پولیس تمام تر طریقوں اور منصوبوں کے باوجود ان پر قابو پانے میں ناکام و نامراد رہی ہے۔"

موجودہ پولیس آفیسر اور اس کے تمام ماتحت اپنی اپنی کارکردگی کی بناء پر کئی حکومتوں سے انعامات حاصل کر چکے تھے۔ مگر ایک لحاظ سے ابھی تک ان کا واسطہ صرف چھوٹے چھوٹے جرائم کرنے والوں سے ہی پڑا تھا۔ کیوں کہ ان کا عام طور پر کوئی والی وارث نہیں ہوتا تھا اس لیے یہ پولیس والے انہیں جب چاہتے الٹا سیدھا لٹکا دیتے۔ اور اسی بناء پر وہ کئی بار بہادری کے تمغات بھی حاصل کر چکے تھے۔

ان علاقوں میں آکر انہیں عجیب تجربہ ہوا تھا۔ یہاں پر بہت زیادہ اثر و رسوخ والے بڑے بڑے اشخاص موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ پچھلے کئی دنوں کی مشقت کے باوجود وہ ڈاکوؤں کی وارداتوں پر قابو پانے میں ناکام

رہے تھے۔ بلکہ چند روز پہلے انہوں نے پولیس اسٹیشن پر دھاوا بول دیا تھا جس میں وہ بہت سا اسلحہ بھی لوٹ کر لے گئے تھے اور بڑا پولیس آفیسر تو بال بال بچا تھا۔ ان میں سے بعض پولیس والوں نے بڑی دلیری کرکے کچھ کو پکڑ بھی لیا تھا مگر وہ ایک رات بھی ان کی قید میں نہ رہ سکے اور ان کے والی وارثوں نے بہت جلد ان کی رہائی کروالی۔

پولیس کی ناکامی کی بہت سی وجوہات میں سے کچھ یہ بھی تھیں کہ:

"ڈاکوؤں کو نہ صرف وہاں کے بڑے بڑے اشخاص کی پشت پناہی حاصل تھی بلکہ ان کے زیادہ محفوظ ٹھکانے ہمسایہ ملک میں تھے جہاں تک پولیس کی رسائی نہ تھی۔ ان حالات میں مختلف باتوں کی وجہ سے نئے آنے والے پولیس والوں میں بھی بددلی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے بھی پولیس والوں کو ڈاکوؤں کے مقابلے میں نہ ہی بہترین سہولیات میسر تھیں اور نہ ہی حکومتی سطح پر ان کی بہتر پشت پناہی تھی۔ جس کی وجہ سے ان میں مایوسی کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شاید اسی وجہ سے ڈاکوؤں کی وارداتوں میں اضافہ ہو چکا تھا اور وہ اچھے بھلوں کو للکارتے اور ان کی پگڑیاں کھینچ اتار کر چلے جاتے۔"

بڑا پولیس آفیسر وزیر صاحب کے چلے جانے کے بعد تقریباً پوری رات جاگتا رہا اور بستی والوں کے خلاف دیئے گئے احکامات کا تجزیہ کرتا رہا۔

اور سوچتا رہا کہ:

"اس ذمہ داری سے کیوں کر عہدہ برآ ہوا جا سکتا تھا۔ وہ اس بات سے متفکر تھا کہ ہیڈ کوارٹر میں اس کی ڈاکوؤں کے خلاف ناکامی کے اسباب پر

ہونے والی انکوائری کے باعث اس کی اور عملے کی قدر میں بہت کمی واقع ہو چکی تھی۔ اور اس کے بڑے افسران اب اسے زیادہ قابل توجہ نہ گردانتے تھے۔ چنانچہ وزیر صاحب کے احکامات پر عمل درآمد نہ ہونے کی پاداش میں اس کی نوکری ختم ہونے سمیت ڈاکوؤں اور بستی کے باغیوں سے ساز باز کے الزامات بھی شامل ہوتے۔"

مگر دوسری طرف یہ سوچ کر بھی اس کی روح کانپ جاتی کہ فرشتوں جیسے بے ضرر اور دین اسلام کی سراپا پیروی کرنے والوں پر بلاوجہ تشدد کرکے انہیں بے حال و فریاد کناں کر دیا جائے۔ وہ تمام رات اسی کشمکش میں مبتلا رہا اور کئی بار بے گناہوں پر ظلم ہونے کا خیال آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور آنسو نکل آتے۔ وہ اپنی آنکھیں پونچھ پونچھ کر دیر تک کمرے سے باہر ٹہلتا رہا۔ اسے لڑکی کے وہ چند الفاظ یاد آنے لگے کہ جب وہ وزیر صاحب کا پیغام دینے کے لیے اندر داخل ہوا تھا۔ تو علم حاصل کرنے والوں کو لڑکی جو کچھ بتا رہی تھی۔ وہ بہت ہی دل افروز تھا۔

اس کا کہنا تھا:

محترم انسانو!

"یہ زندگی تمہیں مل گئی سو مل گئی۔ یہ دوبارہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ اور اس زندگی میں حسین ترین اور آسان ترین راستہ اللہ کے احکام پر چلنا ہے۔ مگر یہ ان کے لیے ہے جو صبر اور قوتِ یقین رکھتے ہیں۔ جو اس راستے پر چل پڑے تو اس کے اسباب اور آسانیاں اللہ خود پیدا کر دیتا ہے۔"

وہ بار بار سوچتا رہا کہ:

"ایسی معزز و محترم خاتون پر تشدد کا کیا جواز ہے۔ یہ لڑکی تو ویسے ہی اتنی قابل تعظیم ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کتنی بھی جانیں دی جائیں تو کم ہیں۔ وہ اللہ سے بار بار مدد کی درخواست کرتے کرتے سو گیا۔"

(25)

رات کے پچھلے پہر ڈاکوؤں کے چاروں سردار پاسبانوں سے اجازت لے کر لڑکی کے کمرے سے باہر اس کا انتظار کرنے لگے۔ پاسبانوں نے ان سے اسلحہ لے لیا ہوا تھا اور وہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔ تہجد کی صلوٰۃ کے بعد لڑکی کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اسے جگا دیا گیا۔ لڑکی تھوڑی ہی دیر بعد کسی مجاہدہ کے لباس میں بڑی تمکنت سے باہر آئی تاکہ حالات کا جائزہ لیا جا سکے۔ باہر آکر اس نے چاروں سرداروں کو سر جھکائے دیکھ کر اپنی بندوق ایک طرف کر لی۔

ڈاکوؤں کے سرداروں نے قرآن پاک لڑکی کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا:

"ہم نے اسے چن لیا ہے۔ لیکن ہم اس کی تعلیم سے اتنے ہی بے خبر ہیں جتنے کہ غیر مسلم۔ ہم تمام کے تمام ایک سو آٹھ گناہ گار جنہیں دنیا ڈاکو کہتی ہے۔ اس قرآن عظیم کے آگے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔"

آپ نے اس رات کہا تھا کہ:

"توبہ کرکے اللہ کی رحمت کی امید کی جاسکتی ہے۔ لیکن ہم اتنے گناہ گار ہیں کہ ہمارے سامنے بخشش کا کوئی راستہ ہی نہیں۔"

اے ہماری محسنہ!

"ہماری راہنمائی کرو۔ سارے کے سارے ہم گناہ گار تمہاری بستی کے باہر اسی بات کے منتظر ہیں کہ ہمیں کوئی راہ دکھاؤ۔"

لڑکی بڑے غور سے سنتی اور انہیں دیکھتی رہی جو اپنی گفتگو کے دوران کئی بار اپنی آنکھوں سے چھلکتے آنسوؤں کو پی چکے تھے۔

چاروں نے مل کر اپنے ہاتھوں سے جب قرآن لڑکی کو پیش کیا تھا، تو تب بھی اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ بھیگا ہوا تھا۔ جس سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اسے دو آنکھوں کے آنسوؤں نے نہیں بلکہ ان سب کے اشکوں نے بھگویا ہوا تھا جو نہ جانے کب سے اسے چومتے رہے ہوں گے۔

لڑکی نے پاسبانوں کو بھیج کر تمام ڈاکوؤں کو بڑے احترام سے بستی کے اندر لے جانے کی ہدایت کی'

اور اعلان کیا کہ:

"بستی والوں کو خبر کر دو کہ مشعلیں اٹھا کر "اللہ اکبر" کی صداؤں میں ان سب کا استقبال کیا جائے۔"

لڑکی کی ایک آواز پر پوری بستی اٹھ آئی۔ عورتیں' مرد' بچے' بوڑھے سب خوشی کے شادیانے بجاتے چلے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناقابل فراموش سماں بندھ گیا۔ لوگوں نے تمام ڈاکوؤں کا شایان شان استقبال کیا۔ ساری بستی خون کو گرما دینے والے نعرۂ تکبیر کی جلالی آواز سے گونج رہی

تھی۔

ایک ڈاکو کہتا جا رہا تھا:

"کاش ہمیں خبر ہوتی کہ یہ بے ذرائع مگر بے غرض لوگ بڑے بڑے ذرائع رکھنے والے خود غرض لوگوں کے مقابلے میں باطنی طور پر کہیں زیادہ طاقتور اور محبت دینے والے ہوتے ہیں تو ہم ساری عمر ان کی خدمت میں گزار دیتے۔" قرآن پاک کی جانب لوٹنے کے بعد ڈاکوؤں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ چند لمحوں میں اتنے محترم ہو جائیں گے کہ لوگ ان کا ایسا شاندار استقبال کریں گے کہ آج تک یہاں کسی نے کسی بڑے سے بڑے کا بھی اتنی محبت اور عقیدت سے نہ کیا ہوگا۔ ایک ڈاکو پچھتاوے سے بار بار اپنی انگلیاں چبانے کی کوشش کرتا اور دوسرا جو کچھ پڑھا لکھا تھا بار بار اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے لاشعوری طور پر فیض کی وہی نظم گنگناتا ہوا جا رہا تھا۔ جو بچپن میں کبھی اس کے ساتھی اور اساتذہ اسکول کی کسی نہ کسی تقریب میں اس سے سنتے رہتے اور وہ بڑی ہی سریلی آواز میں گایا کرتا۔

"آج کی رات ساز درد نہ چھیڑ

دکھ سے بھرپور دن تمام ہوئے — اور کل کی خبر کسے معلوم؟
دوش و فردا کی مٹ چکی ہیں حدود — ہو نہ ہو سحر' کسے معلوم؟
زندگی ہیچ لیکن آج کی رات — ایزدیت ہے ممکن آج کی رات
اب نہ دہرا فسانہ ہائے الم — اپنی قسمت پہ سوگوار نہ ہو
فکر فردا اتار دے دل سے — عمر رفتہ پہ اشک بار نہ ہو
عہد غم کی حکایتیں مت پوچھ — ہو چکیں سب شکایتیں مت پوچھ

آج کی رات ساز درد نہ چھیڑ"

کچھ دیر کے بعد اس کی ہچکی بندھ گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ بستی
والے بڑھ بڑھ کر انہیں گلے لگاتے رہے۔ بچے راستوں میں کھلے پھولوں کی
پتیاں ان پر نچھاور کر رہے تھے۔ بستی کے سب لوگ اسی مسجد میں جا جمع
ہوئے۔ جہاں کی کھلی اور پاکیزہ فضا میں انہوں نے اپنی زندگی کے بڑے
بڑے فیصلوں کو کرنا سیکھ لیا تھا۔

لڑکی نے ہدایت کی کہ:

"صبح کی اذان تک انہیں اپنے جیسا ایک ایک لباس تحفتہً" دے دیا جائے۔
تاکہ یہ سب اسی وقار' پاکیزگی اور عاجزی کے ساتھ ہمارے ساتھ نماز سحر
میں شامل ہو سکیں۔"

وہ ایک ستاروں بھری رات تھی اور ستارے بہت روشن تھے۔
دور دور تک بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ تھا اور بس یہی ایک بستی جاگ رہی
تھی۔ جس کی فضائیں وہاں کے رہنے والوں کی روحوں کے سرمدی اور
نورانی نغموں سے معمور تھیں۔ ورنہ اس سرزمین کی دیگر تمام بستیاں اپنے
اپنے مکینوں کا درد لیے بے زیست سی لگ رہی تھیں جن کے بام و در
خاموشی کے بوجھ سے چور مگر ہلکے ہلکے سروں میں نوحہ کناں اور منتظر کہ کوئی
ان میں بھی جبر و غربت سے نجات کی نوید لے کر آئے گا۔

کچھ ہی دیر بعد تمام ڈاکو اپنے بدلے ہوئے قلب و شعور کے ساتھ
جسموں پر نئی طرز کے پروقار لباس پہنے اسی ذات اقدس کے حضور سر
بسجود ہونے کے لیے بڑھ رہے تھے کہ جو سب توبہ کر لینے والے گناہ
گاروں کی آخری اور ناقابل شکست پناہ گاہ ہے۔ یہ عجیب اور قابل دید منظر
تھا۔ وہ اپنے گناہوں پر شرمسار سر جھکائے اسی جانب بڑھتے ہی جا رہے

تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد صبح کی اذان کی تاثیر نے انہیں ایک نئی قوت و
رعنائی سے آشنا کر دیا۔

انہوں نے کہا:

"یہ الفاظ ہم پہلے بھی سنتے تھے مگر یہ ہمارے دل کے بند دروازوں سے ٹکرا
کر لوٹ جاتے تھے اور ہم ان کی برکتوں اور رعنائیوں سے محروم رہتے
تھے۔

نماز ادا کر لینے کے بعد لڑکی نے ان سے مخاطب ہو کر یوں راہنمائی کی:

اے معزز انسانو!

"تم نے دیکھ لیا کہ کوئی مسلمان قرآن سے دور ہو کر چاہے کتنا بھی طاقت ور
اور دولت مند ہو جائے آخر کار حقیر اور بے محترم ہو کر رہ جاتا ہے اور
قرآن کو اپنا کر وہ چاہے کتنا کمزور اور بے ذرائع ہو کر رہ جائے آخر کار
محترم' خوشحال' پاکیزہ اور طاقتور و مطمئن ہو جاتا ہے۔

یقین رکھو!

"کہ تم اللہ کو اپنی پناہ اور سہارا مان کر گناہوں کے جس صحرا' دریا اور پہاڑ
کو اپنے ایمان کے زور پر روند کر آ گئے ہو۔ اسے یہ زمانہ ہمیشہ یاد رکھے
گا۔ تم اُن لوگوں کے چہروں پر ایک تازیانہ ہو جو قرآن سے منہ موڑ کر
گمراہی کی جانب جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کے لیے ایک روشن و
نورانی مثال بن کے رہو گے جو بدی سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے احکام
چن لیتے ہیں۔

اے راہ حق کے مسافرو سنو!

"رحمتوں سے معمور اللہ کی بارگاہ اتنی وسیع و عریض ہے کہ ہمارے پیمانے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو دل توبہ کرکے اس کی جانب لوٹ آتا ہے وہ اس کی رحمتوں سے ضرور فیض یاب ہوتا ہے۔"

میرے بھائیو!

"تم قرآن کو چن کر منزل پر نہیں پہنچ گئے ہو بلکہ تم نے تو وہ راستہ چنا ہے جو یقیناً منزل تک لے جاتا ہے۔ اور اگر تم آخری نبی کے طریقوں کے مطابق قرآن سے ہدایات حاصل کرتے رہے تو پھر لازماً" ایک ابدی خوش حالی، اطمینان اور سرخوشی سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

میرے عزیزو!

"پہلے آپ خوف و ہراس لیے پناہیں ڈھونڈتے مارے مارے پھرتے رہتے تھے۔ مگر آج سر اٹھا کر نکلو، اس ذات سے استغفار کرتے نکلو اور جاؤ اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔ اگر اس دنیا میں سزا کے بدلے اس بارگاہ سے بخشش حاصل کر سکو تو سودا مہنگا نہیں۔ تم جاؤ کہ اللہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور وہی آزادی و رہائی کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔"

بڑا پولیس آفیسر وہی تذبذب لیے بیدار ہوا۔ ایک جونیئر آفیسر نے حاضر ہو کر اس بستی پر ریڈ کرنے کے لیے پیشگی اجازت چاہی اور ساتھ ہی راز میں رکھے ہوئے وقت کو بھی تجویز کیا۔ تاکہ اس کی بھی منظوری مل سکے۔ بڑے آفیسر نے اسے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا۔ اسی دوران درگاہ کے پیر کی تجویز کے مطابق گاڑی والا شخص منہ اندھیرے ہی دو چار پولیس والوں کو مل کر جا چکا تھا۔ جس کے بارے میں دیگر پولیس والے باخبر نہیں

تھے۔

پولیس کی نفری اپنی بندوقیں اور دوسرا تشدد کرنے والا سامان لیے تیار کھڑی تھی۔ اس کے سپاہی صرف اجازت ملنے کے منتظر تھے۔ مگر وہ پولیس والے جو پچھلے روز اس بستی میں ہو کر آ چکے تھے۔ انہوں نے اس کاروائی میں شامل نہ ہو سکنے کے لیے بیماری کا بہانہ بنا دیا اور وہ جو ابھی ان لوگوں کی معصومیت سے بے خبر تھے۔ وہ وزیر صاحب کو زیادہ سے زیادہ خوش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ کب حکم ملے اور کب وہ کوڑے مارتے ہوئے بستی کے لوگوں کو کھینچ گھسیٹ کر اپنے سٹیشن میں لا کر الٹا لٹکا دیں اور شام ہونے سے پہلے پہلے بڑی سرکار کو اپنی کامیابی کی خبر پہنچا دیں اور بڑے اشخاص کے ذریعے ترقی و انعام کی سفارش کروائیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد پولیس کا بڑا آفیسر تیاری کے ساتھ باہر آیا اور ریڈ کے لیے تیاری کی گئی۔ نفری کو کچھ خاص ہدایات اور احکامات دینے کے لیے چبوترے کی جانب بڑھا۔ مگر تمام ڈاکو اسی دوران صبح ہی صبح اپنے اسلحے سمیت پولیس سٹیشن کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ پولیس والوں نے چونک کر اپنی بندوقوں کے رخ ان کی جانب کر دیئے۔

مگر آگے چلتے ہوئے ڈاکوؤں کے سرداروں نے کہا:

"آپ بے فکر رہیں۔ ہم اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہیں۔"

بڑے پولیس آفیسر نے انہیں وہیں رک جانے کا اشارہ کیا اور کہا:

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اپنے ہتھیار نیچے رکھ کر ہاتھ بلند کر لو۔" ڈاکوؤں نے پولیس آفیسر کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ بلند کر لیے۔

پولیس آفیسر نے اپنے چند ماتحتوں کو حکم دیا:

"آگے بڑھ کر اسلحہ اکٹھا کر لیں اور ان تمام ڈاکوؤں کو سامنے والے بڑے ہال میں لے چلیں۔"

آفیسر نے حال میں جا کر پوچھا:

"یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا یہ تمہاری کوئی چال ہے جو اس طرح فریب دینے کے لیے چلے آئے ہو؟"

سیانی عمر والے ڈاکوؤں کے سردار نے کہا:

جناب عالی!

"ہم نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور اپنے آپ کو اپنی مرضی سے قانون کے حوالے کیا ہے۔ کیوں کہ اس عظیم خاتون نے ہمیں جینے کی راہ دکھائی ہے۔ ورنہ ہم تو درگاہ کے پیر اور گاڑی والے شخص سے سودے کے مطابق آدھی رقم لے کر آپس میں برابر برابر تقسیم بھی کر چکے تھے تاکہ اس بستی کو آگ لگا دیں اور لڑکی کو قتل کر دیں۔

مگر یہی لڑکی رات کے اندھیرے میں عین اسی جگہ پر پہنچ گئی۔ جہاں ہم سب انہیں تباہ کرنے کی حکمت عملی تیار کر رہے تھے۔ اس نے ہمارے درمیان آ کر ہمیں للکارا اور پھر اللہ کا پیغام سنا کر ہمیں بے بس کر دیا۔ دیئے گئے پروگرام کے مطابق ہم نے وزیر کی آمد کے روز بستی کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ لیکن وہ ہمیں قرآن اور بندوق دے کر چلی آئی تھی۔ اس کی جانب سے یہ ایک وارننگ تھی۔"

جس میں اس نے کہا تھا کہ:

"ہم جو چاہیں چن لیں۔ ہم نے بڑے غور و خوض کے بعد اللہ کی کتاب کو

چن لیا۔ اور آج اسی نے ہمیں اس طریقے سے قانون کے حوالے ہونے کے لیے بھیجا ہے۔ اور یہ خط آپ کی جانب لکھا ہے۔"

پولیس آفیسر نے تمام نفری کو ڈاکوؤں کے پیچھے کھڑا کر لیا اور خود سامنے اونچی سٹیج پر جا کر انہیں ڈاکوؤں کے ہتھیار ڈالنے کی وجوہات سے آگاہ کرنے کے بعد لڑکی کی جانب سے بھیجے گئے خط کو کھولا اور پھر اسے اونچی آواز میں سب کے سامنے پڑھا۔

اس میں لکھا تھا:

معزز اہل کاران سرکار!

"ان محترم لوگوں نے اللہ کی راہ اختیار کر لی ہے اور خود کو قانون کے حوالے کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ انہیں کسی انتقام، عناد، لالچ یا اپنی کارکردگی بڑھانے کا ذریعہ نہیں بنائیں گے۔

وزیر صاحب نے آپ کو جو حکم دے رکھا ہے۔ آپ اس کی تعمیل کے لیے بستی میں تشریف لا سکتے ہیں۔ ہمارے بے گناہ لوگ آپ کا تشدد سہنے کے لیے تیار ہیں۔ تاکہ آپ کی وردیوں کی لاج رہ سکے۔"

والسلام

تمام حالات و واقعات سن کر پولیس والوں نے سر جھکا لیے۔ بڑے آفیسر نے اسی شام وزیر صاحب کو جہاں تشدد اور بستی کے لوگوں کی فریادوں کی خبر دینی تھی، وہاں اطلاع دی کہ:

"علاقے کے تمام ڈاکوؤں نے لڑکی سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا ہے اور جن جن کے ایماء پر وہ وارداتیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ان تمام شخصیات کا بھی انکشاف کر دیا ہے۔ اور ہماری تفتیش

کے مطابق بستی کے لوگ نہ صرف بے گناہ بلکہ بے حد محترم بھی ہیں۔ اور وہ خاتون ہر لحاظ سے قابل احترام اور معزز ہے۔ کیوں کہ اس وقت وہ علاقے کے لوگوں کو رضاکارانہ طور پر ہدایت دینے کا مقدس فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ البتہ ڈاکوؤں کے انکشافات کے مطابق ہم نے یہاں کے بہت سے اشخاص کو گرفتار کر لیا ہے تاکہ تفتیش آگے بڑھا کر اس علاقے میں جرائم کا قلع قمع کیا جا سکے۔"

ان حالات و واقعات کے نتیجے میں اگلے روز شام ہونے سے پہلے تک اس پولیس سٹیشن پر ایک اور بڑا پولیس آفیسر نئی نفری کے ساتھ ان سے چارج لے چکا تھا اور پہلے والی نفری کو اپنے بڑے آفیسر سمیت ہیڈکوارٹر میں رپورٹ کرنے کے لیے احکام جاری ہو چکے تھے۔

(26)

اگلے روز اخبارات کے اندر کے صفحے پر یہ خبر چھپی کہ:

"اس علاقے کی لڑکی وہاں کے بڑوں کے لیے ابھی تک درد سر بنی ہوئی ہے۔ اس کی بستی کے لوگوں نے ایک وزیر کی طرف سے دی گئی فلاح و بہبود کے لیے رقم کو نہ صرف واپس کر دیا بلکہ کسی بھی قسم کے جلسے اور جلوسوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور بڑوں کے حکم کے باوجود وہاں کی پولیس نے لڑکی اور بستی کے لوگوں کو گرفتار کرنے کی بجائے تفتیش کا رخ وہاں کے بعض بڑے اشخاص کی طرف موڑ رکھا ہے۔"

یہ خبر عبدالودود کے چھوٹے لڑکے کے لیے مزید دلچسپی کا باعث بنی کیوں کہ اس سے پہلے ائرہوسٹس اسی لڑکی کے بارے میں چھپنے والی پچھلی دفعہ کی خبروں کی طرف اسی نوجوان کی توجہ دلا چکی تھی۔ اور اس دوران یہ نوجوان اپنی تنظیم کے لیے کسی نئے ملک میں ہیڈکوارٹر قائم کرنے کے

بارے میں غور و خوض کر رہا تھا۔

وہ پچھلے کئی دنوں سے اپنے ایک ہی خیال کا بار بار تجزیہ کر رہا تھا کہ:

"کیوں نہ اپنی تنظیم کو فلسطین کے حقوق کے لیے کام کرنے کے لیے کسی بڑی تنظیم میں مدغم کر دیا جائے۔"

وہ اس خیال کا فوری اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا:

"کیوں کہ اسے علم تھا کہ اگر اس کے دلائل یا پیش کی جانے والی وجوہات متاثر کن نہ ہوئیں تو تیسرا ساتھی اس کی تجویز کو سرے نہیں چڑھنے دے گا۔"

وہ اپنی فطرت اور دانش کے مطابق ابھی پوری طرح ہوسٹس پر بھی بھروسہ نہیں کر رہا تھا۔ اور جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا وہ بھی ایک ایسا گھر تھا۔ جس میں صرف فلسطینی طلباء ہی قیام پذیر تھے۔ اور اس کی اپنی رائے کے مطابق وہ بھی ابھی اتنے پختہ ذہنوں کے نہیں تھے کہ ان سے زندگی کے کسی سادہ سے مسئلے کے بارے میں بھی گفتگو کی جا سکے۔

اگلی بار ہوسٹس نے ہوٹل میں آ کر اس نوجوان سے دوبارہ رابطہ قائم کیا اور ملاقات کے دوران لڑکی کے بارے میں نئی خبروں کا نئے سرے سے تجزیہ کیا۔

اسی دوران تیسرے ساتھی نے ہوسٹس کو مطلع کر رکھا تھا کہ:

"وہ افغانستان میں رہ کر بعض معلومات کو اکٹھا کر رہا ہے۔ جس کی بنیاد پر جو رپورٹ وہ تیار کرے گا اسے بھی اسرائیل پہنچا دیا جائے۔

اس سلسلے میں اس نے خبردار کیا ہوا تھا کہ:

"رپورٹوں کی حفاظت بہت زیادہ توجہ کی متقاضی ہے اور کسی بھی صورت

ان سے لاپرواہی نہ برتی جائے۔"

ہوسٹس نے نوجوان سے طویل ملاقات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے لڑکی تک پہنچنے اور اسے ختم کر دینے کے بارے میں مزید غور و خوض کی تجویز پیش کی تاکہ بغیر تحقیق کے اس پر وار کرنا خطرناک ثابت نہ ہو۔ دراصل ہوسٹس اس سلسلے میں تیسرے ساتھی کے تجزیئے سے قائل ہو چکی تھی اور تمام اقدام اسی کے پیش نظر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تجزیہ بہت جامع اور متاثر کرنے والا تھا۔

جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"اگر یہ لڑکی وہی ہے جس کی ہمیں تلاش ہے تو یہ ہر لحاظ سے ہم سے دو ہاتھ آگے ہوگی۔ اور وہ کسی ذرا سے شک کی بناء پر نہ صرف ہمیں پہلے ختم کروا دے گی بلکہ وہ عبدالودود کے دونوں بیٹوں کو بھی ہمارے بارے میں آگاہ کر دے گی۔ کیوں کہ وہ ہم دونوں کو نہ صرف جانتی ہے بلکہ پہچانتی بھی ہے۔"

ہوسٹس کا منصوبہ یہ تھا کہ محتاط اور بہتر طریقے سے پہلے لڑکی تک خود رسائی حاصل کی جائے۔ تاکہ ہر لحاظ سے یقین کر لینے کے بعد چھوٹے نوجوان کو صرف وار کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ اور اس دوران وہ واپس اسرائیل پہنچ جائے۔

چنانچہ اس نے نوجوان کو رائے دی کہ:

"تاحال وہ لڑکی تک خود پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ اگلی ملاقات تک کوئی بہتر پروگرام طے کرنے کا انتظار کرے۔"

ہوسٹس نے بعض تجزیات سے نوجوان کو کافی متاثر کر لیا اور وہ اس نتیجے پر

پہنچا کہ:

"چند اور ملاقاتوں سے اسے ہوسٹس کو مزید جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ اسے پختہ ذہن کی پائے تو اپنے منصوبوں اور پروگراموں کے بارے میں بڑے نوجوان یا تیسرے ساتھی کو آگاہ کرنے سے پہلے اس سے مشورہ کرلیا کرے گا۔" نوجوان پچھلے کئی دنوں سے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا جو کہ ابھی تک افغانستان میں تھا مگر تاحال وہ اس سے اور تیسرے ساتھی سے کسی بھی قسم کا رابطہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔"

اس نے فیصلہ کرلیا کہ:

"اگر وہ ایک ہفتے تک مزید کچھ علم نہ ہو سکا تو وہ خود بھی کسی طرح وہاں پہنچنے کی کوشش کرے گا تاکہ صورت حال سے آگاہی حاصل کرسکے۔"

ہوسٹس نے تمام رپورٹوں کو ہوٹل کے کمرے میں کسی ایک ہی جگہ رکھنے کی بجائے علیحدہ علیحدہ مختلف جگہوں میں چھپادیا۔ تاکہ کسی بھی غیر یقینی صورت حال میں وہ سب ایک ہی دفعہ برباد ہوکر نہ رہ جائیں۔

ایک شب اسے خیال آیا کہ:

"لڑکی کے بارے میں اخبارات کی تازہ خبریں اس کے شکوک کو سچ ثابت کر رہی ہیں۔ چنانچہ اس نے صحافی کے روپ میں خود ہی اس بستی میں جانے کا فیصلہ کرلیا تاکہ بذات خود حالات و واقعات کا مشاہدہ کیا جاسکے۔ اس نے اپنے اخبار کی جانب سے پہلے ہی اجازت حاصل کررکھی تھی۔"

لیکن اپنی ذاتی سوچ کے تحت اس نے منصوبہ طے کیا کہ:

"اگر یہ لڑکی وہی ہوئی تو وہ موقع پاکر اسے خود ہی اپنی بے آواز پستول سے

ختم کردے گی اور اگر حالات مشکل ہوئے تو وہ نوجوان کو اس کام پر مامور کردے گی۔"

جس جگہ ہوسٹس مقیم تھی۔ وہاں سے بستی بہت زیادہ دور تھی اور اسے ایک دو روز تک مسلسل سفر طے کرنا پڑتا۔ اس نے پاکستان کی ایک بہت بڑی اخبار کے ایڈیٹر سے مدد چاہی کہ وہ کسی رپورٹر کو اس کی مدد کے لیے ساتھ بھیجے تاکہ وہ بذات خود اس لڑکی کے بارے میں اپنے اخبار کے لیے رپورٹنگ کرسکے۔

متعلقہ ایڈیٹر نے اگرچہ وعدہ کرلیا کہ وہ اس کی مدد کرے گا مگر ساتھ ہی اس نے آگاہ کردیا کہ:

"ان علاقوں میں پچھلے سالوں میں غیر ملکیوں کا اغواء ہو چکا ہے۔ اس لیے جب تک اس کی حفاظت کا بندوبست نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک انتظار کرے۔"

البتہ ہوسٹس کے ذہن میں یہ کشمکش ضرور رہی کہ:

"تیسرے ساتھی کے تجزیے کے مطابق عمل کیا جائے یا مناسب موقع دیکھ کر نوجوان کو پروگرام دینے کی بجائے خود ہی پہل کرکے لڑکی کو ہلاک کردیا جائے۔"

(27)

لڑکی نے پچھلے دنوں بڑی ذہانت اور سمجھ داری سے متعلقہ محکمے کو پاکستان کی قومیت حاصل کرنے یا کم سے کم سیاسی پناہ پالینے کے لیے درخواست دے رکھی تھی۔

اس سلسلے میں اس نے استدعا کی تھی کہ:

"دونوں یا کسی ایک صورت میں اسے پاکستان میں قیام کرنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ وہ اپنی بساط کے مطابق اطمینان سے دین اسلام اور پاکستان کے لیے اپنی خدمات وقف کر سکے۔"

اس نے یہ بھی گزارش کر رکھی تھی کہ:

"اس سلسلے میں کسی بھی پوچھ گچھ کے لیے اسے ذاتی طور پر بھی حاضر ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ حقائق پر مبنی حالات و واقعات سے آگاہ کر سکے۔"

لڑکی کو یقین تھا کہ:

"اس کے جذبے اور ایمان کی سچائی کے پیش نظر اسے پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں بڑی آسانی کے ساتھ پناہ مل جائے گی اور اگر اسے قومیت سے نوازا گیا تو وہ کسی بھی یونیورسٹی میں طلباء کو تربیت و علم دینے کے لیے شامل ہونے کی کوشش کرے گی یا بستی سے منسلک وسیع و عریض علاقوں میں ایسی اسلامی درس گاہوں کی بنیاد رکھے گی جن میں تربیت حاصل کرنے والے ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے بہترین شخصیات کے مالک ہوں اور ہوتے ہوتے ایسی قوم تیار ہو جائے جو واقعی قرآن کے پیغام کے مطابق دنیا کی دیگر اقوام کے لیے باعث راہنمائی و رحمت ہو۔"

لڑکی کا کہنا تھا کہ:

"پاکستان میں رائج الوقت تعلیمی نصاب طلباء کو "جذبہ تجسس" سے سرشار نہیں ہونے دیتا۔ اور اس کا محور "کیوں" کی بجائے "کیا" ہے اور یہ کہ تعلیم کو مشن کی بجائے پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ اور تعلیم دینے والوں کی محنتوں کو معاشی سہولیات اور احترام سے منسلک نہیں کیا گیا۔"

اس کی یہ بھی رائے تھی کہ:

"پاکستان کا نظام تعلیم طلباء میں اعلیٰ احساسات اور جذبوں کی پرورش نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے یہ ناکارہ و بے ثمر نتائج کا حامل ہے۔"

لڑکی روزانہ ہی اپنی درخواست کے منظور ہونے کا انتظار کرتی اور اس دوران ہزاروں ہی خواب چنتی کہ:

"وہ کس طرح اپنی بستی والے علاقے کی نئی نسلوں کی قدم بقدم راہنمائی و تربیت کے پروگرام تیار کرے گی اور انہیں قرآن کے قوانین کے مطابق ناقابل شکست بنا دے گی۔"

یہ ایک بھیگی ہوئی شام تھی۔ اگرچہ بادل چھٹ چکے تھے مگر مسلسل ہوا کے جھونکوں کی وجہ سے دھیرے دھیرے رات خنک ہو چکی تھی۔ آسمان بہت شفاف اور ستارے بھی روشن روشن تھے۔ مگر لڑکی اپنے نا ختم ہونے والے تصورات کے تانے بانے میں الجھی ایک نئے جہان کی تعمیر کی منصوبہ بندی کر رہی تھی۔ کہ ایک پاسبان نے آکر اطلاع دی کہ کوئی ملاقات کے لیے بضد ہے۔ اجازت ملنے پر آنے والا بڑا مؤدب ہو کر لڑکی کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ ایک سادہ سے لباس میں لپٹا ہوا تھا اور چہرے و خدوخال سے ہی عام انسانوں سے بہتر اور تعلیم یافتہ محسوس ہوتا تھا۔ مگر لڑکی بہرحال اپنے مخصوص حلیے میں آدھے چہرے پر پردے سمیت بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

چند لمحوں بعد لڑکی نے خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا:

"میرا خیال ہے کہ آپ پولیس آفیسر ہیں اور چند روز پہلے آپ سے ملاقات ہو چکی ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"ہاں! مگر اب میں پولیس آفیسر نہیں ہوں۔"

لڑکی نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"شاید اس کی وجہ وزیر صاحب کی حکم عدولی اور اہل بستی پر تشدد نہ کرنا ہے۔"

وہ حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے اس کی حیرانی کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"جس طرح سمندر بعض اوقات اپنے موتیوں کو ساحل پر پھینک دیتا ہے۔

ایسے ہی جمود زدہ نظامِ حیات "اہل احساس" کو اچھال کر دور پھینک دیتا ہے۔"

"مگر میں بہت سنگدل ثابت ہوا ہوں۔ کیوں کہ میرے بچے بھوک کی زد میں ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بات مکمل کی۔

لڑکی نے کہا:

"لیکن وہ ایک ایسی عظیم وراثت کے مالک ہو چکے ہیں۔ جسے وہ اپنی نسلوں کو بغیر کسی نقصان کے منتقل کر سکیں گے۔"

اس نے کہا:

اے معزز خاتون!

"ان حالات میں میرے لیے جینے کی راہ کون سی ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا:

"وہ راہ کہ جو تم نے چن رکھی ہے۔"

اس نے کہا:

"میں سمجھا نہیں۔"

لڑکی نے جواب دیا:

"ایک پروفیسر ہاتھ کے چھالوں پہ طویل تقریر کر سکتا ہے مگر ان چھالوں کا مطلب جتنا مزدور بہتر جانتا ہے اتنا وہ نہیں۔ تم چاہو تو یہ علم مزدور سے حاصل کر سکتے ہو۔ معاشی الجھنوں کے اندھیرے میں علم عظیم تر ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ رزق کے ذرائع کم نہیں ہوتے خواہشات زیادہ ہوتی ہیں۔"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا۔ اس کے ماتھے پر ابھرتی مٹتی شکنیں بتا رہی تھیں کہ اس نے کوئی راز پالیا ہے۔

اس نے خود ہی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا:

"آدھی صدی گزرنے کو آئی مگر پاکستان میں "عدل" نایاب ہے۔ براہ کرم یہ معمہ حل کیجیے کہ ایک ہی مقدمے میں کم تر اور برتر عدالتوں کے فیصلے متضاد ہوتے ہیں کیوں؟"

لڑکی نے ذرا توقف سے جواب دیا:

اے معزز انسان!

خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے؟
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے؟

(اقبال)

"مگر مجھے راہنمائی کی ضرورت ہے۔" اس نے کہا:

تو لڑکی نے جواب دیا:

"بے عدلی کا نتیجہ غلامی ہے اور عدل کا نتیجہ آزادی مگر پاکستانیوں نے ابھی تک اس آزادی کے لیے کوئی تحریک شروع نہیں کی۔ دنیا کی تمام تحریکوں میں مشکل ترین اور بے حساب قربانیاں مانگنے والی صرف دو طرز کی تحریکیں ہیں۔ ایک وہ جو "عدل" کے لیے ہو اور دوسری وہ جو اندھے عقائد کے خلاف "غور و خوض" کا مطالبہ کرنے والی ہو۔ ہاں اگر نظام وکالت ختم کر دیا جائے تو عدل کی کرنیں نمودار ہو سکیں گی اور عدالتوں کے فیصلوں کے تضادات ختم ہو جائیں گے۔"

اس نے مزید تذبذب کے لہجے میں پوچھا:

اے نور علم سے معمور خاتون!

"مہربانی سے دوسری تحریک کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔ کیوں کہ

میری روح زیادہ متجسس ہو گئی ہے۔"

لڑکی نے تمہید و تفصیل سے گریز کرتے ہوئے کہا:

"اندھے عقائد اور غور و خوض نہ کرنے کے روگ میں جو مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ تعداد میں بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر تازہ و روشن شعور والے چند ایک۔ انہیں ہر لحاظ سے آگ اور لوہے کی مقتل گاہوں کے پار اترنا ہوتا ہے اور جب بہت سی جانیں اس کی نذر ہو جاتی ہیں تو تب کہیں جا کر دانش نورانی کے شیریں چشمے پھوٹتے ہیں۔ غور کرو تو آپ خود بھی اسی مقتل گاہ سے پار جانے کے لیے کوشاں ہو۔ کوئی زمانہ روشن شعور والوں سے خالی نہیں ہوتا۔ اس لیے تاریخ کے ایام میں کوئی رات مکمل طور پر اندھیری نہیں ہے۔"

اس نے کہا:

"ایک اور الجھن ہے کہ اہل دل کی رسوائی کیوں کر ہوتی ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا:

"احساس و ذمہ داری کی زیادتی اور ذرائع و اختیارات کی کمی رسوائی کا ذریعہ بنتی ہے۔"

اس نے پھر کہا:

"ایسی رسوائی میں ریاست کہاں تک ذمہ دار ہوتی ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا:

"ریاست کا حکمران اس حد تک قصور وار ہوتا ہے جس حد تک فیصلے کرنے اور فیصلے نافذ کرنے کے اختیارات ایسے لوگوں کو تفویض ہونے دیتا ہے جو اہل دل نہیں ہوتے۔"

اس نے کچھ دیر خاموشی کے بعد کہا:

اے نیک خاتون!

"اہل دل کون ہوتے ہیں؟"

لڑکی نے جواب دیا:

"وہ لوگ کہ جنہیں جن پر اختیار ہوتا ہے ان کے مسائل کسی سمجھدار ماں کی طرح سمجھیں اور محسوس کریں۔"

اس نے کہا:

اے عرفان آشنا خاتون!

"ایک حکمران کو تو اپنی ریاست کی ساری رعایا پر اختیار ہوتا ہے۔ تب وہ ان کے مالی و معاشی مسائل کیسے حل کر سکتا ہے؟"

لڑکی کچھ دیر تک زمین کی جانب دیکھتی رہی پھر اس نے نگاہ اٹھائی اور بہت مختصر جواب دیتے ہوئے کہا:

اے شہیدِ جستجو!

"یوں ہے کہ حکمران جتنا دولت مند ہوتا جائے گا رعایا اتنی ہی مفلس ہوتی جائے گی اور حکمران جتنا غریب ہوتا جائے گا عوام اتنی ہی خوشحال ہوتی جائے گی۔"

اس نے کہا:

"میری راہنمائی فرمائیں کہ پھر ایسا حکمران کون ہونا چاہیے؟"

لڑکی نے جواب دیا:

"اگر کروڑوں بینائی رکھنے والے انسانوں کا ایک اندھا راہنما ہو تو وہ ہمیشہ بے منزل رہیں گے۔ اور اگر کروڑوں اندھوں کا راہنما بینائی رکھنے والا

ایک شخص ہو تو وہ سب کو منزل تک لے جائے گا۔"

اندھیرا جتنا بڑھتا جا رہا تھا ستارے اتنے ہی شوخ ہوتے جا رہے تھے۔ پولیس آفیسر اتنا منہمک تھا کہ اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ رات پر فشاں ہے۔ اس نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور جانے کی اجازت چاہی۔

لڑکی نے پاسبان کو ہدایت کی کہ:

"اگر معزز مہمان ٹھہرنا چاہیں تو انہیں بستی کے مہمان خانے میں لے جاؤ اور اگر جانا چاہیں تو ان کی منزل تک ان کی حفاظت کی جائے۔"

اس نے کہا:

اے معزز خاتون!

"آپ کی راہنمائی سے راہزنوں نے قانون کو گلے لگا لیا ہے۔ اب یہ راستے خود ہی محفوظ ہو چکے ہیں۔"

بہرحال کچھ ہی دیر بعد اس نے اپنی راہ لی اور راستے میں محسوس کیا کہ وہ بہت سی الجھنوں سے پاک ہلکے دل و دماغ کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ اس نے بیسیوں مشکل ترین سوالات کیے تھے مگر لڑکی بڑی آسانی سے ایسی آگاہی عطا کرتی رہی کہ اس کی روح جھومنے لگی۔

اس نے تہیہ کر لیا کہ:

"وہ لڑکی کے علم و دانش کے بارے میں ضرور اخباروں میں لکھے گا اور بڑے بڑے سکالرز کو کہے گا کہ اس کی خوشہ چینی کریں۔ تاکہ ان کا علم جو زبان اور بے مقصد مشکل الفاظ کے الجھیڑوں میں اٹکا رہتا ہے۔ وہ بھی بامقصد ہو کر نکل سکیں۔"

اس کا جی چاہا کہ:

اگر اس کے بس میں ہو تو وہ لڑکی کو پاکستان کی ساری جواں نسل کے سامنے لا کر کہے:

میرے بیٹو اور بیٹیو!

"تم بھی کسی طرح اس جیسے بن جاؤ کہ روح اسلام کو پھر کسی جسم کی تلاش ہے۔"

چند روز بعد اخباروں میں اس کا لکھا ہوا آرٹیکل چھپا۔ اس نے بڑی عقیدت سے لڑکی کو متعارف کروانے کی کوشش کی تھی۔

اس نے لکھا تھا کہ شاعر مشرق جو کہا کرتے تھے کہ:

ع "نسیم از حجاز آید کہ نہ آید"

لیکن اس لڑکی کو مل کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ دیارِ نبیؐ سے آیا ہوا کوئی نسیم صبح کا جھونکا ہے۔ جو نہ ختم ہونے والی خوشبوئے اسلام سے لبریز ہے۔

اس نے یہ بھی لکھا کہ:

"لڑکی نے اپنی جواں سالی میں ہی مشرق و مغرب کے علوم پر دسترس حاصل کر رکھی ہے۔ لیکن وہ روشنی و دانش صرف قرآن سے حاصل کرتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ زمانے اپنے رازوں اور حوادث کے ساتھ اس پر عیاں ہیں۔ مگر حیرت ہے کہ اس کا کوئی فرقہ ہے اور نہ ہی وہ کسی کی مقلد و مرید۔

وہ کہتی ہے:

"اللہ کے پیغام پر عمل کرنے کے لیے اول و آخر راہنما صرف آخری نبی ﷺ کی ذات ہے اور دنیا کی آسان ترین اور قابل عمل مکمل کتاب صرف اور صرف قرآن ہے۔ اس لیے کوئی بھی درست عزم رکھنے والا اس تک

براہِ راست رسائی حاصل کر کے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔"

اس نے لکھا کہ لڑکی کی رائے ہے کہ:

"بعض سکالر قرآن کی نورانی ہدایت کی تفسیر کرتے ہوئے اس میں اپنی سوچ شامل کر کے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ایک لحاظ سے شفاف ترین روشنی کو غیر ارادی طور پر میلا کرنے کی سعی ہوتی ہے اور یوں مسائل حل ہونے کی بجائے الجھ جاتے ہیں اور لوگ فرقوں میں بٹ کر رہ جاتے ہیں۔"

اور وہ کہتی ہے کہ:

"جب اللہ نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان بنا دیا ہے تو پھر کوئی مفسر اسے اور کیا آسان بنا سکتا ہے۔ اصل میں عام مسلمان ذہنی طور پر کاہل ہو چکا ہے اور وہ بذاتِ خود قرآن کی آیات پر غور و خوض کرنے سے گریز کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے قرآن کی شفاف اور برتر دانش سے دور رہتا ہے۔ اسی وجہ سے مسائل میں الجھ کر تمام عمر بھٹکتا رہتا ہے اور اندھے عقائد کا پرستار بن کر فرقہ بازی کی دہشت گردی کے لیے ماحول سازگار بنا دیتا ہے۔" اس نے لڑکی کے تجزیات من و عن شائع کر دیئے۔

ان میں ایک یوں تھا:

"بے حساب دانش رکھنے والے بعض علماء بھی ذہنی کاہلی کا شکار ہو کر بے مقصد قسم کی بحث و تمحیص میں زندگی گزار دیتے ہیں اور ایسی کتابیں چھاپتے رہتے ہیں جو ناکارہ ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ بڑے بڑے سائنس دان بن سکتے تھے اور یوں امت اسلامیہ اس دور میں دوسروں کی محتاجی سے آزاد ہو سکتی تھی۔"

اس نے لکھا کہ لڑکی کا کہنا تھا کہ:

"عمل کرنے کے لحاظ سے اسلام ہی آسان ترین دین ہے اور اس پر عمل کرنے سے فوری نتائج ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی انسان جوں جوں عمل کرتا ہے توں توں شعوری سرخوشی اور قلبی اطمینان سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔"

(28)

پولیس آفیسر کا لڑکی کے بارے میں جب آرٹیکل چھپا تو اسرائیلی ہوسٹس صحافی نے بطور خاص اس کا مطالعہ کیا۔

اس آرٹیکل کے تجزیے کے بعد اسے یقین ہوگیا کہ:

"اسلام کے بارے میں اس قسم کا اظہار زوال شدہ امت کا شاید ہی کوئی فرد کرتا ہو۔"

اس نے سوچا کہ:

"دیگر کئی غیر مسلموں کی طرح جو سچائی کی تلاش میں گھومتے بھٹکتے آخر کار مسلمان ہو جاتے ہیں اور اسلامیوں کے لیے وجہ تقویت ثابت ہوتے ہیں۔ یہ لڑکی بھی ان کے لیے قوت کا باعث بن سکتی ہے اور یقیناً یہ لڑکی وہی ہے جس کی کہ اسرائیل کو تلاش ہے۔"

چنانچہ اس نے کھوج کے رخ کو براہ راست اسی جانب کر دیا۔

جس طرف سے لڑکی کے بارے میں اطلاعات آ رہی تھیں۔

علاقے کے تمام بڑے اشخاص لڑکی کے ہاتھوں ہر طرح سے شکست کھا چکے تھے۔ وزیر کی آمد کے واقعہ نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ڈاکوؤں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا ہوا تھا۔ وہاں کے لوگ ایک ایک بات کو بڑی دلچسپی سے دہراتے اور لڑکی کے کارناموں سے تقویت حاصل کرتے۔ دور دور کے علاقوں کے لوگ لڑکی کے پاس آکر مختلف مسائل کے بارے میں راہنمائی حاصل کرتے۔

مگر یہ ازل سے طریقہ رہا ہے کہ:

"صاحبان اختیار بعض مذہبی لوگوں کو شامل کر کے کچھ اہل ثروت کو بھی ساتھ ملا لیتے ہیں تاکہ ان کے جبر و ستم کو چیلنج کرنے والوں کا قلع قمع کیا جا سکے اور یوں وہ اکثر کامیاب رہتے ہیں۔"

تاریخ میں ایسی بے حساب مثالیں ملتی ہیں کہ جب کبھی عوام نے اتحاد کیا تو ان کے مقابلے میں مذکورہ تینوں قوتیں بھی اکٹھی ہو گئیں۔ ایسے میں کئی بار عوام کا اتحاد ناکام ثابت ہوتا ہے اور میدان انہی کے ہاتھ رہتا ہے۔

علاقے کے بڑے اشخاص سے جب کچھ نہ بن پڑا تو انہوں نے بہت سے صاحبان اختیار، بعض مذہبی راہنماؤں اور بہت سی دیگر مؤثر شخصیات کو اپنے ساتھ ملا کر لڑکی کا صفایا کرنے کی ٹھان لی۔ انہوں نے آپس میں متعدد ملاقاتوں کے بعد اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے حکمت عملی تیار کر لی۔

لڑکی لوگوں کو جو درس دیتی تھی۔ سازش کرنے والوں نے کوشش

کر کے ان کی کیسٹیں تیار کروائیں اور سیاق و سباق سے ہٹا کر اس کے نظریات پیش کیے۔ جن پر بعض علماء نے فتویٰ صادر کیا۔ لڑکی نے کیوں کہ تمام فرقوں کو مسترد کیا تھا اس لیے ان میں بعض جذباتی پیروکار متحد ہو گئے اور انہوں نے اس کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ بعض بڑوں نے بھاری فیسیں دے کر چوٹی کے وکیلوں کے ذریعے اس کے خلاف مقدمات درج کروا دیے۔

ابھی عدالت میں مقدمات کی کارروائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ لڑکی پر فتوؤں کی بھرمار ہونے لگی۔ وہ مذہبی راہنما جن کے تعلقات بعض بڑی بڑی سیاسی شخصیات سے تھے، انہوں نے بغیر جانے اور بغیر لڑکی سے ملے، اس کے خلاف سنی سنائی کہانیوں کی بناء پر تحریک شروع کرنے کی حمایت کر دی اور اسے فتوؤں کی لپیٹ میں لے لیا۔ بہت سی یادداشتیں حکومت کو ارسال کی گئیں۔ بڑے اشخاص نے وزیر صاحب سے مل کر پریس کانفرنسوں کا بھی اہتمام کر لیا۔

ہوسٹس صحافی نے جس اخبار کے ایڈیٹر سے کہہ رکھا تھا کہ اس کی لڑکی سے ملاقات کروائی جائے اس نے اطلاع دی کہ:

"لڑکی کے خلاف بہت سی آوازیں ابھر رہی ہیں اور اتوار کی شام کو فلاں جگہ پر باقاعدہ پریس کانفرنس کا اہتمام ہو چکا ہے۔ جس میں صرف لڑکی کے بارے میں صحافیوں کو معلومات فراہم کی جائیں گی۔"

اس نے ہوسٹس کو کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ بھی بھجوایا اور تجویز دی تھی کہ:

"کانفرنس کے بعد لڑکی کے ہاں جا کر اسے ملنا مناسب رہے گا۔"

ہوسٹس کو یہ تجویز بہتر لگی مگر اس نے چاہا کہ:

"چھوٹے نوجوان کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔"

بڑوں کے منصوبے کے مطابق ایک بڑے ہوٹل میں پریس کانفرنس کا اہتمام کیا جاچکا تھا۔ اور صحافیوں کو کافی بہتر سہولیات فراہم کر دی گئی تھیں۔ تاکہ کوشش کرکے ان میں سے بعضوں سے اپنی پسند کی خبریں لگوائی جاسکیں۔ صحافی حضرات شام سے پہلے ہی آنا شروع ہو گئے تھے تاکہ اپنے مشاہدات و تجربات کی بناء پر اہتمام کرنے والوں کے ذریعے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جاسکیں۔ ان میں بعض نئے نئے رپورٹر بنے تھے جو سکھلائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنی ڈائریوں اور کاغذات کو بڑی ترتیب سے رکھ رہے تھے۔ پریس کانفرنس کا ایجنڈا کیوں کہ بہت واضح نہیں تھا اس لیے وہ زیادہ سوالات تیار نہ کر سکے تھے۔ بہت سے رپورٹر ایسے بھی تھے جن کو لڑکی کے بارے میں بالکل کوئی علم نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ساتھی صحافیوں سے اس کے متعلق کچھ نہ کچھ جاننے کی کوشش کی۔

سب سے زیادہ باعثِ حیرت بات یہ تھی کہ:

"ایک غیر ملکی صحافی خاتون یعنی ہوسٹس صحافی اس لڑکی کے بارے میں بہت زیادہ باخبر تھی۔ اور دیگر صحافی اس کی البم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔ کچھ نے تو اس کی فوٹو سٹیٹ کاپیاں بنوا کر آپس میں تقسیم کر لیں۔"

بعض صحافی اس بات سے شرمندگی محسوس کر رہے تھے کہ:

"جس لڑکی کے بارے میں اپنے ملک کے حوالے سے انہیں زیادہ باخبر ہونا چاہیے تھا۔ اس کے متعلق معلومات وہ ایک غیر ملکی صحافی سے حاصل کر

رہے ہیں۔ چنانچہ بعض اخباروں کے صحافیوں نے اسے بڑے احترام سے مدعو کیا اور یہ بھی درخواست کی کہ:

"اگر وہ ان کے اخبار کے لیے کام کریں تو بہت بہتر معاوضہ دیا جائے گا۔"

البتہ اس سے کسی نے بھی یہ سوال نہ پوچھا کہ:

"آخر بے حساب خبروں کو چھوڑ کر اس نے بڑی معمولی سی خبر کے بارے میں اتنی زیادہ معلومات کیوں اکٹھی کر رکھی ہیں اور اس کے لیے البم کو تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یا یہ کہ اس نے معمولی خبروں کے متعلق اور کتنی البم تیار کر رکھی ہیں؟"

بہر حال وہ اس بات پر خوش تھے کہ:

"انہیں پہلے سے تیار شدہ مواد میسر آچکا تھا۔"

ہوسٹس صحافی کو اگلی سیٹوں میں جگہ دی گئی۔ شام سے کچھ ہی دیر پہلے وزیر صاحب اپنے کچھ خاص عمائدین کے ساتھ تشریف لائے۔ انہوں نے آکر منتظمین کا شکریہ ادا کیا کہ جنہوں نے پریس کانفرنس کے لیے بہتر انتظامات کیے۔ انہوں نے اپنی تمام کوششوں کا سیر حاصل تذکرہ کیا جو وہ بعض علاقوں کی فلاح و بہبود کے لیے کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مختلف علاقوں کو دی گئی رقوم کی فہرست بھی پیش کی اور ان رقوم میں متعلقہ علاقوں کے لوگوں کی بے حساب دلچسپی کا بھی ذکر کیا۔

وزیر صاحب نے بتایا کہ:

"یہ رقوم ان کے علاوہ ہیں جو ان کے ممبران کے ذریعے فراہم کی جاتی ہیں۔"

اس دوران انہوں نے لڑکی کے بارے میں خصوصاً ذکر کیا کہ:

"فلاں علاقے کی لڑکی نے بستی کے لوگوں کو ورغلا کر علاقے کی اہم شخصیات کے خلاف کر رکھا ہے۔ تاکہ حکومت اپنے نمائندوں کے ذریعے عوام کے مسائل پر توجہ نہ دے سکے۔"

وزیر صاحب نے مزید بتایا کہ:

"اس لڑکی نے بستی کے سادہ اور بھولے بھالے افراد کو مذہب کے بارے میں گمراہ کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ درگاہ اور اس کے متولی کی بے حرمتی پر کمربستہ ہیں۔ مگر حکومت ان کے خلاف کوئی انضباطی کاروائی کرنے سے پہلے حکومت کے خیر خواہوں سے جو کہ اس علاقے کے کلچر سے واقف ہیں اور وہیں کے مکین ہیں' ان سے اور وکلاء سے بھی مشورے کر رہی ہے تاکہ واقعات کی پہلے سے اچھی طرح چھان بین کرلی جائے اور بعد میں مجرموں کو بچ جانے کا موقع نہ مل سکے۔"

انھوں نے یہ بھی کہا کہ:

"اس سلسلے میں ہم نے بعض مذہبی راہنماؤں سے رابطہ کرکے لڑکی کے مذہبی نظریات کے خلاف فتوے بھی حاصل کر لیے ہیں۔"

وزیر صاحب نے تمام حالات و واقعات کا تفصیلاً خاکہ پیش کرنے کے بعد صحافیوں کے سوالوں کا جواب دینے کے لیے علاقے کے چند خواص کو بھی سٹیج پر مدعو کر لیا اور صحافیوں کو اجازت دی کہ وہ سوالات کریں۔ مگر ساتھ یہ شرط بھی عائد کر دی کہ سوالات ذاتی نوعیت کے نہیں ہونے چاہییں۔

پہلا صحافی---

جناب والا!

"شروع میں لڑکی کے حوالے سے ایک خبر یہ بھی تھی کہ بستی کے بڑے شخص نے اس پر ظلم و تشدد کی کوشش کی۔ جسے اس نے سہنے اور برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آخرکار بستی والے بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟"

جواب!

"اس سلسلے میں تفصیلات ہم پہلے ہی اخباروں میں چھپوا چکے ہیں کہ لڑکی شروع دن سے ہی بغاوت کا منصوبہ لے کر آئی تھی۔ بہرحال لڑکی کے حق میں جتنی خبریں ہیں وہ مخالفین اور شرپسندوں کی پھیلائی ہوئی ہیں۔"

دوسرا صحافی---

جناب والا!

"یہ بھی خبر ہے کہ لڑکی اور بستی والوں نے حکومت کی جانب سے دی گئی رقم کو اس وجہ سے واپس کیا تھا کہ وہ صرف اپنے ذرائع اور محنت سے ترقی و خوش حالی حاصل کرنا اپنا فریضہ اولین سمجھتے تھے اور وہ مانگی ہوئی دولت یا کسی سہارے کے بغیر آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

جواب!

"اس کا تو مطلب حکومت کا فیصلہ ماننے سے انکار ہے اور اگر سارے ملک کے لوگ حکومت کے فیصلے ماننے سے انکار کر دیں تو ملک اور حکومت تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔"

ہوسٹس صحافی---

قابل احترام منسٹر!

"مجھے ساتھی صحافیوں سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ جس علاقے میں وہ لڑکی ہے۔ وہاں پڑھی لکھی خواتین نہیں ہوتیں مگر یہ لڑکی بے حد تعلیم یافتہ دکھائی دیتی ہے۔ آخر یہ کیونکر ممکن ہے؟"

جواب!

"اصل میں آپ کو درست معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔ پاکستان میں سیاسی مخالفین شرپسندوں کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں کسی کے تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ایک اور صحافی۔۔۔

جناب والا!

"آپ نے فرمایا ہے کہ لڑکی کے مذہبی نظریات کسی بھی اچھے مسلمان کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ کیا آپ اس کی مزید وضاحت فرمائیں گے؟"

جواب!

"اس سلسلے میں بعض مفتیوں کی جانب سے آپ نے پہلے ہی فتویٰ پڑھ لیا ہوگا۔ چنانچہ مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں اور ویسے بھی اس کے خلاف متعلقہ عدالتوں میں مقدمات دائر کر دیئے گئے ہیں۔ جن کے قانونی فیصلے بھی جلد سامنے آ جائیں گے۔"

ایک صحافی۔۔۔

جناب والا!

"ایک تجزیاتی رپورٹ کے مطابق وہاں کے بعض بڑے اشخاص نے حکومت کے بعض اہل کاروں سے ساز باز کرکے لوگوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان کے خلاف آواز اٹھانے سے گریز کرتے

ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

جواب!

"آپ اس حقیقت سے زیادہ واقف ہیں کہ آج کے دور میں کوئی کسی سے خوفزدہ نہیں۔ بلکہ آپ نے دیکھ لیا کہ اس علاقے کے انتہائی معتبر بڑے اشخاص بھی اب اس بستی میں جانے سے گریز کر رہے ہیں۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ لڑکی کی بستی کے بڑے شخص نے وہاں کے لوگوں سے خوفزدہ ہو کر اپنا گھربار' حویلی اور زمینوں کو چھوڑ دیا ہے۔ ایسے میں حکومت کا فرض ہے کہ اپنے شہریوں کے جان و مال کی مکمل حفاظت کرے۔ چنانچہ حکومت اس بڑے شخص کی ہر صورت امداد کرے گی اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دے گی۔"

ایسے ہی کچھ اور سوالوں اور جوابوں کے بعد پریس کانفرنس برخاست ہو گئی اور صحافیوں نے اپنے اپنے تجزیے کے مطابق خبریں اور تبصرے شائع کیے۔

(29)

ابھی تک لڑکی کے بارے میں چھپنے والی خبروں میں سے یہ پریس کانفرنس سب سے زیادہ اہم سمجھی گئی۔ اس کی روداد کو پاکستان کے کئی علماء، دانشوروں، طلباء، صحافیوں اور عام لوگوں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ ایک یونیورسٹی کے چند مسلم طلباء اور دو ایک پروفیسروں نے بھی لڑکی سے ملاقات کا پروگرام طے کر لیا۔ اصل میں یہ لوگ سیکولرازم اور دہریت کے حامی تھے اور بہت سے غیر اسلامی نظریات سے شدید طور پر متاثر تھے اور اپنے طور پر اسلام کی بعض قدروں کو مضحکہ خیز قرار دیتے رہتے۔ اگر اتفاق سے کوئی معصوم سا مذہبی راہنما ان کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کی عقل و فکر کا حلیہ بگاڑ دیتے۔ انہوں نے یونیورسٹی میں اسلام سے محبت رکھنے والوں کو کٹر، بنیاد پرست اور ایسے ہی بہت سے دیگر القابات سے نواز رکھا تھا۔ عام مسلم طلباء یا پروفیسر صاحبان ان کی جانب رخ کرنے سے گریز کرتے تھے اور

سیدھا سیدھا انہیں کافر کہہ کر گزر جاتے۔

وہ لوگ اس یونیورسٹی کے بڑے بڑے پی ایچ ڈی پروفیسروں اور مبلغین کو کہا کرتے تھے کہ:

"حوصلے سے ہمارے سوالوں کو سنو اور جواب دو مگر وہ کترا جاتے۔"

یونیورسٹی میں ایسے لوگوں کے خلاف کئی بار ہڑتال ہوئی۔ کئی بار حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ یونیورسٹی کو ان جیسے نظریات رکھنے والوں سے پاک کیا جائے مگر جب بھی ان کے خلاف اقدامات کی بات آگے بڑھتی تو ان جیسے لوگ ان کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آتے اور مخالفین کو "تھیو کریسی کے حامی" کہہ کہہ کر زچ کرتے۔ حکومت کی مداخلت سے بات آخر ٹل تو جاتی مگر یہ سلسلہ وقفے وقفے سے اسی طرح چلتا رہتا۔

لڑکی کے بارے میں پولیس آفیسر کا آرٹیکل بھی ان طلباء اور پروفیسروں کو بہت دلچسپ لگا کیونکہ انہیں یہ ایک اور شخصیت نظر آئی جسے وہ اپنی منطق، فلسفے اور غیر اسلامی نظریات کی طاقت سے بے سروسامان کر کے رکھ دیتے اور اگلے روز اس آرٹیکل کے خلاف ایک اور آرٹیکل چھپوا دیتے۔

ان پروفیسروں اور طلباء نے باقاعدہ ایک ٹیم تشکیل دی اور دن رات ایک کر کے متحدہ طور پر زیادہ سے زیادہ دلائل تیار کیے۔ اس ٹیم کے پروفیسر صاحبان مغرب کے تعلیم یافتہ تھے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں بھی ادھر ہی سے حاصل کر رکھی تھیں۔ انہیں انگلش زبان پر عبور حاصل تھا اور زیادہ تر وہ انگریزی میں ہی اظہار خیال کرتے۔ ان کے پاس یہ ایک بڑا حربہ تھا کیونکہ بہترین دانشور بھی بہتر انگریزی نہ بولنے کی وجہ سے ان کے مقابل

مات کھا جاتا اور دیکھنے سننے والے انگریزی کو ہی قابلیت کا معیار گردانتے۔ پاکستان میں یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے بیکن کے دور میں انگریز انگریزی میں گفتگو کرنے یا لکھنے پڑھنے کو توہین خیال کرتے اور وہ متاثر کرنے کے لیے لاطینی زبان کا سہارا لیتے۔ بہر حال انہوں نے ملاقات کے لیے جمعہ کے روز کو مناسب جانا۔

ٹیم کا لڑکی کی بستی تک کا سفر کافی دلچسپ اور دلفریب رہا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ پہلی بار بڑے شہروں کی رونقوں سے نکل کر بے غازہ و بے تکلف قدرت کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

انگریزی ادب کے ایک پروفیسر نے کہا:

"ورڈز ورتھ ایسے ہی تو شہروں سے بھاگ کر دور دیہاتوں یا ندی کناروں پہ نہیں جا رہتا تھا' وہ یقیناً ایسے ہی حسن سے لطف اندوز ہوتا ہو گا۔"

دوسرے نے بات بڑھاتے ہوئے کہا!

"فطرت کے بارے میں اپنے انہی احساسات کی بناء پر ہی تو وہ فطرت کا پجاری' کہلایا۔"

فلسفے کے شعبہ جمالیات کے پروفیسر نے کہا:

"لیکن مجھے کیٹس نے زیادہ متاثر کیا ہے کیونکہ وہ حسن و جمال' کا پجاری ہے۔"

بے حد قیمتی گاڑی کے سٹیرنگ کو گھماتے ہوئے ایک طالب علم نے کہا:

"مگر سر! شیلے نے جو فکر دیا ہے وہ اس کے ہمعصر نہ دے سکے۔"

ذرا توقف کے بعد اینتھروپالوجی کے پروفیسر نے کہا:

"ذرا مزید مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شعراء کسی نظریے کے مالک نہیں ہوتے' بس تذبذب کا شکار ہوتے ہیں۔"

فلسفے کے پروفیسر نے اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"اس لیے بہتر ہے کہ اسپائی نوزا' والٹیر' نطشے' ہیگل' مارکس یا روسو۔۔ پر بات کی جائے تاکہ جب تک منزل نہیں آتی مستند نظریات کا لطف حاصل کیا جا سکے۔

بڑی دیر تک خاموش رہنے والے فزکس کے پروفیسر نے یہ کہتے ہوئے ان کی باتوں کو بے مقصد قرار دینے کی کوشش کی کہ:

"ہمیں خالی خولی نظریات سے کیا لینا۔ زیادہ بہتر ہے کہ آئن سٹائن کی تحقیقات پر بات کریں۔ نہیں تو "ناسا" نے جو دریافتیں کر ڈالی ہیں ان کے بارے میں اپنی معلومات کا تبادلہ کریں۔"

یہ ان کا ایک طویل سفر تھا کیونکہ یونیورسٹی سے یہ بستی بہت دور تھی اور ویسے بھی وہاں تک بل کھاتے اور شکست خوردہ راستے تیز رفتاری کے دشمن تھے۔ انہیں بستی سے دور ہی ایک قصبے میں رات ہو گئی۔

انہوں نے یہ سوچ کر کہ:

"بستی تک جانے والی تمام راہیں ان کے لیے اجنبی ہیں اس لیے بہتر ہے کہ وہیں کسی چھوٹے موٹے ہوٹل میں قیام کیا جائے۔" لیکن ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سی بستیوں میں سے گزرتے گزرتے اور اس بستی کے فاصلے کے بارے میں پوچھتے پوچھتے وہ کئی بار زچ ہو چکے تھے کیونکہ دیہاتی لوگ انہیں یہی کہتے تھے کہ وہ زیادہ دور نہیں۔ "کار پر تو قریب ہی ہے" اور اس طرح پچھلے دو تین گھنٹوں سے وہ اس بستی کی جانب گاڑی دوڑاتے اور

ہچکولے کھاتے جارہے تھے۔

قصبے کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بہت زیادہ روشنی نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے قیام کے لیے اسے ہی موزوں جانا اور وہیں ٹھہر گئے۔ اس رات مزید کچھ دیر تک وہ جاگتے رہے۔

سونے سے پہلے ایک پروفیسر نے کہا:

"ہم نے لڑکی کو ملنے کا فیصلہ کر کے حماقت کا ثبوت دیا ہے۔"

دوسرے نے مضمحل سی آواز میں استفسار کیا!

"کیوں"

اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا!

"دیہات کی ایک جاہل اور گنوار ہمیں کیا سکھا سکے گی ہم نے جو یورپ کی خاک چھانی ہے کیا وہ اس لیے ہے کہ کسی معمولی اور غیر معروف سی لڑکی کے سامنے حاصل کی ہوئی بہترین دانش کے موتیوں کو برباد کرنے کی کوشش کی جائے۔"

ایک اور پروفیسر نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا:

"بات تمہاری درست ہے مگر میں اپنے شاگرد کے اصرار پر چلا آیا"

ذرا دور سے ایک طالب علم نے کہا۔ سر!

"آپ نے بھی لڑکی کے بارے میں پولیس آفیسر کا آرٹیکل پڑھنے کے بعد کہا تھا کہ مذاہب کو ماننے والے اندھے عقائد کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے اس لڑکی کے نظریات کو بھی درست کرنے کی ضرورت ہے۔"

اس نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے مزید کہا کہ:

"آپ نے ہی لڑکی کے عقائد کے متعلق رائے دی تھی کہ وہ ہم جیسے نظریات رکھنے والے لوگوں کے لیے چیلنج ہے۔؟ میں نے تو اسی تجسس کی بناء پر یہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔

انگلش لٹریچر کے پروفیسر نے کہا۔

"اور کچھ نہیں تو کم از کم اس علاقے کے کلچر کو ہی سمجھنے کا موقع ملے گا۔ ویسے بھی عمر گزر جاتی ہے اور ہم لوگ صرف چند فرلانگ کے دائرے ہی میں زندگی گزار کر مرجاتے ہیں۔"

سچ یہ ہے کہ:

"اس ویرانے میں ایک چھوٹے سے قصبے کے ہوٹل میں ٹھہرنا میرے لیے عجیب سا تجربہ ہے۔"

یوں ہی بے تسلسل سی گفتگو کرتے ہوئے وہ لوگ سو گئے اور اگلی صبح کی پہلی کرنوں نے انہیں آ جگایا۔ پچھلے دن کی تھکن کی وجہ سے اگرچہ وہ کچھ اور دیر تک سونا چاہتے تھے۔

مگر اینتھروپالوجی کے پروفیسر نے مشورہ دیا کہ:

"ہمیں اپنی ملاقات مکمل کر کے آج شام تک واپس بڑی شاہراہ تک پہنچنا چاہیے تاکہ رات کے سفر کے بعد صبح تک اپنے گھروں میں چلے جائیں۔"

انہیں صبح کا یہ سفر کافی دلفریب لگا مگر کچھ ہی دور وہ گئے ہوں گے کہ ایک طالب علم نے مسحور ہو کر نئے شروع ہونے والے علاقے کی جانب ان سب کی توجہ دلائی۔

اس نے بڑی معصومیت سے اپنے اساتذہ کو مخاطب ہو کر کہا:

سر!

"ایک جانب ہماری یونیورسٹی ہے جہاں اگرچہ ایک سے ایک دانشور ہے مگر وہ انتہائی بدصورت اور بدنما دکھائی دیتی ہے۔ کلاس روم اتنے بے صورت ہو چکے ہیں کہ جیسے مذبح خانے ہوں۔ ہماری یونیورسٹی کے سٹال تو بالکل جنم زار بنے ہوئے ہیں اور ہمارے ہوسٹل تو وحشت ناک ویرانی کا منظر پیش کرتے ہیں۔"

اس نے اپنے پروفیسروں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا:

سر!

"آپ شیکسپیئر کے حوالے سے کئی بار بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "رات کتنی بھی طویل ہو اس کا سویرا ضرور ہوتا ہے"

مگر میرا یقین ہے کہ:

"ہماری یونیورسٹی کی بدصورتی اور ویرانی کبھی ختم نہیں ہوگی۔"

ایک پروفیسر نے ذرا سے سخت لہجے میں پوچھا۔

"کیوں"

اس نے ہلکی سی مسکراہٹ دیتے ہوئے کہا:

سر!

"کاش میری یونیورسٹی کے دانشور اس علاقے کے ان پڑھ لوگوں جیسے ہوتے۔"

پروفیسر نے پھر کہا:

"کس لیے۔"

اس نے کہا:

"یہاں کا حسن دیکھیں! ان لوگوں کا جمالیاتی مزاج ملاحظہ فرمائیں۔

سر!

"آپ دیکھیں کہ کس خوبصورتی سے یہاں کے گلستانوں میں پودوں اور پھولوں کی قطاریں پروان چڑھ رہی ہیں۔ اور وہ سامنے والی ذرا دور بستی کو جاتے ہوئے یہ راستے کس طرح سایہ دار اور گرد سے پاک ہیں۔

اور سر!

"اس جانب دیکھیں کہ کس طرح ایک حسین ترتیب سے دور تک ٹیوب ویل پانی کی دھاریں آبشاروں کی طرح نچھاور کر رہے ہیں۔"

ایک اور خاموش بیٹھے ہوئے طالب علم نے کہا:

سر!

"مجھے تو یہاں کے زمین و آسمان ہی مختلف لگے ہیں۔ میرا بس چلے تو میں اسی حسن زار میں اپنی زندگی گزار دوں۔ اس بستی کے علاقے کو دیکھ کر تو مجھے اپنی یونیورسٹی ایک ویرانہ اور اندھیر نگری لگی ہے جہاں دوپہر کے بعد جانے سے خوف آتا ہے اور دوسری طرف یہ زمین حسین ہے خوابوں کی سرزمین کی طرح یہ کسی فردوس بریں کا ٹکڑا دکھائی دیتی ہے۔"

سر!

"آپ دیکھیں کہ کھیتوں میں اترتے ہوئے پانی کے کناروں پر دور دور تک قمقموں کی قطاریں ہیں۔ ذرا ایک لمحے کو تصور کریں کہ جب یہاں کی رات سیاہ ہوتی ہوگی تو ان روشنیوں کے عکس جب کھیتوں میں اترتے اور رقص کرتے ہوئے پانی کے چھلوں پر پڑتے ہوں گے تو انہیں دیکھ کر کون چاند تاروں کی تمنا کرے گا؟"

ایک پختہ شعور کے طالب علم نے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا:

سر!

"ہمارے دانشوروں میں کوئی اپنے نظریات سے نکل کر کیا کبھی زندگی کو یوں حسین بنانے کی سوچ سکتا ہے۔"

کچھ توقف کے بعد فلسفے کے پروفیسر نے کہا:

میرے بیٹو!

"آپ کی یونیورسٹی ویران ہے اور نہ ہی بدصورت دراصل اس کے مکین یعنی ہمارے سمیت تمام طلباء گندگی پسند اور بدصورتی پسند ہو چکے ہیں۔

آپ غور سے دیکھو کہ:

"کتنے طلباء کے حلیے قابل قبول ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی اسی لیے وحشت ناک ہے کہ طلباء اور ہم مل کر وحشت ہی کو بڑھا رہے ہیں۔

دوسرے پروفیسر نے جھنجلا کر کہا کہ:

"ہم اپنے مقصد سے ہٹ چکے ہیں اور کتنی ہی دیر سے بے مقصد قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔"

اس کے لہجے کی کرختگی دیکھ کر کچھ دیر کے لیے سب خاموش ہو گئے اور بستی کے آنے کا انتظار کرنے لگے کہ کب فاصلہ ختم ہو اور وہ بستی میں جا کر لڑکی کو نظریاتی شکست میں مبتلا کر کے واپسی کی راہ لیں۔

کچھ ہی دیر بعد انہوں نے چند آدمیوں کو بڑے راستے کی جانب آتے دیکھ کر اپنی گاڑی روک لی۔ ان لوگوں کے پروقار و سادہ سے لباس اور ان کی شخصیتوں سے چھلکتی ہوئی پاکیزگی کو محسوس کر کے وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ وہ تینوں خود ہی گاڑی کے پاس آ کر ٹھہر گئے۔

ایک پروفیسر نے انہیں مخاطب ہو کر کہا:

جناب!

"ہم بھٹکے ہوئے ہیں۔ کیا آپ ہمیں بتا سکیں گے کہ فلاں بستی یہاں سے صحیح طور پر کتنے فاصلے پر ہے؟ اور کس طرف ہے؟ اور یہ کہ کیا فلاں لڑکی اسی بستی میں رہتی ہے؟ اور اس وقت وہ کہاں مل سکتی ہے۔"

درمیان والے شخص نے بڑے ادب سے سلام کرتے ہوئے انہیں ہلکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا کہ:

میرے بھائیو!

"آپ اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میرے پیچھے پیچھے گاڑی لے آئیں' یا میں آپکی کھڑے کھڑے راہنمائی کر دیتا ہوں اور آپ جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں آسانی سے پہنچ جائیں گے۔ آپ فرمائیں کہ کونسا طریقہ موزوں رہے گا۔"

جواب دینے سے پہلے ایک پروفیسر نے اپنے طلباء سے آہستہ لہجے میں کہا:

"ان کے اخلاق اور آداب پر غور کریں کتنے حسین ہیں۔"

پوچھنے والے پروفیسر نے وہیں سے راہ کا پتہ معلوم کر لیا اور مزید کہا کہ:

"اگر آپ پر گراں نہ ہو تو ہم آپ سے دو ایک اور معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

درمیان والے شخص نے بڑی محبت سے جواب دیا۔

جناب عالی!

"ہم اسی بستی کے ہی رہنے والے ہیں۔"

دوسرے پروفیسر نے کہا!

"مگر ابھی تو ہم نے سوالات پوچھے ہی نہیں۔"

درمیان والا شخص مسکرانے لگا۔

اس نے کہا کہ:

میرے دوست!

"آپ کے پہلے سوال نے ہی غمازی کر دی تھی کہ آپ اور کیا کیا جاننا چاہتے ہیں۔"

اس نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ:

"لڑکی اس وقت بستی کے دیگر محنت کشوں کے درمیان ہاتھ میں کدال لیے فلاں جگہ ملے گی مگر آپ اس سے تفصیلاً ملاقات عصر کی نماز کے بعد ہی کر سکیں گے کیونکہ اس وقت تک وہ بستی کے لوگوں کے ساتھ محنت و مشقت میں مصروف رہتی ہے۔ اس وقت اگر آپ آرام کرنا چاہیں تو فلاں جگہ آپ تشریف لے جائیں' وہاں پر بستی والوں نے مہمان خانہ بنا رکھا ہے۔ اور اس جگہ کو جو آپ غور سے دیکھ رہے ہیں وہ اسی کی راہنمائی کا نتیجہ ہے۔ میرے دوسرے دو ساتھی اس لیے خاموش ہیں کہ انہوں نے فلاں منزل تک مجھے اپنا راہنما بنا رکھا ہے۔ مگر واپسی پر میرے دائیں والا شخص راہنما ہو گا کیونکہ آتے ہوئے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ اس کے لیے ہم میں یہ زیادہ ماہر ہے۔ ویسے عمومی طور پر راستے میں لڑکی نے نماز کی امامت کروانے کی ذمہ داری مجھے سونپ رکھی ہے مگر سفر کے دوران جو راہنما ہو گا وہی امام ہو گا۔"

یہ سب کچھ کہہ کر وہ پھر مسکرایا اور کہا کہ:

بھائیو!

"میرا خیال ہے آپ کچھ نہ کچھ اسی بارے میں جاننا چاہتے ہوں گے۔"

گاڑی میں بیٹھے تمام لوگ حیرت زدہ ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔ ایک طالب علم نے کہا۔

"سچ یہ ہے کہ آپ کو اس سفر میں جس نے بھی راہنما بنایا ہے بالکل درست بنایا ہے۔"

ایک پروفیسر نے کہا:

جناب!

"ہم آپ کے مشکور ہیں۔ آپ نے تفصیلاً ہماری راہنمائی فرما دی ہے۔ اب ہمارے لیے متعلقہ جگہ پر پہنچنا ذرا بھی مشکل نہ ہو گا۔"

درمیان والے شخص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

"مہمانانِ گرامی!

"ویسے پچھلی رات کو کافی دیر تک آپ کا انتظار رہا اور آج آپ تھوڑی ہی دور جائیں گے تو آپ کو دو اشخاص ملیں گے جنہیں لڑکی نے آپ کو "خوش آمدید" کہنے کی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔ اور وہ صبح سے آپ کے منتظر ہیں۔"

یہ سن کر وہ لوگ اور بھی انگشت بدنداں ہو گئے کہ "لڑکی کو کیسے علم ہوا کہ اس کے مہمان آ رہے ہیں۔"

اس نے ان کی حیرانی میں مداخلت کرتے ہوئے کہا:

گرامی قدر!

"لڑکی اپنے مہمانوں کے بارے میں زیادہ باخبر رہنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ انہیں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔"

چند لمحوں بعد وہ تینوں اشخاص انہیں محبت سے سلام کرتے ہوئے

اپنی راہ پر چل دیے۔

گاڑی میں سوار تمام لوگ کچھ دیر خاموش رہے۔

ایک پروفیسر نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا:

"عجیب سی دنیا کے یہ لوگ ہیں۔"

دوسرے نے کہا:

"لڑکی کو ملنے سے پہلے زیادہ دلچسپ یہ ہو گا کہ ہم اس بستی والوں کے اطوار و انداز سے آگاہی حاصل کر لیں۔"

چنانچہ وہ گاڑی کو دوسری راہ پر آہستہ آہستہ لیے اس جانب چل دیے جہاں گاؤں والے کام میں مصروف تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ بستی سے ذرا دور ایک جانب مٹی کے کچھ پتھریلے سے ٹیلے تھے جنہوں نے بہت سی زمین کو گھیر رکھا تھا اور ٹیوب ویلوں کا پانی ان کے پار تک نہ جاتا تھا جس کی وجہ سے ان کے آس پاس کی زمین دیگر کھیتوں کی طرح ابھی تک آباد نہ ہونے پائی تھی۔

مہمانوں نے ان کے پاس جا کر گاڑی روک لی اور بہت دیر تک محنت کرتے ہوئے انسانوں کی ان ٹیلوں کے خلاف لڑائی کا منظر دیکھتے رہے۔

انہیں چاروں طرف سے محنت کے ترانوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ عورتیں' بوڑھے اور جوان سبھی وہاں پہ اپنی اپنی ہمت کے مطابق کام میں مصروف تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنے دنوں سے وہاں ہمت آزما تھے مگر ٹوٹتے اور لڑھکتے ہوئے پتھر گواہی دے رہے تھے کہ ان ٹیلوں کا غرور خاک میں ملنے والا تھا اور بستی کے ہمت والے لوگ قدم بہ قدم اور لمحہ بہ لمحہ اپنی منزل کی جانب بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

ایک طالب علم نے کہا:

سر!

"ذرا دائیں طرف دیکھیں' آدھے چہرے پہ پردہ لیے وہ خاتون کس بے جگری سے کدال چلا رہی ہے اور اس کی چوٹوں سے پتھروں سے چنگاریاں اڑ اڑ جاتی ہیں۔"

دوسرے طالب علم نے کہا:

"بستی والوں نے تو اسے میدان جنگ بنا رکھا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار' نعرہ تکبیر' اور اللہ اکبر' کی اتنی زیادہ للکاریں سنی ہیں۔"

کچھ دیر کے بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

میرے عزیزو!

"مجھے لڑکی نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو مہمان خانے تک لے چلوں"

ایک طالب علم نے کہا:

"لڑکی کہاں ہے؟ ہم خود ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

اس نے کہا!

"آپ کے دائیں طرف وہ خاتون جس نے آدھا چہرہ ڈھانپ رکھا ہے وہی خاتون ہے کہ جس سے آپ ملنا چاہتے ہیں۔"

گاڑی میں سوار سبھی مہمان آپس میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگ گئے۔

ایک پروفیسر نے پیغام لانے والے سے کہا:

"جناب! آپ لڑکی سے ہماری طرف سے درخواست کریں کہ ہم اس کے ساتھ ہی بستی میں جانا چاہتے ہیں۔"

محنت کرنے والوں کے لیے کھانے کا وہیں انتظام ہوتا تھا اور نماز
کے وقت وہیں نماز ادا کی جاتی تھی اور وہاں پہ موجود عورتیں مرد سبھی اس
میں شامل ہوتے تھے۔ مہمانوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھا۔
اور خود بھی وہیں کھانا کھایا مگر لڑکی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ عصر سے پہلے
سب لوگ اپنے اپنے کدالوں اور اوزاروں کے ساتھ واپس لوٹ رہے
تھے۔

یونیورسٹی کی ٹیم نے دیکھا کہ:
"وہ لڑکی بڑے وقار سے چل رہی ہے اور لوگ پروانوں کی طرح اسے
اپنے مرکز میں لیے بستی کی جانب بڑھے جا رہے ہیں۔ لوگوں کے چہرے
پسینے اور گرد سے اٹے پڑے ہیں۔ کوئی بھی شناسا ان کی یہ صورت دیکھ کر
انہیں نہ پہچان سکتا۔ مگر وہ لوگ بڑے ہی اطمنان سے ہنستے مسکراتے ہوئے
جا رہے تھے۔"
لڑکی کا لباس اور پیشانی گواہی دے رہے تھے کہ:
"اس کی محنت دوچند ہے اس لیے کہ اس کی آنکھیں' ابرو اور بھنویں بہت
زیادہ مٹی اور پسینے کی تہوں سے بھاری ہو چکی تھیں اور اگر اس کے آدھے
چہرے پر پردہ نہ بھی ہوتا تو دنیا میں کوئی بھی اسے نہ پہچان سکتا کہ کونسا چہرہ
ہے۔"

لڑکی بڑی متانت سے چلی جا رہی تھی اور آنے والے مہمان اپنی
گاڑی کو وہیں چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے انہی کے ساتھ چل دیے۔ البتہ
ایک طالب علم گاڑی کو لے کر بتلائی ہوئی جگہ پر چلا گیا۔ بستی کا راستہ واقعی
بہت خوبصورت تھا۔ راستے میں دونوں جانب بے حساب پھول کھلے تھے

اور تتلیاں بغیر خوف کے ان پر رقصاں تھیں۔
مہمانوں کی راہنمائی کرنے والے نے ان سے کہا:
دوستو!
جہاں سے آپ گزر رہے ہو یہ جگہ سال ڈیڑھ سال پہلے تک
نوکیلے خاروں سے اٹی پڑی تھی۔ یہاں کھائیاں اور ٹیلے تھے۔ بہت سی
جگہوں پر پتھر زمین کے اندر تک دھنسے ہوئے تھے اوز صرف یہ ہی جگہ ایسی
نہ تھی بلکہ بستی کا مشرق کی جانب اور جنوب مغرب کی جانب کا سارے کا
سارا علاقہ یوں ہی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر تو درندے بھی گزرتے
سے گھبراتے تھے۔ ڈاکو اس علاقے کی ویرانی سے اتنے خوف زدہ تھے کہ وہ
دور کا چکر کاٹ لیتے مگر اس بے آب و گیاہ ویرانے سے نہیں گزرتے
تھے۔"
ایک طالب علم نے کہا:
"یہ ناممکن ہے" اتنے تھوڑے عرصے میں یہ کدالیں اتنا بڑا معجزہ نہیں دکھا
سکتیں۔"
معلومات فراہم کرنے والے نے جواب دیا:
میرے بیٹے!
"کدالیں معجزے نہیں دکھاتیں۔ انسان خود اس کائنات کا سب سے بڑا
معجزہ ہے۔ وہ خاتون جو درمیان میں جا رہی ہے' سمجھ لو یہ ساری کی ساری
اسی کی راہنمائی اور برکت ہے جس کا تحفہ اللہ نے اسے عطا کر رکھا ہے۔"
اس نے اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہا:
"اگر کوئی سمجھے اور عمل کرے تو درست جانب راہنمائی اور عزم" بہت

بڑی کرامات ہیں۔ ہو سکتا ہے ہماری ہی طرح آپ بھی اس حقیقت سے بے خبر ہوں مگر لڑکی نے ہی ہمیں اس حقیقت سے آشنا کیا تھا کہ "قرآن کے مطابق جب کوئی اللہ کے حکم پر چل نکلتا ہے تو اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے اور یوں مشکلات معجزوں کی طرح آسانیوں میں بدل جاتی ہیں۔ اور یہ ہماری عقلوں سے باہر ہے کہ اللہ کی مدد کس کس انداز سے اس شخص کو فراہم ہوتی ہے جو اسی کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی ٹھان لیتا ہے۔ اور آپ مانیں یا نہ مانیں ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک ڈیڑھ سال کے عرصے میں ہم سب بستی کے لوگوں نے جو متحد ہو کر محنت کی تو پھر ہر دن اب اتنا رزق پیدا ہوتا ہے کہ ہم سے سنبھالا نہیں جاتا۔"

ایک پروفیسر نے کہا:

"کیا یہ لڑکی شروع سے ہی آپ کے ساتھ مٹی میں مٹی ہوتی آ رہی ہے؟"

اس نے کہا:

میرے معزز دوست!

"سب سے پہلے یہ ہمارے ہی ہاتھوں سے پتھروں اور لہو میں نہائی تھی لیکن پھر اس نے ہمیں معاف کر دیا اور سب سے پہلے اس کی ہی کدال اس سنگلاخ زمین کے سینے پر پڑی تھی۔ سب سے پہلے اسی نے اس ویرانے میں "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا تھا۔ پھر اس وقت سے لے کر آج تک اس زمین کی چٹانیں، پتھر، خار اور ٹیلے ہمارا راستہ نہ روک سکے۔ آج آپ جس جانب بھی نکل جائیں آپ کو اللہ کی رحمتیں برستی ہوئی محسوس ہوں گی۔"

ایک دوسرے پروفیسر نے پوچھا:

"آپ کے علاقے کا سب سے بااختیار شخص کون ہے؟"

اس نے کہا:

میرے عزیز!

"ہم میں سے کوئی بھی اس لڑکی کا حکم نہیں ٹال سکتا۔"

پروفیسر نے کہا:

"کیوں"

اس نے کہا:

اس لیے کہ یہ ہم میں سب سے زیادہ باعلم، صاحب کردار، بہادر اور پاکباز ہے۔ اگرچہ اس نے خود کبھی نہیں کہا تھا کہ اسے راہنما مانا جائے مگر ہم میں اس سے زیادہ راہنمائی دینے والا کوئی نہیں تھا اس لیے ساری بستی نے مل کر گزارش کی کہ بستی کے لوگوں کی راہنمائی فرمائی جائے۔"

دوسرے پروفیسر نے پوچھا:

"تو اس نے کس طرح آپ کی راہنمائی کی۔"

گائیڈ نے جواب دیا:

"اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔"

وہ کہتی ہے:

"ویسے کرتے جاؤ جیسا کہ آخری نبی نے کیا ہے یا کہا ہے اور قرآن کو اپنی زبان میں بھی پڑھو اور خود سمجھو کیوں کہ یہ سب سے آسان کتاب ہے۔"

گائیڈ نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ:۔

"زندگی گزارنے کے لیے وہ سب سے زیادہ مثالیں آخری نبیؐ ہی کی دیتی ہے۔"

ایک طالب علم نے سوال کیا:

اے گائیڈ!

"یہ بتاؤ کہ تمہاری بستی میں کس کس فرقے کے زیادہ تر لوگ موجود ہیں؟"

گائیڈ نے جواب دیا:

"لڑکی کے آنے سے پہلے ہماری بستی دو بڑے فرقوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ دونوں فرقے سنیوں اور شیعوں کے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے۔ ہماری بستی کے مغربی حصے کی جانب بڑے شخص کی حویلی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کی زمینیں اور بیگار کیمپ تھے۔ وہ بڑا شخص دونوں فرقوں کی دشمنی کی بناء پر بہت خوش ہوتا تھا اور کئی بار دونوں کے کرتا دھرتا آدمیوں کو وافر رقم دیتا رہتا تھا تاکہ مقدمہ بازی چلتی رہے اور وہ آپس میں متحد نہ ہو سکیں۔"

گائیڈ نے اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا:

"مگر لڑکی نے بستی کے تمام لوگوں کو جمع کر کے بہت اہم سوالات کیے۔"

اس نے کہا:

"بتاؤ! آخری نبی کا کونسا فرقہ تھا؟"

سب نے جواب میں کہا تھا۔ "کوئی نہیں"

لڑکی نے پھر پوچھا:

بتاؤ! آخری نبی جیسی دنیا میں کوئی اور ہستی محترم اور مقدس ہو سکتی ہے؟"

سب نے کہا تھا! "کوئی نہیں"

پھر اس نے پوچھا تھا:

"بتاؤ! آخری نبی نے تمام عمر جو کر کے دکھایا یا کیا اس میں کوئی نقص یا کوئی

سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے؟"

جواب میں سب نے کہا تھا! "کوئی نہیں"

تب اس نے کہا تھا کہ:

"پھر جو آخری نبی نے کیا ویسے کرتے جاؤ۔ اسی کو راہنما مانو اور قرآن کو آخری اور مکمل کتاب مانو اور جانو۔"

گائیڈ نے کہا:

اس طرح اور اسی لیے اب ہماری بستی میں کوئی فرقہ نہیں۔ دونوں فرقوں کے لوگ اپنے اپنے فرقے سے تائب ہو چکے ہیں اور اب وہ ایک جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان سب نے اپنے اپنے فرقے کی ہر رسم اور رواج کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اب وہ بے فرقہ ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو صرف اور صرف مسلمان کہتے ہیں۔"

ایک اور پروفیسر کچھ کہنے والا تھا کہ گائیڈ نے کہا:

میرے عزیزو!

"یہ مہمان خانہ ہے۔ آپ کے آرام کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ آپ اطمینان سے آرام فرمائیں۔ عصر کے بعد یہ ساتھ والی جگہ پر محفل علم ہوتی ہے۔ آپ چاہیں تو اس میں شرکت کر سکتے ہیں۔"

اس کے بعد گائیڈ چلا گیا جس طرح کہ باقی بستی والے اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اپنے آرام کے دوران یونیورسٹی کی اس ٹیم کی خاموشی غیر معمولی طور پر معنی خیز تھی۔

کچھ دیر کے بعد خاموشی کو توڑتے ہوئے فزکس کے پروفیسر نے کہا:

یارو!

"مانو یا نہ مانو' اس لڑکی سے گفتگو کیے بغیر ہم شکست کھا چکے ہیں۔"

ایک طالب علم نے اظہار کیا کہ:

سر!

"آپ سے ہی ہمیں زیادہ توقعات تھیں اور آپ ہی دل ہار رہے ہیں۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ ہم جیسے ترقی پسند ذہنوں والوں کے سوالات کا وہ جواب نہ دے سکے گی۔"

فلسفے کے پروفیسر نے ذرا سخت لہجے میں اس پروفیسر سے کہا:

"اگر آپ نے اپنی بے علمی اور بزدلی کا اظہار اسی وقت کرنا تھا تو زیادہ بہتر ہوتا کہ آپ وہیں رہ جاتے اور ہمارے ساتھ اتنا طویل سفر طے کرنے کی زحمت نہ کرتے۔"

دوسرے طالب علم نے کہا:

سر!

"آپ کو یاد ہو گا کہ بڑے بڑے فرقوں کے فلاں فلاں علماء جب بڑی بڑی کتابیں لے کر ہمارے سامنے آئے تھے تو ہم نے چند سوالوں اور چند دلائل سے ہی ان کی چھٹی کروا دی تھی اور اس کے بعد لاجواب ہو کر وہ ہم پر فتوے لگاتے رہ گئے یا ان کے پیروکار ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے رہے۔"

آپ خود سوچئے کہ:

"اگر وہ سب نہیں ٹھہر سکے تو یہ بے چاری ہمارے سامنے کتنی دیر تک اپنے دلائل قائم رکھ سکے گی۔"

دیگر طلباء اور پروفیسر آپس ہی میں باتیں کرتے رہے اور انہوں

نے اپنے مطالعہ' مشاہدہ اور دانش کے زور پر لڑکی کے بارے میں بغیر اس سے ملے آپس میں رائے قائم کرنے کی کوشش کی کہ جس کے مطابق "وہ ایک بے علم لڑکی تھی۔"

حقیقت یہ ہے کہ:

"جب انسان پر اس کی کسی بھی صفت کی وجہ سے غرور طاری ہوتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو کر دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا اور وہیں سے اس کی شکست کی ابتدا ہوتی ہے۔

بہر حال' فزکس کے پروفیسر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

دوستو!

"اس دنگل میں میں آپ کا ساتھ تو ضرور دوں گا لیکن سائنس کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں حقائق کو تجرباتی اور عملی شکل میں دیکھنے کا عادی ہوں۔ اسی لیے میں ابھی تک اپنی رائے پہ قائم ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ لڑکی ان تمام مذہبی راہنماؤں سے بہت ہی مختلف ہے جن سے ابھی تک ہم مل چکے ہیں۔"

اس نے اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہا:

سچ جانو!

"تو جن جن سے آج تک میں مل چکا ہوں ان سب میں صرف یہ لڑکی ہی اسلام کی سچی مبلغ' پیروکار اور مومنہ نظر آئی ہے' چنانچہ اس سے گفتگو کیے بغیر ہی میرا یقین ہو گیا ہے کہ جو کوئی اسلام کا سچا پیروکار بن جائے گا تو اس کے سامنے دیگر تمام فلسفے' نظریے دم توڑ جائیں گے۔ میرا یہ تجزیہ آپکو ناگوار تو گزرے گا لیکن آج دیکھ لینا کہ آپ لوگوں کا بہت ہی مختلف

شخصیت سے واسطہ پڑے گا۔"

اس نے اپنی بات کو مزید واضح کرتے ہوئے کہا کہ:

"شروع میں ہی جب راستے میں درمیان والے آدمی نے ہمارے سوالوں کا انتظار کیے بغیر ہمیں وہ آگاہی عطا کر دی کہ جس کے بارے میں واقعی ہم متجسس تھے تو میں سمجھ گیا تھا کہ آج ہمارے علم و دانش کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ حالانکہ آپ غور کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ ابھی صرف لڑکی سے راہنمائی حاصل کر رہے ہیں اور دوسری جانب آپ سب اپنی طرف سے اپنی اپنی پسند کا علم حاصل کر چکے ہو۔ مگر وہ تمہارے دماغوں میں ابھرنے والے سوالوں کو جانتا تھا۔ اگرچہ وہ آسان ترین سوالات تھے مگر پھر بھی اس کی راہنمائی کا جو انداز تھا وہ انتہائی حسین و لاجواب تھا"

اور یہ بھی دیکھو کہ:

"ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی اس خاتون نے ہمارے لیے کتنا آرام دہ بندوبست کروا رکھا ہے۔"

ساتھ والے پروفیسر نے پھبتی کسی کہ:

"سائنس پڑھنے والے لوگوں کی عقل اسی طرح چکر کھا کھا کر چکرائی رہتی ہے۔"

اس نے پھر اسے زچ کیا کہ:

"نیوٹن صاحب آپ لڑکی کے بارے میں اپنا سائنسی تجزیہ سنبھال کر رکھیں ابھی تھوڑی دیر بعد دیکھ لینا کہ وہ سیکولرزم' کیمونزم اور دہریت جیسے دنیا کے عظیم نظریات کو رد نہ کر سکے گی۔"

فزکس کا پروفیسر ان سب کی ذہانت سن کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا مگر اس

نے خاموش ہونے سے پہلے انہیں کہا کہ:

"اسی بستی کی فضاؤں میں جلال و جمال سے لبریز اذان کی آواز سنو" کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے ایک پروفیسر نے باقی ساتھیوں کو بھی اس کھڑکی کے پاس آنے کا اشارہ کیا۔

ایک طالب علم نے حیرت زدہ ہو کر کہا:

سر!

"یہ عجیب منظر ہے۔ شاید یہ وہی لوگ ہیں جن کے چہرے اور جسم کچھ ہی دیر پہلے تک پسینے اور گرد سے اٹے پڑے تھے۔ مگر دیکھیں کہ مردوں نے کتنے پروقار سفید لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ یہ سب تو بڑے ہی متاثر کرنے والے لوگ ہیں۔"

دوسرے طالب علم نے کہا:

سر!

"ذرا دوسری طرف بھی نگاہ دوڑائیں کہ عورتیں بھی پروقار اور حیا و پاکیزہ لباس میں ملبوس اسی جانب بڑھ رہی ہیں۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ جیسے ساری بستی اسی جانب امڈی جا رہی ہے۔"

ایک اور طالب علم نے کہا:

مگر سر!

"یہ سب لوگ جا کس طرف رہے ہیں؟ کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تک تو ان کے جسم محنت و مشقت کی تھکن لیے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ لیکن ابھی زیادہ دیر گزری ہی نہیں کہ یہ لوگ پھر سے تازہ ترین جسموں اور روحوں کے مالک نظر آ رہے ہیں۔"

ایک پروفیسر نے کہا کہ:

"جب ہم یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو کیوں نہ ان لوگوں کے قریب جا کر ان کے اطوار کو جانچا جائے۔"

چنانچہ یہ دانشور حضرات اسی طرف چل دیے جدھر ساری بستی کے لوگ جا رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے وہ سب بستی کے درمیان نئی تعمیر شدہ ایک بڑی مسجد میں داخل ہو گئے جس میں ایک طرف تمام مرد اور دوسری جانب تمام خواتین نے نماز کے لیے قیام کر لیا۔ اگرچہ ان کے درمیان ایک پردہ سا تھا مگر ان سب کو نماز پڑھانے والا شخص مردوں کی جانب سے سب سے آگے بڑھا۔

ایک پروفیسر نے کہا:

"غالباً یہ وہی شخص ہے جس نے پہلے پہل ہمیں اس جانب کا راستہ دکھایا تھا۔"

ایک طالب علم نے کہا:

"میں نے اس سے پہلے اس طرح عورتوں کو منظم طور پر نماز ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔"

دوسرے نے کہا:

"اور نہ ہی اتنے پروقار حلیے میں مردوں کو اس طرح مسجد میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔" ہاں کبھی کبھی عید پر تھوڑا بہت نئے کپڑوں کا مظاہرہ ہو جاتا ہے 'مگر ایسا پروقار و دلکش حلیہ و لباس تب بھی نہیں ہوتا۔"

بہر حال وہ لوگ مسجد سے باہر کھڑے ہو کر سارا منظر دیکھتے رہے۔

ابھی وہ آپس میں محو گفتگو تھے کہ لوگ نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آ رہے

تھے اور لڑکی مسجد کی درمیانی جگہ کی جانب جا رہی تھی۔

پیچھے کھڑے ایک طالب علم نے کہا:

سر!

"کیا یہ وہی گرد آلود لڑکی ہے؟"

فزکس کے پروفیسر نے جواب دیا:

"ہاں' یہ وہی ہے جواب کسی ملائکہ کی طرح جلال و جمال سے معمور دکھائی دے رہی ہے۔"

ایک اور طالب علم نے کہا:

سر!

"حیرانی ہے کہ ان کی نماز بہت مختصر ہے "ہمارے شہر کی مساجد میں تو لوگ اتنے میں صرف اپنی شلواریں ہی سیدھی کر رہے ہوتے ہیں۔"

پہلے والے طالب علم نے کہا:

"متاثر کرنے والی حسین ترین بات یہ ہے کہ نماز کے اختتام پر لڑکی نے اعلان کیا تھا کہ پچھلی نماز میں جنہوں نے اپنی ضروریات' مسائل' تکالیف اور محرومیاں بتلائی تھیں اگر وہ اس نماز تک گاؤں والوں سے پوری نہیں ہو سکیں تو وہ بتلائیں تاکہ اگلی نماز تک انہیں سب نمازی اور گاؤں والے مل کر حل کریں۔"

اس نے مزید کہا کہ ایک پاسبان نے بتایا تھا کہ:

"ہر نماز سے اگلی نماز تک جن لوگوں نے اپنی ضروریات اور مسائل بتلائے ہوتے ہیں انہیں تمام نمازی اور گاؤں والے مل کر حل کرتے ہیں۔"

اس نے بتایا کہ:

"لڑکی کہتی ہے کہ یہ ہی اجتماعی نماز کی روح ہے"

پاسبان جو نماز کے دوران حفاظت پہ مامور تھے وہ نئے سرے سے اس نماز کے لیے سجدہ ریز ہوئے اور جو لوگ اپنی باری کے مطابق یا ویسے ہی اپنے شوق سے اس وقت کی محفل علم میں شرکت کرتے تھے وہ مسجد میں لڑکی کے سامنے بیٹھ گئے۔ ایک بندوق بردار پاسبان یونیورسٹی والوں کی جانب آیا اور اس نے بڑے احترام سے انہیں لڑکی کا پیغام دیا کہ آپ اگر مناسب سمجھیں تو مسجد میں ہی تشریف لے آئیں۔ بادل نخواستہ وہ بھی لڑکی کے پاس جا بیٹھے۔

لڑکی نے بڑی محبت اور احترام سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا:

میرے محترم بھائیو!

"ہمیں خوشی ہے کہ آپ جیسے تعلیم یافتہ لوگ ہماری بستی میں تشریف لائے ہیں"

ایک پروفیسر آدھی انگلش اور آدھی اردو میں لڑکی سے یوں مخاطب ہوا:

"ہمیں اشتیاق تھا کہ آپ سے ملا جائے۔ لیکن کوئی رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم آپ سے باقاعدہ ملاقات کا وقت نہ لے سکے۔ اصل میں ہمارا تعلق فلاں یونیورسٹی سے ہے۔ ہم پانچ پروفیسر ہیں اور وہ ہمارے سٹوڈینٹس ہیں۔ ہم نے اخبار میں آپ کے بارے میں آرٹیکل پڑھا تھا اور ہمارا بھی جی چاہا کہ بہت سے سوالات جن کے جوابات کا تا حال ہم کھوج نہیں لگا سکے تھے انہیں آپ تک بھی پہنچایا جائے سو ہم چلے آئے ہیں۔"

لڑکی نے کہا:

دانشوران محترم!

"کسی قوم میں آپ جیسے لوگ بہت مبارک ہوتے ہیں کیوں کہ ان کی تحقیق اور علم کے لیے جستجو کسی بھی طرح کی جہالت سے قوم کو مکمل اندھا ہونے سے محفوظ رکھنے کی سعی میں مصروف رہتی ہے۔"

ایک طالب علم نے ذرا بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

"مگر ہمارے نظریات اور سوالات کسی مسلمان کو پسند نہیں آتے۔"

اس لیے براہ کرم!

"آپ بھی ہم سے ہر بات کے بعد "سبحان اللہ" کی توقع نہ رکھیں اور اگر سچ پوچھیں تو ہماری سوچ ہے ہی اسلام کے خلاف۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری باتیں سننے کے بعد آپ کو سخت مایوسی ہو۔ یہ تو آپ کی خاطر ہم مسجد میں چلے آئے ورنہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے ارادتاً کبھی مسجد میں داخل ہونے کی کوشش کی ہو۔ دوسرا یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کہاں تک اور کیا پڑھی ہوئی ہیں۔ تاکہ ہم اس کے مطابق آپ سے بات کر سکیں۔"

فلسفے کے پروفیسر نے طالب علم کی گفتگو کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

"مختصر بات یہی ہے جو کہ اس سٹوڈنٹ نے آپ سے کی ہے۔ اصل میں جو کچھ ہم نے تھوڑی دیر کے بعد کہنا تھا وہ اس نے جلد کہہ دیا۔ تاہم، میرے خیال میں یہی بہتر ہے تاکہ آپ کا زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔"

لڑکی اس دوران ان کی گفتگو کو بڑے اطمینان سے سنتی رہی اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے کہا:

اے معزز انسانو!

"علم حاصل کرنے اور سچائی کی تلاش کرنے کے لیے کسی بھی فرد کا مسلمان

ہونا ضروری نہیں۔ جستجوئے دانش و ہنر سب کے لیے ہے۔ آپ میری نظر میں اس لیے بھی محترم ہیں کہ آپ نے غور و فکر کا راستہ اپنا رکھا ہے اور یہی وہ راستہ ہے جسے اپنانے کے لیے قرآن نے بنی نوع انسان کو ہدایت کر رکھی ہے۔ البتہ علم کے لحاظ سے میں اہل علم و دانش میں سے نہیں ہوں کہ کسی کو برتر آگاہی عطا کر سکوں۔ میں تو صرف آخری نبیؐ کے طریقہ کار کے مطابق سجدہ ریز ہوں کہ اے اللہ مجھے بھی علم عطا فرما۔ چنانچہ آپ سے میری استدعا ہے کہ اگر دوران گفتگو میری بے علمی حد سے بڑھ جائے تو میرے لیے اپنے مہربان دلوں کو نفرتوں سے لبریز نہ ہونے دینا کہ میں تو صرف علم کی راہی ہوں۔"

لڑکی یہ ساری گفتگو بڑی ہی رواں، شستہ اور بہترین الفاظ سے مزین انگریزی میں کرتی جا رہی تھی۔

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

اے مسافران جستجو!

"کیا آپ کا تعلق کسی مذہب سے بھی ہے؟"

ایک طالب علم نے کہا:

"ہم پیدا تو مسلمانوں کے گھروں میں ہوئے ہیں مگر معاشرتی خوف سے ہم مسلمانی سے انکار نہیں کرتے۔"

اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسروں نے بھی اس کی حمایت کی۔

لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد کہنا شروع کیا کہ:

"میرے یقین کی بناء یوں ہے کہ انکار کا یہ خوف فریب میں مبتلا کیے رکھتا ہے اور آپ غور فرمائیں کہ جو دماغ اور دل خوف اور فریب سے بھرے

رہتے ہیں ان میں سچائی کیسے اتر سکتی ہے۔ سچائی سے دل کا دامن بھرنے کے لیے اس کا پاکیزہ اور آلائشوں سے پاک ہونا بہت ضروری ہے۔ دیکھیے نہ کہ ' بند غاروں میں بیٹھ کر سورج کی روشنی تو نہیں ملے گی اور نہ ہی سورج اتر کر اپنی روشنی تقسیم کرنے کے لیے غاروں میں جا بسے گا۔ وہ تو آنکھوں کو اس قابل کرنا ہو گا کہ وہ سورج کی روشنی سہہ سکیں اور جسموں کو اس قابل کرنا ہو گا کہ غاروں سے باہر جا سکیں۔ آپ یوں سمجھیں کہ خوف اور فریب اندھیری غاریں ہی تو ہیں۔"

اور اے معزز انسانو!

"اگر واقعی علم و عرفان چاہتے ہو تو جبرائیل کی طرح مکمل فرماں برداری میں رہنا ہو گا ورنہ یہ انکار تو عزازیل کی طرح کا ہو گا۔ اگر یوں بھی نہیں تو بلالؓ کی طرح اقرار کرنا ہو گا ورنہ یہ انکار تو ابوجہل کی طرح کا ہو گا۔ اور اگر ایسا بھی نہیں کر سکتے تو پھر! اقبال کی طرح سراپا اقرار کرنا ہو گا ورنہ یہ انکار تو برٹرانڈ رسل کی طرح کا ہو گا۔"

سنو!

"جو لوگ سچائی سے پیار کرتے ہیں ان کی راہ میں خوف نام کی کوئی حالت نہیں ہوتی۔ آپ یقیناً یونانی دانش کے خریدار رہے ہوں گے۔ اس لیے آپ نے تو سقراط کو دیکھا ہے کہ کس طرح سچائی کے لیے زہر کا پیالہ پیا جاتا ہے۔ حالانکہ میں آپکو حسینؓ کی مثال سے آگاہ کرنا چاہتی تھی لیکن یہ سوچ کر کہ لاخوف کے اس عظیم مقام کو جاننے سے پہلے کم از کم سقراط سے تو آغاز کیا جائے۔" یہ کہتے کہتے لڑکی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔

ایک طالب علم نے کہا:

"آپ کی بعض مثالوں سے میں مزید الجھ گیا ہوں۔ مہربانی سے آپ ان کی وضاحت فرمائیں جیسے یہ کہ "جبرائیل" والی مثال کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے۔"

لڑکی بڑے تحمل اور ملائمت سے یوں گویا ہوئی:

عزیز و محترم!

اقبال نے یہ الفاظ بڑے ہی حسین انداز میں پیش کیے ہیں کہ:

ع "عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفےٰ"

آپ جانتے ہیں نہ کہ بائبل میں بھی بیان ہے اور قرآن نے تو اس کی مکمل آگاہی دے رکھی ہے کہ عزازیل جو بعد میں ابلیس کہلایا، اس نے اللہ کا حکم یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ آدم سے افضل ہے، حالانکہ اس کی تمام عمر سجدے کرتے رہنے میں گزری تھی۔ اس لیے اسے تو جاننا چاہیے تھا کہ حکم دینے والی ذات کا مرتبہ و مقام کیا ہے مگر وہ اپنی ذات کے فریب کی وجہ سے اسی کا اقرار نہ کر سکا جس کو تمام عمر سجدے کرتا رہا۔ لیکن جبرائیل کو کائنات میں اگر کسی بھی چیز پر وحی لے جانے کا حکم ملا یہاں تک کہ شہد کی مکھی پر بھی تو اس نے کبھی نہ کہا کہ وہ فلاں چیز سے افضل ہے اس لیے وحی نہیں لے جائے گا۔ جبرائیل کا اقرار گواہی ہے کہ وہ اس سچائی اور حقیقت کو پہچان چکا ہے اسی لیے وہ اپنی برتر و اعلیٰ پہچان کی سرخوشی میں مست خرام ہے۔ اس کا اقرار، اس پر بھی گواہی ہے کہ اس کی ذات کے اندر اور باہر کوئی فریب نہیں۔

اے محترم انسانو!

"آپ نے جو تعصب اپنے نظریات و عقائد کی بناء پر قائم کر رکھا ہے۔

"اور اس پر مستزاد یہ کہ خوف میں بھی مبتلا ہو تو یہ آپ کو بحرِ علم کے ساحل تک بھی نہیں جانے دے گا چہ جائیکہ آپ اس کی لہروں اور طلاطم میں شناوری کی سعی کریں۔"

(وہ سب منہمک سنتے جا رہے تھے، مگر لڑکی خود ہی خاموش ہو گئی)۔

فزکس کے پروفیسر نے کہا:

اے دانشمند خاتون!

"ہم تو اللہ کو مانتے ہی نہیں اس لیے اس حوالے سے دی گئی کسی بھی مثال کو ہم کیوں کر مان سکتے ہیں۔ ٹیم کے دوسرے افراد نے بھی اس کا ساتھ دیا۔"

لڑکی نے یہ سن کر بڑے اطمینان سے پوچھا۔

دانشوران محترم!

"آپ لوگوں نے اس انکار تک پہنچنے سے پہلے قرآن کو کتنی مرتبہ پڑھا یا کسی بھی مذہب کا مکمل مطالعہ کتنی بار کر رکھا ہے؟"

وہ سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے۔ جب کچھ دیر خاموشی رہی تو فلسفے کے پروفیسر نے جواب دیا:

"میرے خیال میں اللہ کے انکار تک پہنچنے کے لیے مذاہب کا مطالعہ ضروری نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی قرآن یا کسی اور مذہبی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مطالعہ ہمارا بہت سا وقت ضائع کر دے گا حالانکہ اس دوران ہم دیگر علوم کے بارے میں بہتر آگاہی حاصل کر سکتے ہیں۔"

لڑکی اسی طرح اطمینان اور تحمل سے سنتی رہی۔

جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو وہ ان سے مخاطب ہوئی کہ:

محترم بھائیو!

"روحِ علم کے لیے یہ کس قدر ستم فرسا ہے کہ جس کا انکار کیا جائے اسے جانا جائے اور نہ ہی جاننے و پہچاننے کی کوشش کی جائے۔"

حالانکہ اللہ کسی کے تسلیم کرنے یا انکار کر دینے سے ماورا اور بے نیاز ہے۔

آپ خود ہی غور فرمائیں کہ:

"ایک جانب کے علوم کے مطالعہ کی بنیاد پر دوسری طرف کے حقائق اور سچائیوں کا انکار کس حد تک عدل پر مبنی ہے جبکہ دوسری جانب کا مطالعہ اس خوف یا تعصب کی وجہ سے نہ کیا جائے کہ وہ "اقرار" کی طرف لے جاتا ہے۔"

اے مسافرانِ علم!

"اس طرح سے کیا گیا کوئی بھی "انکار" یا "اقرار" کس طرح معتبر اور محترم ہو سکتا ہے۔"

یونیورسٹی والے پھر ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

مگر ایک پروفیسر نے کہا:

اے معزز خاتون!

"ہم آپ کے تجزیے سے واقعی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارا اللہ اور اس کے ادیان کے بارے میں انکار سچائی پر مبنی نہیں اس لیے وہ معتبر بھی نہیں۔ لیکن آپ محمد ﷺ کو آخری نبی کیوں کر تسلیم کرتی ہیں۔"

لڑکی بڑے احترام سے ان سے مخاطب ہوئی:

معزز انسانو!

"یہ سوال اگر مائیکل ہارٹ سے پوچھا جائے تو انتہائی تشفی بخش جواب دے گا کیونکہ اس نے غیر مسلم سکالرز کی ایک بڑی ٹیم کے ساتھ طویل تحقیق کرتے ہوئے جو کتاب لکھی اور ترتیب دی یعنی "سو عظیم آدمی" اس میں پہلا نمبر صرف محمد ﷺ کو دیا گیا۔ اس سے بے حساب لوگوں نے کہا تھا کہ یہ ترتیب بدل دو۔

مگر اس نے جواب دیا تھا کہ:

"آپ ان سے برتر کوئی شخصیت ثابت کر دیں تو وہ یہ ترتیب بدل دے گا۔"

آپ غور فرمائیں:

"اک عمر سے بڑے بڑے دانشور، محقق اور سکالرز اس انتظار میں ہیں کہ کوئی برتر شخصیت ثابت ہو تو وہ اس ترتیب میں ترمیم لا سکیں۔"

میرے عزیز بھائیو!

"آپ چاہو تو ان کی یہ مشکل حل کر سکتے ہو اور کسی کو بھی برتر ثابت کر کے ان کے سامنے لے جاؤ وہ ضرور آپکا استقبال کریں گے۔"

یا، آپکا سوال اگر برطانیہ میں "لنکن ان" کی درسگاہ والوں سے پوچھا جائے تو وہ بھی مجھ سے بہتر جواب دے سکیں گے۔ یعنی، انہوں نے بغیر کسی خوف کے درسگاہ کے آغاز پر:

"نسل آدم کو جن لوگوں نے بہترین قوانین سے آشنا کیا" ان کی فہرست چسپاں کر رکھی ہے اور اس میں پہلا نمبر محمدؐ کو دیا گیا ہے کہ وہ سب سے بلند

ترا اور عظیم قوانین دینے والے ہیں۔ انہیں بھی لاتعداد غیر مسلموں نے کہا تھا کہ ترتیب بدل ڈالو مگر جواب میں انہوں نے یہی کہا تھا کہ ثابت کر دیں کہ محمد ﷺ سے کوئی اور برتر ہے تو وہ ترتیب بدل دیں گے۔"

معزز انسانو!

"آپ چاہو تو کسی بھی شخصیت کو ان سے بلند تر اور برتر ثابت کر کے وہ ترتیب بدل سکتے ہو۔ وہ ادارہ ابھی تک محو انتظار ہے کہ کوئی آئے اور ان کی مشکل حل کرے۔

اور سنو کہ!

"میں اس لیے اس ہستی کو اکمل اور آخری پیغمبرؐ مانتی ہوں کہ میری نگاہ میں کسی بھی شعبے میں کوئی اور شخصیت اتنا بلند ترین مقام حاصل نہیں کر سکی اور نہ کر سکے گی۔ میرے سامنے مشرق و مغرب کے مفکرین، جنگجو، فلسفی، سائنس دان، تجار، حکیم، سیاستدان۔ حکمران، انقلابی، غیر انقلابی، معلم۔ طبیب، منصف، مصنف، اہل ثروت، اہل اختیار، غرض سبھی کے سبھی ہیں لیکن وہ سب اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور طاقتوں کے باوجود اس ہستی کی عظمت کے سامنے شرمندہ ہیں۔ بظاہر یہ بہت آسان چیلنج ہے لیکن اگر آپ کی نگاہ میں ایسی کوئی ہستی موجود ہے جسے بلند تر ثابت کیا جا سکے تو براہ کرم مجھے بھی آگاہ کیجئے۔"

(لڑکی نے یہ کچھ کہہ کر کچھ دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ کوئی بہت گہری سوچ میں جا گری ہو)۔

اس دوران وہ لوگ بہت آہستہ آہستہ آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔

ادب کے پروفیسر نے کہا:

"اس لڑکی نے تو ہمارے دلائل کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اب کہاں سے بات شروع کی جائے۔"

لڑکی نے چند لمحوں بعد آنکھیں کھولیں اور ان سے کہا کہ۔

اے علم و دانش سے معمور لوگو!

"آپ نے جستجو و علم کی پیاس بجھانے کے لیے تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا میں چمکتے ہوئے سراب کو منتخب کر رکھا ہے اور اسی طرف بڑھتے جا رہے ہو۔ کاش آپ نے اپنے قریب ہی سے نکلتے ہوئے شیریں آب حیات کے سرچشمے کو منتخب کیا ہوتا۔"

ایک طالب علم نے کہا:

اے معزز خاتون!

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

لڑکی نے کہا:

"دیکھو! مغرب کا علم مسترد نہیں کیا جا سکتا مگر وہ منزل تک نہیں لے کے جا سکتا وہ راستے کے چراغ کی مانند ہے اور کہیں کہیں تو وہ بالکل سراب کی مانند ہے، لیکن اصل سرچشمہ علم و عرفان صرف قرآن حکیم ہے جو ازلی و ابدی سچائیوں اور اقدار سے آشنائی عطا کرتا ہے۔"

ایک پروفیسر خاموش بیٹھا بڑی دیر سے بغور سن رہا تھا، وہ یوں گویا ہوا:

اے نیک خاتون!

"ہمیں یہ اعتراف کرتے ہوئے بالکل شرمندگی نہیں کہ آپ نے ہمارے بے جان تخیلات کو راہنمائی اور توانائیاں عطا کی ہیں اور آخری نبیؐ

کی برتر اور بلند ترین عظمت ثابت کر کے ہمیں مزید گمراہ ہونے سے محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن کیا آپ ذرا سی اور راہنمائی فرمائیں گی کہ ہم کس طرح یقین کریں کہ اسلام نے مستقل اور قابل عمل اقدار کا نظام عطا کر رکھا ہے۔"

(لڑکی نے بڑے اطمینان سے چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی' اس دوران دوسرے ساتھیوں نے پروفیسر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا کہ آپ نے بڑا زبردست سوال کر دیا ہے)

کچھ دیر کے بعد لڑکی کی زبان سے حوالوں کے ساتھ آیات قرآنی کا مفہوم جاری ہو گیا اور وہ انہیں گنواتی ہی چلی گئی کہ:

میرے معزز و محترم بھائیو!

"مستقل اقدار میں اہم ترین "احترام انسانیت ہے" اور قرآن یوں حکم دیتا ہے کہ:

"ہم نے (اللہ نے) نسل آدم کو ہی محترم کر دیا ہے۔"

(یعنی انسان صرف انسان ہونے کے ناطے ہی سے محترم ہے)۔

(17:70 القرآن)

"معاشرے میں بلند حیثیت کے تعین کا پیمانہ قرآن نے یوں دیا ہے کہ:

"جو کچھ کوئی کرتا ہے اسی کے مطابق اس کے مراتب کا تعین ہوتا ہے۔"

(القرآن 46:19)

تم میں سے اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو بہترین رویوں اور کردار کا مالک ہے۔" (القرآن 49:13)

اور اتحاد انسانیت کے لیے قرآن فرماتا ہے کہ:

"ساری کی ساری انسانیت ایک کیونٹی ہے۔" (القرآن 2:213)

آپ غور فرمائیں کہ ایک اور اہم و مستقل قدر یہ ہے کہ:

"انسانی شخصیت اپنے کیے کی سزا و جزا اپنی ذات کے اندر ہی لیے پھرتی ہے اور اس سے مفر نا ممکن ہے" اور قرآن یوں فرماتا ہے:

"جو کوئی کیسا بھی جرم کرتا ہے حقیقت میں وہ یہ جرم اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے۔" (القرآن 4:111)

اور یہ کہ:

"کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا" (القرآن 53:38)

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن "آزادی" کو خاص اہمیت دیتا ہے اور اسے مستقل اقدار میں شمار کرتا ہے۔ قرآن کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی سے اپنی بندگی (غلامی) کروائے۔

آپ ذرا اس آیت کریمہ پر غور فرمائیں کہ:

"یہ کسی شخص کے لیے زیبا نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور طاقت حکم و اختیار عطا کرے اور یہاں تک کہ اسے نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں کو کہتا پھرے کہ اللہ کی بندگی (غلامی) چھوڑ کر میری بندگی (غلامی) کرو" (القرآن 3:78)

مگر اسلامی معاشرے میں صرف اللہ کے احکام و قوانین ہی کی پابندی و اطاعت کی جا سکتی ہے اور "انتخاب" کرنے کی آزادی یہاں تک ہے کہ:

"دین کو اختیار کرنے کے لیے قطعی طور پر کوئی مجبوری نہیں" (القرآن 2:256)

اور یہ کہ:

"اللہ کی جانب سے سچائی آ گئی ہے جس کی مرضی ہے قبول کرے اور جس

کی مرضی ہے مسترد کردے"(18:29)

اور ایسے ہی' میرے معزز بھائیو!

"قرآن نے عدل' تحمل و برداشت' رزق کمانے اور ریاست کا اپنے باشندوں کو رزق مہیا کرنے کی ذمہ داری' جنس یعنی عورت و مرد' حسن و جمالیات اور اس کے فنون' کائنات کو تسخیر کرنے کی ذمہ داری ان سبھی کو مستقل اقدار میں شمار کیا ہے۔"

اور اس سارے نظام اقدار میں اہم بات یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ افراد ذاتی طور پر اور حاکم نعمت اقتدار اور قوت اختیار کی بناء پر ان تمام اقدار کو معاشرے میں ہمیشہ کے لیے لاگو رکھیں۔

لڑکی نے اپنی بات کو واضح کرتے ہوئے کہا:

محترم انسانو!

جن معاشروں یا اقوام سے آپ متاثر ہیں وہ سب قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ایسی نہیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم قرآن کی بتلائی ہوئی جتنی اور جس حد تک مستقل اقدار اپنا لیتی ہے وہ اتنی ہی فیض یاب ہو جاتی ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ:

"مغرب و مشرق میں جو اقوام تسخیر کائنات کی ذمہ داری پوری کر رہی ہیں یا انہوں نے عدل کو اپنا رکھا ہے یا اپنے دفاع کو مضبوط ترین کر رکھا ہے یا آزادی کا احترام کر رہی ہیں وہ ان اقوام پر حکمرانی کر رہی ہیں جنہوں نے ان اقدار سے منہ موڑ رکھا ہے۔"

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ:

"کسی بھی قوم کے بہترین دانشور جب کسی بھی مستقل قدر کو تلاش کرنے کی تحقیق و جستجو کرتے ہیں تو وہ آخر کار انہی اقدار تک پہنچتے ہیں جن کی آگاہی قرآن کریم نے دے رکھی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کے قوانین آج بھی جہاں جہاں اور جتنے لاگو ہیں وہ اتنا اتنا ہی فیض برسا رہے ہیں۔"

لڑکی نے جب یہ بات مکمل کی تو وہی طالب علم کہہ اٹھا۔

"سبحان اللہ"

فلسفے کے پروفیسر نے کہا:

"سچ یہ ہے کہ ہم نے زندگی بھل بھلیوں میں ہی گزار دی۔ یوں لگتا ہے ہم ایسی راہ پر چلے جا رہے تھے جو اندھیروں کے سمندر میں جا گرتی ہے۔"

اے معزز و پاکباز خاتون!

"آپ واقعی عظمت کی مالک ہیں۔ اصل میں آپ ہی زندگی کو گزار رہی ہیں ورنہ اپنے وطن کے بیشتر لوگوں کو تو زندگی گزار رہی ہے۔"

ایک طالب علم نے کہا:

اے ہماری معزز راہنما!

آپ سے مل کے یوں لگ رہا ہے کہ ہم ایک علم و عرفان سے معمور و آراستہ بستی میں چلے آئے ہیں مگر اپنی یونیورسٹی تو اب بے نور اور اندھیروں کی آماجگاہ لگ رہی ہے۔"

ایک دوسرے پروفیسر نے کہا:

"اپنی طرف سے ہم چراغوں کو بجھانے آئے تھے مگر اب شعور کے لاکھوں روشن دیے لیے ہوئے جا رہے ہیں۔"

لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا:

عزیز مہمانو!

"آپ میں بیٹھا ہوا آخری طالب علم تب سے اب تک خاموش ہے۔"

لڑکی نے اپنے آدھے ڈھکے ہوئے چہرے کو اس کی جانب کرتے ہوئے کہا:

"مجھے لگتا ہے کہ اس کا تعلق پاکستان سے نہیں۔"

وہ چونک کر دیکھنے لگا مگر لڑکی پر ایک گہری نظر ڈال کر اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیا۔

شام کی اذان نے انہیں وقت کا احساس دلایا۔ لیکن اس بار یونیورسٹی سے آئے ہوئے لوگ اسی لاشریک کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے سب سے آگے آگے تھے کہ جس کے سامنے حاضر ہونے کو ساری بستی کے لوگ جا رہے تھے۔

واپس آ کر انہوں نے کہا:

"بچپن کے بعد آج پہلی بار شعوری طور پر ہم اللہ کے سامنے حاضر ہوئے ہیں۔ پروفیسروں کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔"

لڑکی نے کہا:

اے راہبران علم!

"آپ کی اللہ، قرآن اور آخری نبیؐ کی جانب واپسی امت اسلامیہ کے لیے بڑی طاقت کا باعث ہے کیونکہ اندھے عقائد رکھنے والے کروڑوں لوگوں سے دین کو اتنی تقویت حاصل نہیں ہوتی جتنی کہ ایک روشن ایمان رکھنے والے مومن انسان سے حاصل ہوتی ہے اور میری یہ رائے خاص کر آپ کے لیے اس لیے ہے کہ آپ نسلوں کو روشنی علم و عقائد اور عرفان و نظریات تقسیم کرنے والے ہیں۔

"آپ کی جانب سے ایک گمراہی ہزاروں کو گمراہ کرتی ہے اور ایک آگاہی ہزاروں کو آگاہی بخشتی ہے۔"

اگلی صبح جب یونیورسٹی کے لوگ جانے لگے تو ان میں آخری والا طالب علم نہیں تھا۔

لڑکی نے کہا:

"آپ فکر نہ کیجیے۔ اگر وہ آپ کے بعد اس بستی میں ہوا تو یقیناً گم نہیں ہو گا۔"

ایک پروفیسر نے کہا:

معزز خاتون!

"آپ کی پہچان واقعی ناقابل تردید ہے۔ اصل میں وہ ہمارا طالب علم نہیں بلکہ میرے ساتھ کھڑے سٹوڈنٹ کا وہ دوست ہے اور چند روز پہلے ہی اس کی اس سے آشنائی ہوئی تھی۔ البتہ ہمارے ساتھ آتے ہوئے اس نے بتلایا تھا کہ گاؤں کے حالات دیکھ کر یا تو وہ مزید ٹھہر جائے گا یا اپنی مرضی سے خود ہی واپس چلا جائے گا تاکہ اپنے ملک کو واپس جا سکے۔"

لڑکی نے کہا:

"مجھے آپ کا وہ ساتھی کافی سمجھدار لگا۔ اور آپ نے اس کا ارادہ بھی ظاہر کر دیا ہے لہٰذا فکر کی چنداں ضرورت نہیں۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد اگلے روز ایک پاسبان نے لڑکی کو آ کر بتایا کہ:

"گذشتہ آدھی رات کو آخری طالب علم آپ پر حملہ آور ہونے کو آ رہا تھا کہ ہم نے اسے پکڑ لیا۔ وہ ہماری گولی سے بال بال بچا۔ وہ انتہائی پھرتیلا

کی مرضی ہے مسترد کردے" (18:29)

اور ایسے ہی، میرے معزز بھائیو!

"قرآن نے عدل، تحمل و برداشت، رزق کمانے اور ریاست کا اپنے باشندوں کو رزق مہیا کرنے کی ذمہ داری، جنس یعنی عورت و مرد، حسن و جمالیات اور اس کے فنون، کائنات کو تسخیر کرنے کی ذمہ داری ان سبھی کو مستقل اقدار میں شمار کیا ہے۔"

اور اس سارے نظام اقدار میں اہم بات یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ افراد ذاتی طور پر اور حاکم تحت اقتدار اور قوت اختیار کی بناء پر ان تمام اقدار کو معاشرے میں ہمیشہ کے لیے لاگو رکھیں۔

لڑکی نے اپنی بات کو واضح کرتے ہوئے کہا:

محترم انسانو!

جن معاشروں یا اقوام سے آپ متاثر ہیں وہ سب قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ایسی نہیں تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم قرآن کی بتلائی ہوئی جتنی اور جس حد تک مستقل اقدار اپناتی ہے وہ اتنی ہی فیض یاب ہو جاتی ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ:

"مغرب و مشرق میں جو اقوام تسخیر کائنات کی ذمہ داری پوری کر رہی ہیں یا انہوں نے عدل کو اپنا رکھا ہے یا اپنے دفاع کو مضبوط ترین کر رکھا ہے یا آزادی کا احترام کر رہی ہیں وہ ان اقوام پر حکمرانی کر رہی ہیں جنہوں نے ان اقدار سے منہ موڑ رکھا ہے۔"

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ:

"کسی بھی قوم کے بہترین دانشور جب کسی بھی مستقل قدر کو تلاش کرنے کی تحقیق و جستجو کرتے ہیں تو وہ آخر کار انہی اقدار تک پہنچتے ہیں جن کی آگاہی قرآن کریم نے دے رکھی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کے قوانین آج بھی جہاں جہاں اور جتنے لاگو ہیں وہ اتنا اتنا ہی فیض برسا رہے ہیں۔"

لڑکی نے جب یہ بات مکمل کی تو وہی طالب علم کہہ اٹھا۔

"سبحان اللہ"

فلسفے کے پروفیسر نے کہا:

"سچ یہ ہے کہ ہم نے زندگی بھل بھلیوں میں ہی گزار دی۔ یوں لگتا ہے ہم ایسی راہ پر چلے جا رہے تھے جو اندھیروں کے سمندر میں جا گرتی ہے۔"

اے معزز و پاکباز خاتون!

"آپ واقعی عظمت کی مالک ہیں۔ اصل میں آپ ہی زندگی کو گزار رہی ہیں ورنہ اپنے وطن کے بیشتر لوگوں کو تو زندگی گزار رہی ہے۔"

ایک طالب علم نے کہا:

اے ہماری معزز راہنما!

"آپ سے مل کے یوں لگ رہا ہے کہ ہم ایک علم و عرفان سے معمور و آراستہ بستی میں چلے آئے ہیں مگر اپنی یونیورسٹی تو اب بے نور اور اندھیروں کی آماجگاہ لگ رہی ہے۔"

ایک دوسرے پروفیسر نے کہا:

"اپنی طرف سے ہم چراغوں کو بجھانے آئے تھے مگر اب شعور کے لاکھوں روشن دیے لیے ہوئے جا رہے ہیں۔"

لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا:

چھوٹا نوجوان گہری سوچ میں پڑ گیا اور لڑکی کی آنکھوں میں نئے سرے سے جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔

لڑکی نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا:

"تم جانتے ہو کہ اسرائیلی تمہارے ہاتھ سے مجھے گولی مروانا چاہتے ہیں تاکہ اسے بہانہ بنا کر فلسطین کی بعض بستیوں میں پھر سے قتل عام کر سکیں اور اس وقت تم صرف انہی کے کہنے پر میرا پیچھا کر رہے ہو۔"

نوجوان نے کہا:

"یہ سرا سر جھوٹ اور بہتان ہے۔ میں یہ صرف اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ ہماری دشمن ہو۔"

لڑکی نے ذرا سخت لہجے میں کہا:

"مجھے مت دشمن کہو' میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ تم اپنی حماقتوں سے اپنے آپ کے دشمن ہو اور اپنی جان کے دشمن کو اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اور تنظیم کے کسی فرد کو زندہ نہیں رہنے دے گا۔"

چھوٹے نوجوان نے درد بھرے لہجے میں پوچھا!

"آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے؟"

لڑکی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہہ دیا:

"آپ کا تیسرا ساتھی اسرائیل کے خفیہ ادارے کا ایک آفیسر ہے۔"

چھوٹے نوجوان کا جسم پسینے سے شرابور ہونے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ کسی کانٹوں بھری گہری کھائی میں گر گیا ہو۔ تھوڑی دیر حیرت زدہ رہنے کے بعد وہ کچھ سنبھلا اور اس نے کہا:

معزز خاتون!

"میرے یقین کو ثبوت کی ضرورت ہے۔"

لڑکی نے کہا:

"یاد کرو جب آپ سب مجھے تلاش کر رہے تھے تو ایک اسرائیلی جیپ آ کر رکی تھی۔ آپ کا تیسرا ساتھی آپ دونوں بھائیوں کے ساتھ چھپنے کی بجائے علیحدہ رہا تھا۔ آپ نے سوچا اس وقت وہ کہاں تھا؟ وہ اس وقت جیپ میں اسرائیلی آفیسر کو تمام حالات کے بارے میں آگاہی دے رہا تھا کیونکہ وہیں قریب ہی میں چھپی ہوئی سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔"

نوجوان آنکھیں بند کر کے دیوار کے ساتھ جا لگا اور کچھ دیر تک مزید بے سدھ رہا۔ اسے ہر طرف اندھیرا سا نظر آنے لگا اور وہ یہ سوچ کر اور بھی خوف زدہ ہو گیا کہ اس کا بڑا بھائی افغانستان میں ہے اور تیسرا ساتھی بھی وہیں پہ ہے اور اسی سے مشورے کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔

لڑکی نے تھوڑی دیر بعد سکوت توڑا اور سوالیہ انداز میں اس سے کہا:

آپ خود سوچو کہ:

"آپ لوگوں کی قید سے فرار ہو کر بوڑھے کے گھر سے مجھے سیدھا اسرائیل کا رخ کرنا چاہیے تھا اور وہ میرے لیے انتہائی بہتر ہوتا کیونکہ اس صورت میں میں اپنے محکمے والوں پر اپنی بہادری اور حکمت عملی کا زیادہ لوہا منوا سکتی تھی اور زیادہ بڑے انعامات و ذمہ داریوں سے نوازی جا سکتی تھی۔"

ذرا سوچو تو سہی!

"آپ لوگ اپنی دانش کو کب استعمال کرنا سیکھو گے۔ مجھے حیرانی ہے کہ آپ لوگ ایک بڑی تنظیم کو قائم کرنے کی سعی کر رہے ہو مگر سچ اور جھوٹ' فریب اور حقیقت' سازش اور وفاداروں کی وفا میں فرق نہیں کر

سکتے۔ آپ نے اپنی تنظیم کو اسرائیلیوں سے اوجھل رکھنے کا کیا انتظام کر رکھا ہے۔"

سچ یہ ہے کہ:

"تم مجھے اپنے بڑے بھائی سے بھی زیادہ جاہل، جوشیلے اور نادان محسوس ہوئے ہو۔"

نوجوان سر جھکائے بڑے ادب سے اسے سنتا جا رہا تھا اور اپنی عقل و دانش کو اسی کے حوالے کر کے اس سے زیادہ سے زیادہ راہنمائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اب لڑکی کی کسی بات کو رد کرنا بیوقوفی سمجھتا تھا۔

اس نے بڑے ادب اور عاجزی سے کہا:

محترم خاتون!

"اب میں بے منزل ہو کر بھٹک رہا ہوں۔ مجھے آگے پیچھے اور دور دور تک اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ مجھے خود کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی سوائے موت کے سایوں کے۔ کیونکہ تیسرا ساتھی ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کروا ڈالے گا اس لیے کہ ہماری تنظیم کے تمام راز اسی کے پاس ہیں اور فلسطین و لبنان سے ہماری تنظیم کے دفاتر ختم کر کے اس نے ہی کسی نئی جگہ پر اور کسی دوسرے ملک میں تنظیم کو قائم کرنے کا کام مکمل کیا ہے۔ آپ کی معلومات کے مطابق تو اب ہم صرف اس کی تلوار کی دھار تلے بندھے ہاتھوں سے چلے جا رہے ہیں۔"

اے چارہ ساز!

"کچھ راہنمائی کرو"

لڑکی نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا:

برادر عزیز!

"اس وقت صرف تمہارا بھائی ہی تیسرے ساتھی کی دسترس میں نہیں بلکہ تم خود بھی اسرائیلی ہوسٹس کے خونی شکنجے کے قریب ہو۔"

اب تو چھوٹے نوجوان کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین نکل گئی ہو۔ اس نے لرزتے ہونٹوں سے استفسار کیا کہ:

اے معزز و رحم دل خاتون!

"یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔"

لڑکی نے کہا:

"آپ ابھی تک اسے پانچ بار مل چکے ہیں۔ اسے بھی آپ کے تیسرے ساتھی نے ہی آپ سے متعارف کروایا تھا۔"

یاد رکھو!

"وہ بذات خود بہت ذہین اور پر اعتماد ہے اور اسرائیل کے اسی ادارے کی ممبر ہے جس کا کہ آپ کا تیسرا ساتھی۔ آپ کو علم نہیں ہے مگر یہ سچ ہے کہ اسرائیل میں ایک تربیتی کورس کے دوران وہ میرے ساتھ رہ چکی ہے۔ اسی لیے جہاز میں اس نے مجھے پہچاننے کی کوشش کی مگر میں کترا کر نکل آئی تھی۔ مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے ذریعے ہی میرا پیچھا کروایا جائے گا۔ چنانچہ اللہ نے مجھے یہاں پہ جب عزت و کامیابی سے نوازا تو میں نے آخری نبیؐ کے معلومات حاصل کرنے کے اس طریقہ کار کو اپنایا تھا جو انہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے وقت اپنایا اور دشمنوں کی تمام حکمت عملیاں برباد ہو کر رہ گئیں۔"

نوجوان نے کہا:

"حیرت ہے، ہم پیدائشی مسلمان ہیں مگر آج تک نہ جان سکے کہ آپ ﷺ کا معلومات حاصل کرنے کا وہ کیا طریقہ کار تھا۔"

لڑکی نے جواب دیا:

"یہ صرف اسی وقت علم ہو سکتا ہے جب کسی کو دل سے راہبر تسلیم کر کے اور اس سے محبت ہر شے سے زیادہ کی جائے۔"

نوجوان نے کہا:

"مگر ہم تو اپنے پیغمبر سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

لڑکی نے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا:

"عربوں نے اپنی ساری دولت کسی نہ کسی طور غیر مسلموں کے حوالے کر رکھی ہے جبکہ امت اسلامیہ کی بے حساب عوام غربت و ناداری اور رسوائی کے بوجھ تلے کراہ رہی ہے۔ کیا یہ آخری نبیؐ سے محبت ہے کہ بین المسلمین تعلقات میں اس ہستی کے احکام کی ذرا پروانہ کی جائے۔

برادر عزیز!

"اپنی روحوں کو ٹٹولو، اپنے دماغوں اور شعور سے سوال پوچھا کرو کہ امت اسلامیہ کیوں رسوا ہوئی اگر اسے اپنے پیغمبرؐ سے محبت تھی۔ آپ لوگ بہت نادان ہو کہ مرجھائے ہوئے پھولوں کی بے جان پتیوں سے ہیروں کا جگر کاٹنے نکلے ہو۔"

برادر محترم!

"سچ یہ ہے کہ اسلام کو اس مرحلے پر کسی عمر فاروقؓ کی ضرورت ہے۔"

اگر اس کے نقوش پر چل سکتے ہو تو سمجھ لو سب کچھ تمہارا ہے ورنہ تاحد نظر نامرادی ہی نامرادی ہے۔

اور سنو کہ!

"میں نے اپنے ایک انتہائی ذہین پاسبان کو اس ہوسٹس کے نام اور خدوخال وغیرہ کے بارے میں بنیادی معلومات دے کر ایسے ملک بھجوا دیا تھا جہاں کی ائرپورٹ سے وہ اپنی فلائٹوں کے لیے ڈیوٹی پر روانہ ہوتی تھی اور تب اس نے چند ہی روز بعد اس کی تصویر کھینچ کر مزید معلومات کے ساتھ مجھ سے رابطہ کیا۔ تب سے آج تک ان کے بدترین منصوبوں کے بارے میں مجھ تک آگاہی پہنچتی رہتی ہے۔"

نوجوان پھر سوچ میں پڑ گیا اور دیر تک خاموش رہا۔ لڑکی بھی کافی دیر تک خاموش رہی۔

نوجوان سوچتا رہا کہ:

"اللہ کی اس پر کتنی عنایات ہو چکی ہیں۔ اور ہم دریا میں رہ کر بھی پیاسے ہیں اور یہ بے آب و گیاہ صحرا میں رہی مگر اس کے قلب و شعور سے آب حیات کے سرچشمے پھوٹ رہے ہیں۔"

نوجوان نے آہ بھر کر کہا:

معزز و مکرم دختر اسلام!

"کچھ کہو کہ سب کچھ میسر ہونے کے باوجود ہم کیوں بھٹک رہے ہیں۔ ہماری نگاہوں میں وہ راز کیوں عیاں نہیں ہوتے جنہیں تم پا چکی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ ہم کہاں سے راہ بھولے ہیں جو آج تک رسوا ہو رہے ہیں اور اپنے پرائے کی پہچان کھو بیٹھے ہیں۔"

یہ کہتے کہتے نوجوان کی آنکھوں سے تیز آنسو بہنے لگے اور اس کے ہونٹ کئی بار کپکپائے اور بہت سے الفاظ ہونٹوں پر آ کر ٹوٹے اور بنا

اظہار کے بہتے ہوئے اشکوں کے ساتھ ہی بہتے رہے۔

لڑکی نے خود بھی آہ بھری اور رک رک کر کہنے لگی!

میرے عزیز بھائی!

"اسلام کے پیروکاروں کی داستان بڑی درد انگیز ہے جو صرف ایک ہی لفظ کے جھٹلانے سے شروع ہوئی اور وہ تھا قرآن کا محوری لفظ "غور" یعنی "غور" کو اپنا لیا جائے تو عروج ورنہ یہ زوال جو صدیوں سے طاری ہے۔"

اس دوران نوجوان کی آنکھوں کی پتلیاں کبھی سکڑتی اور کبھی پھیلتی رہیں۔ وہ لڑکی کی گفتگو میں اتنا منہمک ہو گیا کہ لاشعوری طور پر اپنی آنکھوں کو کبھی کم کم اور کبھی زیادہ کھول لیتا۔ اس کا چہرہ لڑکی کی باتوں کے ساتھ ساتھ اضطراری اور غیر اضطراری اظہار کرتا جا رہا تھا جس سے دیکھنے والا یہ محسوس کر سکتا تھا کہ وہ نوجوان لڑکی کی ہر بات سے قائل ہو چکا ہے۔

نوجوان نے کہا۔

اے میری محسنہ!

"کیا مجھے آپ کی بستی میں پناہ مل سکے گی۔"

لڑکی نے جواب دیا:

"یہ ممکن نہیں کیوں کہ آپ جیسے نوجوانوں کا بستیوں میں چھپے رہنا امت اسلامیہ کے لیے ایک نئے زوال کا پیش خیمہ ہو گا۔"

نوجوان نے پھر استدعا کی کہ:

"براہ کرم آپ ہماری تنظیم کی مدد و راہنمائی فرمائیں۔"

لڑکی نے پھر وہی کہا کہ:

"ابھی یہ ناممکن ہے۔ اس لیے کہ میں اپنا دل و جاں اس بستی کے حوالے کر چکی ہوں تاکہ یہ دیگر بستیوں کے لیے نمونہ بن سکے۔"

نوجوان نے سر جھکا لیا' تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے ایک اور درخواست کی کہ:

"ارشاد فرمائیں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہم تو ناقابل عبور طوفان میں گھر چکے ہیں۔ ہمارے لیے پیچھے مڑنے کی کوئی راہ نہیں اور آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں۔"

لڑکی نے ایک کاغذ پر کچھ تحریر کیا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔

نوجوان کچھ دیر تک کبھی کاغذ اور کبھی لڑکی کی جانب دیکھتا رہا۔ پھر دیر تک اس تحریر میں کھویا رہا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ تحریر کے ایک ایک لفظ کی گہرائی میں اترنے کی کوشش کر رہا ہے اور کسی تلخ سی کشمکش میں جا پڑا ہے مگر اچانک اسے یوں لگا کہ جیسے وہ تحریر میں چھپے راز کو پا گیا ہو اور جیسے وہ کسی روشنی سے ہمکنار ہو کر شعور کی برتر وسعتوں سے آشنا ہو گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ نئے اعتماد اور یقین سے سرفراز ہو چکا ہے اور اس کے سامنے منزلوں کو لے جانے والے ہزاروں در وا ہو چکے ہیں' ان میں سے اب وہ کسی کا بھی انتخاب کر لیتا تو منزل مراد تک پہنچ جاتا۔

نوجوان نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور مسکراتے ہوئے روانہ ہو گیا۔

(30)

بڑے اشخاص نے بڑے وکیلوں کی مدد سے لڑکی کے خلاف کئی تعزیرات کا اضافہ کروا دیا تھا۔ اس کے خلاف پولیس اسٹیشن پر جو ایف آئی آر درج کروائی گئی اس میں بہت سی تعزیرات درج تھیں اور اس پر کئی قسم کے سنگین الزامات لگائے گئے تھے۔ بعض مقدمات درج کروانے سے پہلے لڑکی کے خلاف بعض نام نہاد مذہبی راہنماؤں سے بھی مشورہ کر لیا گیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حکومت کے اسی طرح کے بعض بڑوں کی بھی ان مقدمات کے لیے پشت پناہی حاصل کر لی گئی تھی۔ یوں لڑکی کو ملک کے رائج الوقت قوانین کے شکنجے میں جکڑنے کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں۔ درگاہ کے پیر سمیت ادھر ادھر کے بہت سے گواہان تیار ہو چکے تھے اور متعلقہ وکلاء حضرات گواہوں کے ہونٹوں پر اپنے دانش بھرے الفاظ کی قطاریں رکھ رہے تھے۔ یوں تھا کہ جیسے کسی چراغ کو اٹھا کر آندھیوں کے درمیان

رکھ دیا گیا ہو یا یہاں سے ایک بار پھر دیے اور طوفان کی کہانی کا آغاز ہونے والا تھا۔

ایک صبح بستی والے معمول کے مطابق فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد کے باہر آ رہے تھے کہ پولیس نے صبح کے ملگجے میں ہی مسجد کو چاروں طرف سے آ گھیرا۔ لڑکی جونہی مسجد سے باہر آئی انہوں نے جھپٹ کر اسے پکڑ لیا۔ پاسبانوں نے سخت مزاحمت کی کوشش کی مگر لڑکی نے انہیں منع کر دیا۔ لڑکی نے بس اتنا کہا۔

"مجھے گھسیٹیں نہ' میں خود آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔"

اس دوران بستی کے لوگ بپھر چکے تھے۔ انہوں نے اینٹیں اور پتھر اٹھائے۔

مگر لڑکی نے ہدایت کی کہ:

"بہترین لوگوں کا فرض ہے کہ جب تک عدالتیں عدل مہیا کرتی رہیں اس وقت تک قوانین کے خلاف جنگ رائج الوقت قوانین کے ذریعے ہی کرنی چاہیے۔" چنانچہ سب لوگوں نے اس کی ہدایت کے سامنے سر جھکا دیے اور ہاتھوں سے اینٹیں و پتھر زمین پر گرا دیے۔

لڑکی نے لیڈی پولیس آفیسر کو اپنی گرفتاری کے بارے میں قانونی کاغذات دکھانے کا مطالبہ کیا لیکن اس نے کرختگی سے دھکیلتے ہوئے کہا!

"پولیس اسٹیشن جا کر تمہیں سارے کاغذات دکھلا دیے جائیں گے۔"

لڑکی نے پولیس والوں سے استدعا کی کہ:

"براہ کرم مجھے لے جانے سے پہلے چند لمحے دیجئے تاکہ میں اپنی بستی والوں سے کچھ کہہ سکوں۔"

لیڈی پولیس آفیسر نے پھر دھکیلنے کی کوشش کی مگر چند پاسبان سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے سخت لہجے میں کہا:

معزز پولیس افسران!

"ہمارے خاموش رہنے کا غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے' اور یہ کہ شاید آپ اس سے بے خبر ہیں کہ ہم اس بستی والے اس وقت تک قانون کا احترام کرتے ہیں جب تک قانون کے محافظ خود قانون کا احترام کرتے ہیں اور وہ عام شہری کی اس وقت تک عزت کرتے ہیں جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہیں ہو جاتا۔ ابھی تک جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ ہمارنے لیے ناقابل برداشت ہے۔ آپ اس بات کو سمجھ جائیں کہ اس خاتون کو ہم اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز جانتے ہیں۔ اس کے ایک اشارے پر یہاں کی ایک بستی کیا بیسیوں بستیوں کے لوگ دوڑے چلے آئیں گے اور اس خاتون کی جانب جس جس کا ہاتھ اٹھے گا اسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں گے چاہے اس کے لیے کتنی بھی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ اس لیے ہماری گزارش یہ ہے کہ اس خاتون کو انتہائی احترام کے ساتھ لے جایا جائے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کو اس خاتون کا انتہائی شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں قانون کا احترام کرنا سکھایا ہے اور اب بھی اسی کی ہدایت اور حکم پر ہم سر جھکائے کھڑے ہیں۔"

ایک دوسرے پولیس آفیسر نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"زیادہ بہتر یہی ہے کہ لڑکی کو اپنی بستی والوں سے بات کرنے کا پورا موقع فراہم کیا جائے۔"

چنانچہ ایک پولیس آفیسر آگے بڑھا اور اس نے لڑکی سے معذرت کرتے

ہوئے کہا:

"میرے ساتھیوں سے عادتاً" بھول ہو گئی ہے۔ براہ کرم آپ جو کچھ اپنی بستی والوں سے کہنا چاہتی ہیں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ آپ کی عظمت کے چرچے اگرچہ ہم تک پہنچ چکے ہیں لیکن ہم اپنے فرائض کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں آپ کو گرفتار کرنا پڑا۔"

لڑکی نے پولیس آفیسر کے اچھے رویے کا شکریہ ادا کیا اور جانے سے پہلے بستی والوں سے یوں مخاطب ہوئی:

اے عظیم انسانو!

"اجالوں اور اندھیروں کے درمیان یہ جنگ ازل سے جاری ہے۔ کبھی روشنی کی جیت ہوتی ہے اور کبھی اندھیرے غالب آ جاتے ہیں۔ تم اپنے دین کو سمجھ کر اسے اپنی زندگیوں پر طاری کرنے کے لیے کوشاں ہو اس لیے یقین رکھو کہ تم کائنات کی عظیم و لاشریک ہستی کی پناہ میں ہو۔ دیکھ لینا کہ اب ہر دن تمہارے لیے نئی رحمتیں لے کر آئے گا۔"

اور سنو کہ:

"بس یہی ایک راستہ منزل کو جاتا ہے باقی سب راہیں فریب دیتی ہیں۔"

یاد رکھو کہ:

"میرا وجود بے حیثیت ہے۔ ازلی اور ابدی روشنی وہی ہے جو تم قرآن کریم اور آخری نبیؐ کے انداز حیات سے حاصل کر رہے ہو۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں پھر تم میں آ ملوں گی مگر تم اپنی راہ سے اب ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹنا کہ پیچھے جہنم زار کھائیاں ہیں' تم آگے بڑھتے ہی رہنا کہ آگے

فردوس بریں کی ابدی مسرتیں ہیں۔"

بستی کے لوگ اشکبار آنکھوں سے ٹکٹکی باندھے اپنی محسنہ کو دیکھے جا رہے تھے۔ لڑکی آدھا چہرہ عیاں کیے بڑے وقار اور اطمینان سے پولیس والوں کے ساتھ چل پڑی۔ لوگوں کا دل چاہا کہ بھاگ کر اسے چھین لیں مگر لڑکی نے انہیں قانون کا احترام کرنا سکھایا تھا۔ وہ لوگ حسین انداز حیات سے آشنا ہو چکے تھے۔ انہیں قرآن نے صبر کی روح سے آشنا کیا تھا اور وہ رزم و بزم کے سچے جذبوں کے فرق کو جان چکے تھے' چنانچہ وہ دور تک اڑتی ہوئی گرد کو دیکھتے رہے۔

راستے میں لیڈی پولیس آفیسر نے مزید معذرت کرتے ہوئے کہا۔

محترم و عالیہ!

"ہمیں ایک ایسے نظام زندگی کے تحت فرائض ادا کرنے پڑتے ہیں جو تضادات اور خود غرضیوں سے عبارت ہے۔ ہم بچپن سے پڑھتے آ رہے ہیں کہ ایک فرعون تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ ایک نمرود تھا جو اللہ کی ہدایات کو بڑھ بڑھ کر جھٹلاتا تھا اور ایسے ہی ایک شداد تھا جس نے سزا اور جزا دینے کے لیے جنت اور دوزخ بنا رکھی تھی۔ لیکن جس نظام حیات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اور جس محکمے میں میں ہوں' اس میں رہ کر مجھے علم ہوا کہ قدم قدم پر فرعون' نمرود اور شداد اب بھی ہیں اور ہم یہاں پر ان کے ہاتھوں میں یوں ہیں کہ جیسے چیتے کے پنجے میں کسی ہرن کا بچہ۔ وہ جب چاہیں ہماری اس وردی سمیت ہمیں زمین میں گاڑ کے رکھ دیں۔ تب ہمیں بچانے کے لیے کسی جانب سے کوئی قوت عدل' کوئی آواز رحم اٹھتی ہی نہیں۔ ہم اپنی بے چارگی لیے ان کے حکم کے منتظر رہتے ہیں

اور تب حکم ملتے ہی قانون کو ڈھال بنا کر معصوموں اور مجرموں کو ایک ہی زنجیر میں گھسیٹتے چلے آتے ہیں۔"

معزز خاتون!

"آپ ہی کہئے کہ ایسے میں اور کس طرح جیا جائے۔"

بستی کے راستوں سے نکل کر پولیس کی گاڑی اب شاہراہ پر جا رہی تھی مگر بے حساب ہچکولے تھے۔ پولیس کی گاڑی دیکھ کر عام لوگ پہلے سے سڑک چھوڑ چھاڑ کر ادھر ادھر ہو جاتے تاکہ گاڑی والے ناراض ہو کر انہیں وہیں بچھا نہ دیں۔ لڑکی بڑی دیر سے یہ منظر دیکھتی آ رہی تھی اور اس پولیس آفیسر کی باتیں بھی خاموشی سے سنتی جا رہی تھی۔ اس نے جب بات ختم کی تو لڑکی کچھ دیر تک بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد جواب نہ پا کر پولیس آفیسر نے کہا:

معزز خاتون!

"شاید میری بات کو آپ نے قابل توجہ نہیں جانا"

لڑکی ہلکی سی مسکراہٹ سے پھر خاموش ہو رہی مگر چند لمحوں کے بعد اس نے کہا:

محترم!

"آپ نے معصوم لوگوں کو مجرموں کے ساتھ پابہ زنجیر اور قابل تعزیر کرنے کا جو جواز پیش کیا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ دریا اپنے سیلاب میں غریبوں کو بھی برباد کر دینے کا بہانہ پیدا کر لیتا ہے۔ آپ نے کبھی غور کیا کہ بغیر کسی تحریر شدہ آئین کے دنیا کے تمام ظالم آپس میں متحد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں مگر مظلوم آپس میں پائیدار

اتحاد کیوں نہیں کرتے؟"

یہ کچھ کہہ کر لڑکی کچھ دیر کے لیے خاموش رہی پھر اس نے خود ہی جواب دیا کہ:

"اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ اپنے ذاتی مفادات کے بدلے قانون نافذ کرنے والے اور عدل دینے والے عام طور پر قوت یا اختیار رکھنے والوں کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں بلکہ اس کی وجہ عدل میں تاخیر اور شنوائی سے محرومی بھی ہوتی ہے۔"

اور اے قابل احترام آفیسر سنو کہ!

"جب لوگ عدل کو بجائے حق کے بھیک کے طور پر حاصل کریں تو سمجھ لو کہ ظالم متحد ہو چکے ہیں اور جب قانون نافذ کرنے والے بے گناہوں کو ہاتھ ڈالنے سے خوف زدہ ہوں تو سمجھ لو کہ مظلوم متحد ہو چکے ہیں یا کوئی عمر فاروقؓ جیسا حکمران اقتدار میں آ چکا ہے اور وہ کوئی برتر نظام حیات لاگو کرنے پر ڈٹ گیا ہے، اور اگر قانون نافذ کرنے والے بے گناہوں کو پابہ زنجیر کر ڈالیں اور عدل گاہیں انہیں بغیر جرم کے مجرم قرار دے دیں تو پھر سمجھ لو کہ اصل میں یہ دونوں ادارے مجرم ہیں اور باقی سب بے گناہ۔ مگر آپ سب میں مبارک ہیں وہ لوگ جو ہر دور اور ہر طرح کے حالات میں انسانیت کا پرچم بلند کیے رکھتے ہیں۔"

ہوتے ہوتے پولیس کی گاڑی اپنی منزل تک پہنچ گئی، اور لڑکی کو زندان کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔

(31)

ہوسٹس صحافی نے متعدد بار تیسرے ساتھی سے افغانستان میں رابطہ کی کوشش کی لیکن باقاعدہ خبر نہ مل سکی۔ اس نے چھوٹے نوجوان کو بھی متعدد بار تلاش کیا مگر تا حال اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ چند روز بعد تیسرا ساتھی واپس آ گیا۔

اس نے ہوسٹس کو بتایا کہ:

"افغانستان میں پچھلے کئی روز سے اس کی ملاقات بڑے نوجوان سے نہیں ہوئی بلکہ تلاش بسیار کے باوجود وہ نہیں مل سکا۔ دونوں کی متفقہ رائے تھی کہ اسرائیل کے خفیہ ادارے کے بعض لوگوں نے کسی نہ کسی وجہ کی بناء پر دونوں بھائیوں کا کام تمام کر دیا ہو گا، لیکن انہیں حیرانی تھی کہ ایسا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اسرائیل کے خفیہ ادارے کو انہیں اعتماد میں لینا چاہیے تھا کیونکہ یہ محکمے کی قانونی ذمہ داری تھی۔

تیسرے ساتھی نے ان کی تنظیم کے دیگر عوامل کو بھی ختم کرنے کا ارادہ کر لیا مگر اگلی چند روزہ تگ و دو کے باوجود اسے کہیں بھی تنظیم کا نام و نشان نہ مل سکا اور نہ ہی تنظیم کے کسی ممبر' نمائندے یا عہدیدار کا پتہ چل سکا۔ اس کے باوجود ان کی رائے یہی تھی کہ اسرائیل کے خفیہ ادارے نے ساری تنظیم کو ختم کر دیا ہو گا۔

کبھی کبھی انہیں خیال آتا کہ:

"ہو سکتا ہے وہ دونوں بھائی پاکستان کے خفیہ ادارے کے ہتھے چڑھ گئے ہوں اور ابھی تک زیر تفتیش ہوں۔"

ان کے لیے سب سے زیادہ تشویش ناک یہی بات تھی کہ اگر ان کے ذریعے پاکستانی ادارے کو معلومات حاصل ہو گئیں تو وہ انہیں بھی گرفتار کر کے مزید تفتیش شروع کر دے گا اور ادارے کو ان کے بارے میں ہر قسم کی معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

ان کی تیسری رائے یہ تھی کہ:

"ممکن ہے ان دونوں کو لڑکی نے پہل کر کے ختم کر دیا ہو اور تنظیم کے دیگر افراد کا ان سے مسلسل رابطہ ختم ہونے کی بناء پر خود ہی تنظیم کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا ارادہ بن گیا ہو اور یوں تنظیم خود بخود ہی ختم ہو کر رہ گئی ہو۔ مگر اپنی اس رائے کو وہ دو ایک وجوہات کی بنا پر مسترد کر دیتے یعنی:

☆ "لڑکی خود ان سے چھپتی پھر رہی ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ ان دونوں کو بیک وقت قتل کروا سکے۔

☆ غائب ہونے سے پہلے بڑا نوجوان افغانستان اور چھوٹا پاکستان میں تھا اور دونوں کا ایک ہی وقت میں غائب ہو جانا ظاہر کرتا ہے کہ اتنا

بڑا ایکشن لڑکی کے بس میں نہیں۔"

بہر حال وہ صرف پہلی اور دوسری آراء کو ہی قابل اہمیت سمجھتے رہے۔ چنانچہ تیسرے ساتھی نے پاکستان میں بہت سے خطرات کو ذہن میں رکھتے ہوئے پاکستان کو فوری طور پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا مگر ہوسٹس نے اسے پاکستان میں ہی رہ کر لڑکی کو ختم کرنے کے لیے مزید دلائل دیئے۔

اس کا کہنا تھا کہ:

"کیونکہ لڑکی کے بارے میں وافر معلومات حاصل ہو چکی ہیں اور بغیر شبے کے اب ثابت ہو چکا ہے کہ بستی والی لڑکی وہی ہے جس کی کہ ہمیں تلاش ہے لہٰذا اب وہ جہاں اور جس حال میں بھی ہے جلد سے جلد ختم کر دیا جائے۔ تاکہ جس مقصد کے لیے ہم یہاں آئے اسے عین اس وقت ادھورا نہ چھوڑا جائے جب کہ منزل بالکل ہی قریب آ چکی ہو۔ البتہ یہ رائے کہ وہ پاکستانی خفیہ ادارے کی زیر نگرانی یا حراست میں ہو' محض ایک مفروضہ ہے اور کسی مفروضے پر ہمیں بڑے فیصلوں کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے۔"

ہوسٹس نے مزید دلائل پیش کرتے ہوئے کہا کہ:

"اگر دونوں بھائی پاکستان کے خفیہ ادارے کی حراست میں ہیں تو وہ پھر بھی ہم دونوں کے بارے میں آگاہی نہیں دیں گے کیونکہ وہ پرلے درجے کے جذباتی قسم کے مسلمان ہیں چنانچہ وہ دل سے یقین کر چکے ہیں کہ ان کی تنظیم کی بقا ہی تیسرے ساتھی کی وجہ سے ہے۔"

اس نے اپنے بارے میں کہا کہ:

"رہا سوال میرے اپنے بارے میں' تو میں غیر ملکی اخبار کے صحافی کی حیثیت سے بعض رعایتوں کی مستحق ہوں جس کی بناء پر مجھے گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ زیادہ سے زیادہ مجھے ملک چھوڑنے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اصل مقصد جو کہ لڑکی کا خاتمہ ہے وہ اب اور بھی اہمیت حاصل کر چکا ہے کیونکہ اگر وہ خفیہ ادارے کے ہتھے چڑھ گئی ہے تو وہ اسرائیل کے پاکستان کے خلاف بہت سے مقاصد کے بارے میں معلومات فراہم کر دے گی۔ اور بالفرض اگر ہم دونوں کے بارے میں یہاں کی کسی ایجنسی کو معلومات حاصل ہو بھی جائیں تو پھر بھی بہتر ہے کہ یہاں ہی کسی خفیہ ٹھکانے میں جا رہا جائے اور اگر پھر بھی بات نہ بنے تو افغانستان کے راستے اپنی منتخب منزل تک رسائی حاصل کر لی جائے۔"

"بہرحال ہوسٹس تیسرے ساتھی کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی کہ انہیں مزید کچھ دیر پاکستان میں ہی رہ کر اپنا مقصد پورا کرنا چاہیے۔"

چند ہی روز بعد ہوسٹس کچھ اخباروں کے تراشوں کو ایک ایسے خفیہ ٹھکانے میں لے کر گئی جہاں تیسرا ساتھی ٹھہرا ہوا تھا۔ ان اخباروں میں اگرچہ لڑکی کی گرفتاری کی تفصیلات تو درج تھیں لیکن یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ اسے کس جیل میں رکھا گیا ہے۔ تیسرا ساتھی وہ تمام خبریں پڑھ کر بہت خوش ہوا۔

اس نے ہوسٹس کو بتایا:

"کہ اب یہ کام انتہائی آسان ہو چکا ہے۔"

اور یہ کہ:

"لڑکی کو قتل کرنے کے بعد جو رپورٹ لکھی جائے گی اس میں نمایاں طور پر ہوسٹس کی خدمات کا تذکرہ کیا جائے گا اور وہ سفارش کرے گا کہ ہوسٹس کو

مزید بڑے عہدے سے نوازا جائے۔"

تیسرے ساتھی نے کہا:

"منزل بہت قریب آ چکی ہے لہٰذا جیل کے بارے میں معلومات حاصل کر کے اس کے کسی ملاقاتی کے روپ میں یا انٹرویو لینے کی غرض سے جیسا کہ اخباروں کے بعض رپورٹر حضرات کیا کرتے ہیں یا جیل کے بعض صاحبان اختیار سے ملاپ کر کے لڑکی سے ملا جائے اور اسے وہیں ڈھیر کر کے اس کی چند تصاویر اتار کر واپس اسرائیل کا رخ کیا جائے۔"

چند روز کے بعد ہوسٹس تیسرے ساتھی کے پاس یہ خبر لائی کہ:

"لڑکی کو جس جیل میں رکھا گیا ہے اس کا بھی علم ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ ملاقات کا بندوبست بھی ہو چکا ہے۔ اب صرف منصوبے پر عمل کرنا باقی رہ گیا ہے۔"

ہوسٹس نے تجویز دی کہ:

"لڑکی کو بہتر ہے آپ (تیسرا ساتھی) خود قتل کریں کیوں کہ واردات کے بعد آپ اپنی ہمت و طاقت اور گوریلا طریق کار کے مطابق بہتر طور پر روپوش ہو سکتے ہیں جبکہ اس کے لیے ان حالات میں میرے لئے فرار ہونا چنداں آسان نہیں ہو گا۔"

ہوسٹس نے یہ بھی بتایا کہ:

"اس نے لڑکی کو جیل میں چند صحافیوں کے ساتھ چھپ کر دیکھا ہے۔ جس سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ لڑکی بالکل وہی ہے جس کی کہ ہمیں تلاش ہے اور دوسرے یہ کہ پاکستان کے بعض بڑوں نے بعض مسلمان مذہبی راہنماؤں کو ساتھ ملا کر اسے بالکل بے یارو مددگار کر دیا ہوا ہے اور جس

بستی میں وہ رہ کر آئی ہے وہاں سے جتنے لوگ بھی آتے ہیں انہیں اس سے قطعی طور پر ملنے نہیں دیا جاتا۔"

ہوسٹس نے یہ بھی بتایا کہ:

"لڑکی پر دو خطرناک قسم کے الزامات لگائے جا چکے ہیں جن کے نتیجے میں اگر وہ مجرمہ ثابت ہو گئی تو اسے عمر قید اور سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔"

تیسرے ساتھی نے الزامات کے بارے میں مزید استفسار کیا تو ہوسٹس نے بتایا کہ:

"ایک تو لڑکی پر اسلام کے خلاف گمراہی پھیلانے کا الزام ہے۔"

"اور دوسرے' علاقے کے لوگوں کو حکومت وقت کے خلاف اکسانے اور بغاوت کرنے کا بھی الزام ہے۔"

ہوسٹس نے تیسرے ساتھی کے ساتھ' لڑکی کی گرفتاری اور ایک بڑے کی پریس کانفرنس کے پس منظر کا تجزیہ کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ:

"لڑکی کسی صورت میں بھی دونوں مقدمات کے نتیجے میں بڑی سزا سے نہیں بچ سکے گی۔"

ہوسٹس نے یہ خبر بھی دی کہ:

"بعض بڑوں نے بہت شاطر' چالاک اور بعض پیشہ ور قسم کے لوگوں کو گواہ بنا رکھا ہے جو بڑی ہوشیاری سے لڑکی کے خلاف گواہی دیں گے اور یہ کہ جن وکلاء کو لڑکی کے خلاف تیار کیا گیا ہے وہ اپنی مہارت اور کامیابیوں کے لحاظ سے بہت نامور ہیں۔"

ہوسٹس نے جس بات کو مسرت و حیرت سے اپنے تیسرے ساتھی

کو آگاہ کیا وہ بہت اہم تھی۔

اس نے بتایا کہ:

"لڑکی کی جانب سے کوئی وکیل نہیں جو اس کا دفاع کر سکے اور اگر ریاست کی جانب سے کسی وکیل نے اس کی راہنمائی کرنے کی کوشش بھی کی تو بالکل نام نہاد اور واجبی سی ہو گی کیونکہ بعض بڑے اس پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

اس نے مزید کہا کہ:

"وہ (ہوسٹس) جتنی دیر لڑکی کو دیکھتی رہی اس دوران اسے لڑکی انتہائی مطمئن اور پرسکون لگ رہی تھی۔"

تیسرے ساتھی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"جب کسی کو اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے تو یا تو وہ بہت تڑپتا ہے یا مطمئن ہو جاتا ہے۔"

ہوسٹس نے کہا:

"ہو سکتا ہے آپ کی بات درست ہو مگر اس کے چہرے سے مختلف قسم کا سکون ظاہر تھا۔"

ہوسٹس نے یہ بھی کہا کہ:

"ایک اور بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ جیل کا چھوٹا عملہ اس سے کافی محبت کرتا ہے جبکہ بڑے عملے کے بعض افراد اس کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے ہیں۔"

تیسرے ساتھی نے کہا:

"لڑکی کے خلاف ان کا ذلت آمیز رویہ یقیناً ہمارے حق میں ہے کیونکہ اگر

وہ ہمارے ہاتھوں ہی ماری گئی تو یہ بھی بہانہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ جیل والوں کے ذلت آمیز رویے سے تنگ آ چکی تھی لہٰذا اس نے خود کشی کر لی اور صحافی ہونے کی حیثیت سے آپ اس بہانے کو اچھال سکتی ہو۔"

ہوسٹس نے چند روز غور خوض کے بعد تیسرے ساتھی کو ایک مختلف تجویز دی جو یوں تھی کہ:

"ان تمام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ لڑکی کو فی الحال پاکستانی قوانین کے ہاتھوں سزائے موت یا عمر قید کی سزا پانے کو چھوڑ دیا جائے تاکہ فوری طور پر اپنی ذات پر کوئی خطرہ مول نہ لیا جائے اور مقدمات کے نتائج کا انتظار کیا جائے۔"

تیسرے ساتھی نے ہوسٹس کی اس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ:

"پاکستان میں مقدمات بہت طوالت اختیار کر جاتے ہیں اور جب تک کسی مقدے کا فیصلہ ہوتا ہے اس وقت تک مجرم کی خاصی عمر گزر چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ اتنی دیر تک انتظار نہیں کیا جا سکتا۔"

اس نے مزید دلائل دیتے ہوئے کہا:

"کیونکہ لڑکی کو بے یارو مددگار کر دیا گیا ہے اس لیے بعض بڑے اس کے مقدمات کا فیصلہ کبھی بھی نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی اسے ضمانت پر رہا ہونے دیں گے کیونکہ اس کی جانب سے دفاع کرنے والا کوئی وکیل ہی نہیں۔ چنانچہ وہ اس بات کا بھی انتظار کریں گے کہ لڑکی کے فیصلوں میں بہت زیادہ تاخیر کی بناء پر اور جیل میں پڑے پڑے تنگ آ کر ان بڑوں سے رحم کی بھیک مانگنے یا صلح کرنے پر مجبور ہو جائے اور اپنے موقف سے بھی دستبردار ہو جائے۔"

ہوسٹس نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"آپ کی دیگر باتیں تو قائل کرنے والی ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ وہ اپنے موقف سے کسی وقت دستبردار ہو سکتی ہے یہ ناممکن ہے۔"

تیسرے ساتھی نے ذرا سخت لہجے میں کہا:

"ہمیں اس کے نظریات یا شخصیت کے بارے میں بحث نہیں کرنی بلکہ اسے ختم کرنے کے لیے جلد سے جلد کوئی راہ نکالنی ہے۔"

ہوسٹس نے بتایا کہ:

"لڑکی جس جیل میں ہے وہاں پر لیڈی پولیس کانسٹیبل کا پہرہ ہوتا ہے۔ البتہ ذرا دور باہر کی جانب چند مردانہ پولیس والے پہرا دے رہے ہوتے ہیں۔ تاہم میں لڑکی کی بستی کی کسی خاتون کا روپ دھار کر اور نقاب اوڑھ کر ملنے کی کوشش کر سکتی ہوں مگر اسے قابو کرنا یا ہلاک کرنا میرے لیے انتہائی مشکل ہو گا کیونکہ وہ ہمارے کورس میں ٹریننگ کے دوران وہاں پر موجود سب مردوں سے زیادہ طاقتور ہوا کرتی تھی، اور خطرات کو تو وہ دور سے ہی بھانپ لیا کرتی تھی۔ اسی لیے میرا خیال ہے کہ وہ با آسانی ہلاک نہیں کی جا سکے گی اور اس دوران گتھم گتھا ہونے کی بناء پر میں گرفتار ہو سکتی ہوں اور یوں وہ اپنے سمیت ہم سب کا پول کھول کر رکھ دے گی۔"

تیسرے ساتھی نے اس کی بات سے مکمل اتفاق نہ کیا اور اس کی تجویز میں اپنی رائے شامل کر کے اسے زیادہ قابل عمل بنا دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ:

"ایک آدھ ہفتہ مزید انتظار کیا جائے اور جہاں وہ ٹھہری ہوئی ہے وہاں کے ماحول کو اور زیادہ پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کی جائے تب اس کے بعد ہم

دونوں اس کی بستی کی خواتین کا روپ دھار کر اور نقاب اوڑھ کر ملاقاتیوں کے بہانے اس سے جا ملیں اور واردات کر کے واپس آ جائیں۔ البتہ بستی کی خواتین کے لیے آپ پاکستان کے کسی اخبار کے اڈیٹر کی وساطت سے ملاقات کی خصوصی اجازت بھی حاصل کروا سکتی ہیں۔"

(اگلے روز سے ہی دونوں نے اپنی نئی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا)

اگرچہ لڑکی کی خواہش تھی کہ جب تک اس پر جرائم ثابت نہیں ہو جاتے اس وقت تک اسے جیل کی بجائے کسی بہتر جگہ پر رکھا جائے اور اسے کچھ کتابیں اور ریڈیو مہیا کیا جائے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ لڑکی کو جیل میں ایسی خواتین کے ساتھ رہنا پڑا، جن کے خلاف بہت بڑے بڑے، گھناؤنے اور عجیب قسم کے مقدمات درج تھے۔ ان خواتین میں تقریباً ہر عمر کی عورتیں اور لڑکیاں تھیں۔

جیل میں موجود قیدی عورتوں میں سے کچھ ایسی تھیں:

"جو بہتر مستقبل کے لالچ میں گھر سے بھاگیں اور اوباش نوجوانوں کے ہتھے چڑھ گئیں جو انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہے اور بعد میں کسی بااثر گھرانے سے تعلق ہونے کی بناء پر خود تو بچ گئے لیکن ان لڑکیوں کو ملوث کروا دیا۔

جن عورتوں پر قتل کے الزامات تھے ان میں زیادہ تر ایسی تھیں کہ:

"جن کی مجبوری اور بے بسی کی آہ و پکار کو نہ سنا گیا اور رد عمل کے طور پر وہ تشدد پسند ہو گئیں اور کوئی سخت اقدام کرنے پر مجبور ہوئیں۔"

کچھ خواتین بتلاتی تھیں کہ:

"ان کے شوہر پرلے درجے کے ظالم تھے جو انہیں جسمانی اذیت دینے کے

علاوہ ان کے جذبات و احساسات تباہ کر کے رکھ دیتے چنانچہ موقع پا کر انہوں نے ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔"

کچھ خواتین جو غیر اخلاقی دھندے میں ملوث تھیں ان کا کہنا تھا کہ:

"وہ یتیم ہونے کی بناء پر بے سہارا ہو گئیں یا تو وہ پہلے ہی غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں یا انہیں بے سہارا و بے یار و مددگار دیکھ کر ان کے رشتہ داروں نے ان کی جائدادیں یا وراثت میں حاصل ہونے والی جائدادیں چھین لیں۔ ان کے پاس کمزور و غریب ہونے کی وجہ سے اتنے پیسے نہیں تھے کہ وکلا یا عدالت کے اخراجات برداشت کر سکتیں۔ یا یہ بھی ہوا کہ بچی کھچی پونجی لٹا کر اگر ایک عدالت نے ان کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مخالفین نے فوری طور پر برتر عدالت میں جا کر فیصلہ اپنے حق میں کروا لیا۔ اس طرح وہ مجبور ہو کر غیر اخلاقی دھندوں کی وجہ سے دو وقت کی روٹی کما لیتیں کیونکہ ملک کے مردہ نظام نے انہیں ہر لحاظ سے اپاہج کر کے رکھ دیا تھا اور ملک کے مروجہ نظام کے تحت ان کا کوئی بھی مستقبل نہ تھا چنانچہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ بچا تھا کیونکہ بعض سرمایہ و دولت رکھنے والے یا اختیارات کے مالک ان کی بے بسی خرید کر چند روپے دے دیتے اور انہیں غلام بنا کر اپنی مرضی سے ادھر ادھر کھینچتے گھسیٹتے لیے چلتے۔

معاشرے میں عزت یافتہ کہلانے اور طاقت ور ہونے کی بناء پر وہ تو بچ گئے مگر انہیں بے سہارا ہونے کی بناء پر کال کوٹھری میں ہی باقی عمر گزارنے کے لیے رہنا پڑا۔

البتہ کچھ خواتین ایسی تھیں جن پر کئی قسم کی سمگلنگ اور منشیات جیسے دھندوں کے الزامات تھے۔ ان میں زیادہ تر جوان مگر شکل و صورت

قیدی عورتوں کی مدد کے لیے آواز ہی نہیں اٹھاتے تاکہ جو بے گناہ و بے سہارا ہیں انہیں ریاست کی جانب سے کوئی تو سہارا ملے حالانکہ اکثر واعظوں کی وعظ کا موضوع زیادہ تر عورت ہی ہوتا ہے۔ مگر لڑکی کو اپنی دلیل خود ہی بے وزن سی محسوس ہوئی'

کیونکہ وہ یہ سوچتی کہ:

"اسلام کے مذہبی راہنماؤں کا عورت کے بارے میں جو موضوع ہوتا ہے وہ تو صرف صالح عورتوں کے بارے میں ہوتا ہے نہ کہ راندہ درگارہ' معاشرتی طور پر مسترد شدہ اور کمزور و رسوا عورتوں کے بارے میں کیونکہ ان سے تو وہ پہلے ہی متنفر ہوتے ہیں چنانچہ ان کے حال و احوال اور پس منظر سے انہیں کیوں کر لگاؤ ہو سکتا ہے۔"

لڑکی کی آنکھوں میں کئی دفعہ یہ سوچ سوچ کر آنسو آ جاتے کہ:

"اسلام نے تو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع کیا تھا مگر اس نظام زندگی نے تو انہیں آدھا زمین کے اندر اور آدھا باہر گاڑ رکھا ہے۔"

وہ سوچتی کہ:

"راجہ داہر کے ہاتھوں مظلوم عورتوں کو چھڑانے کے لیے کوئی محمد بن قاسم تو آیا تھا مگر اس سرزمین پر کتنی ہی بے آواز بے آسرا بے حساب سالوں سے کسی نجات دہندہ کا انتظار کرتے کرتے اپنی آخری سانسوں تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی نگاہ کئی بار آسمان کی جانب اٹھتی مگر تھک کر پلٹ آتی۔ وہ جانتی تھی کہ اگرچہ یہ سب کچھ صرف اسلامی آگاہی اور تربیت سے ہی ممکن ہے مگر ان میں جو بعض اسلامی نظام کا علم بلند کیے رہتے ہیں ان میں کئی ایسے بھی ہیں جو عورت کو تیسرے درجے کی مخلوق سمجھتے ہیں اور ان کی

سے خاصی چالاک و ذہین لگتی تھیں۔ ان کی گفتگو میں ملائمت اور عیارانہ پن ظاہر تھا۔

ان میں بعض نے بتایا کہ:

"وہ بے یارو مددگار نہیں بلکہ ان کی پشت پناہی اہل اختیار اور اہل اثر و رسوخ کر رہے ہیں اور بہترین وکلاء ان کے مقدمات کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ بہت جلد جیل سے رہا ہو جائیں گی اور انہیں الزامات سے بھی بری کروا دیا جائے گا۔"

ان میں سے بعض ایسی بھی تھیں جو ایسے ہی جرائم میں پہلے بھی جیل میں رہ چکی تھیں اور وہ ایک لحاظ سے عادی مجرم گردانی جاتی تھیں۔

لڑکی کو ان سب کی کہانیاں بہت ہی اداس و غمگین کر دینے والی محسوس ہوئیں۔ وہ جب بھی کسی کی کہانی سنتی تو عجیب اضطراب میں مبتلا ہو جاتی۔

اسے یوں لگا کہ:

"پاکستان میں عورت کو کوئی عزت یافتہ مخلوق نہیں گردانا جاتا اور جب بھی وہ بے سہارا ہوتی ہے تو اس کے جسم و جان اور عزت و مال کو نوچنے کے لیے مختلف قسم کے طاقت ور لوگ جھپٹ پڑتے ہیں اور ریاست کا نظام مدد کرنے کی بجائے انہیں تنہا چھوڑ دیتا ہے اور تب یہ غیر محفوظ مخلوق در بدر ذلت و رسوائی اٹھاتے اٹھاتے یا تو مر جاتی ہے یا جیل میں قیدی بنا لی جاتی ہے۔"

لڑکی کی حیرانی اور بھی بڑھ جاتی جب وہ دل ہی دل میں تجزیہ کرتی کہ جن مذہبی راہنماؤں نے خود اس کے خلاف فتویٰ دے رکھا ہے وہ ان

شخصیات میں جرائتیں اور نہ ہی آگہی پیدا ہونے دیتے ہیں اور انہیں زندگی کی حسین عنایتوں سے محروم رکھنا چاہتے ہیں مگر تضاد یہ ہے کہ خود انہی سے بہرہ مند اور سرفراز ہونا اپنا حق سمجھتے ہیں۔"

"لڑکی کئی بار اپنی اس طرز کی دلیلوں کو بے کار خیال کرتی کیونکہ اس کا مشاہدہ تھا کہ یہ لوگ خود بھی تو حسین و جمیل انداز حیات سے بے بہرہ ہیں اور انہیں تو خود خبر نہیں کہ انسان کیونکر احسن التقویم ہے اور اسی وجہ سے وہ خود ایسی زندگی کی تمنا کیے رہتے ہیں جو بلند اور حسین جذبوں سے عاری ہوتی ہے اور اسی ہٹ دھرمی کی بناء پر وہ معاشرتی اور نفسیاتی طرز کی پاکیزہ و حسین مسرتوں سے محروم رہتے ہیں۔ چنانچہ ان جیسوں کا لایا ہوا نظام زندگی تو بہت جلد انسانوں کے لیے سوہان روح بن کر رہ جاتا ہے' اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بعض دیگر مذاہب کی طرح اس زندگی کو گناہوں کی سزا سمجھتے ہیں اور یوں اس زندگی کو پھیکا اور بے رنگ کر دینے پہ یقین رکھتے ہیں۔

اس کی رائے تھی کہ:

"لوگ دین اسلام سے زیادہ دیگر مذاہب سے متاثر ہیں اور انہوں نے انہی کا رنگ اور نظریہ اپنا رکھا ہے۔"

لڑکی دیر تک افسردہ و پژمردہ رہتی کیونکہ جیل میں بند خواتین مسلمان تھیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہی ظلم و جبر کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ یہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھی کہ مسلمان غیر مسلموں کے ہاتھوں زوال اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے تھے۔ وہ اس پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھی کہ مسلمان شعوری طور پر ذلت کو پسند کرنے لگے ہیں اور اسی وجہ

سے انہوں نے وہ طریقے اپنا رکھے ہیں جن سے افراد اور اقوام رسوا ہو کر رہ جاتی ہیں۔

لڑکی کا یہ نظریہ تھا کہ:

"جو قوم' قبیلہ خاندان یا افراد جتنا جتنا عورت کو محترم کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی وہ خود محترم ہو جاتے ہیں اور جس حد تک وہ عورت کو رسوا کرتے ہیں اسی حد تک وہ خود رسوا ہو جاتے ہیں۔ لڑکی قوموں کے عروج و زوال کے سلسلے میں اپنے طویل مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کو رسوا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ خود رسوا نہ ہونا چاہے اور کوئی قوم کسی دوسری قوم کو غلام نہیں بنا سکتی جب تک کہ وہ خود غلام بننا نہ چاہے۔"

جیل میں بعض قیدی خواتین کیونکہ لڑکی کی شخصیت سے ناواقف تھیں اس لیے شروع میں بعض عادی مجرم عورتوں نے اس سے کرخت سا سلوک روا رکھنے کی کوشش کی لیکن ان سب سے لڑکی کیونکہ زیادہ طاقتور اور دانش مند تھی اس لیے تمام خواتین اس کی گرویدہ اور پیروکار ہو گئیں۔

لڑکی کا وہی معمول تھا جو کسی بھی بہترین و جمیل اسلامی مجاہدہ کا ہوتا ہے۔ اسے دیکھ دیکھ کر دیگر خواتین نے بھی ویسے ہی معمولات اپنا لیے۔

لڑکی ان کو بتلایا کرتی کہ:۔

"قرآن کس طرح بے محترم انسانوں کو محترم اور کمزوروں کو طاقت ور بنا دیتا ہے۔"

لڑکی انہیں بلا تامل یقین دلاتی کہ:

"فرد جب تک خود کمزور و مجرم' بدکار و گنہگار نہ ہونا چاہے اس وقت تک کوئی نظام یا فرد اسے گنہگار و کمزور نہیں کر سکتا۔"

وہ انہیں یہ بھی بتلایا کرتی کہ:

"خواتین خاص کر' کس طرح بہت جلد اپنے جسم و ذہن کو بدصورت بنا دیتی ہیں اور یوں وہ دوسروں کے دل و دماغ سے اتر جاتی ہیں۔"

لڑکی کا کہنا تھا کہ:

"اگرچہ عورت کائنات کی حسین ترین مخلوق ہے لیکن وہ اپنی کاہلی' ضد' ہٹ دھرمی' بے وقوفی' لالچ' خوف' خود غرضی' چغلی' غیبت' کنجوسی' تنگ نظری اور مکروہ و بگڑے ہوئے فیشن اپنانے سے قابل نفرت چیز بن کے رہ جاتی ہے۔"

لڑکی انہیں یہ بھی آگاہی دینے کی کوشش کرتی کہ:

"دنیا کا کوئی مرد بگاڑے ہوئے جسم و حلیے والی عورت سے محبت نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ کسی ایسی عورت کو چاہت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے جو کرخت لہجے میں رچے ہوئے فضول اور بے جا دلائل دینے کی عادی ہو۔"

لڑکی انہیں یقین دلایا کرتی کہ:

"عام طور پر کوئی عورت پیدائشی بدصورت و قابل نفرت نہیں ہوتی۔ یہ بدصورتی عورت اپنے نکمے پن اور اپنی عقل کو استعمال نہ کرنے کی وجہ سے پیدا کر لیتی ہے اور جو اسلامی طریق کے مطابق پاکیزگی' جذبہ قربانی' مسلسل محنت و جدوجہد اور بہترین گفتگو کو اپنا شعار بنا لیتی ہے وہ کبھی بدصورت اور بے محترم نہیں ہوتی۔"

لڑکی کے طریق کار نے جیل کا سماں بدل کے رکھ دیا اور جیل کا چھوٹا عملہ خود بھی اس کی محفل میں بیٹھنے کے لیے کشاں کشاں کھنچا چلا آتا' اور یوں ہوتے ہوتے جیل کے اندر یا باہر کام کرنے والے اس کے آس پاس رہنا زیادہ باعث عزت و شرف گردانتے۔ اس بڑھتی ہوئی عزت و تکریم کی وجہ سے لڑکی کو تنگ کوٹھری سے نکال کر جیل کے اندر پچھلے والے حصے میں لے جایا جاتا جو ذرا زیادہ کشادہ تھا اور جہاں قیدی خواتین اور عملے کے کچھ لوگ اس کے گرد گھیرا بنائے بیٹھے رہتے اور اس سے حسین تر زندگی کا علم حاصل کرتے۔ عملے والوں نے اپنی ہوشیاری سے یہ اوقات اس طرح چن رکھے تھے کہ اس دوران بڑے عہدوں والے چھٹی کر کے اپنے گھروں کو جا چکے ہوتے تھے۔

ہوسٹس اور تیسرا ساتھی اپنی بار بار کی کوشش کے باوجود ابھی تک جیل میں لڑکی کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہے تھے۔ جب بھی وہ واردات کی غرض سے لڑکی تک رسائی حاصل کرتے تب ہی لڑکی کے ارد گرد بہت سے لوگ پروانوں کی طرح پہلے سے ہی جمع ہوتے اور وہ انہیں بلند تر قرینہ زندگی سے آگاہ کرنے میں مصروف ہوتی۔

تیسرا ساتھی اور ہوسٹس دونوں اس بات سے خوف زدہ تھے کہ:

"ذرا سا بھی سامنے آنے پر لڑکی انہیں پہچاننے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرے گی اور یوں وہ اپنی جان سمیت انہیں بھی ہلاک کروا دے گی۔"

چنانچہ وہ بڑے ہی محتاط انداز سے اس تک رسائی حاصل کرنے میں مصروف رہتے۔

ہوسٹس نے ایک روز ناکامی کے بعد تجویز دی کہ:

"عملے کے کسی فرد کو خریدا جائے اور اس کے ذریعے واردات کی جائے۔"

لیکن تیسرے ساتھی نے اس تجویز کو اس بناء پر مسترد کر دیا کہ:

"چھوٹے عملے میں سے لڑکی کے خلاف کسی کو بھی خریدا جانا محال نظر آتا ہے کیونکہ پہلے ہی ان کی طرف سے لڑکی تک پہنچنے میں کافی تاخیر ہو چکی ہے اور لڑکی روز بروز جیل میں ہی ہر دلعزیز ہو کر اپنے گرداگرد ایک لحاظ سے مضبوط حصار کی مالک ہوتی جا رہی ہے۔"

تیسرے ساتھی کا یہ بھی کہنا تھا کہ:

"بڑے عملے میں کسی کا خریدا جانا بھی بے سود ثابت ہو گا کیونکہ لڑکی کی بستی کے لوگوں نے پہلے ہی آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے اور انہوں نے جیل کے بعض بڑے اختیارات والے عہدیداروں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ بلکہ معلوم یہ ہو رہا ہے کہ روزانہ کے احتجاج کی وجہ سے حکومت بہت جلد مداخلت کر کے لڑکی کے مقدمات کی کاروائی شروع کروا دے گی۔"

ہوسٹس نے اسی دوران ایک دوسری تجویز دی کہ:

"کیوں نہ مقدمات کی کاروائی کا انتظار کیا جائے اور اس دوران لڑکی کو جب جیل سے عدالت میں یا عدالت سے جیل میں لایا جا رہا ہو تو اسے دور سے ہی فائر کر کے ہلاک کر دیا جائے۔"

تیسرے ساتھی کو یہ تجویز زیادہ قابل عمل اور بہتر معلوم ہوئی اور اس نے اس کاروائی کے لیے مزید چند روز انتظار کرنے کا ارادہ کر لیا۔

کچھ دنوں کے بعد لڑکی کے خلاف تیار کیے گئے مقدمات کی کاروائی کا اعلان ہو گیا۔ بعض صحافیوں نے مقدمات کی کاروائی سننے کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بعض بڑوں نے اگرچہ ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ

عدالتی کاروائی بند کمرے میں ہی جاری رہے مگر مقدمات کی نوعیت دیکھتے ہوئے عدالت نے بہت سے صحافیوں کو اجازت دے دی کہ مشروط طور پر کاروائی سن سکتے ہیں یعنی وہ اپنی رپورٹوں کو چھاپنے سے پہلے متعلقہ عدالت سے اجازت حاصل کریں گے۔ پہلے مرحلے میں عدالت نے روزانہ کاروائی جاری رکھنے کا عندیہ دیا۔

(32)

یہ ایک جدید عدالتی کمرہ تھا اور اس میں کاروائی سننے کے لیے متعدد افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ نشستوں تک ایسی سہولیات کا انتظام تھا کہ ملزم' وکلاء اور جج صاحبان کی آواز باسانی حاضرین تک پہنچتی تھی۔ صحافیوں کے لیے ان کی ضروریات اور سہولیات کو مدنظر رکھ کر نشستوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس کمرے سے منسلک ایک ایسی لائبریری کا اہتمام تھا جس میں عمومی حوالوں کے لیے کتابیں میسر ہوتی تھیں۔ لڑکی کے خلاف مقدمات کو نپٹانے کی غرض سے جج صاحبان کا پینل ترتیب دیا گیا تھا جس میں بینچ کے طور پر تین جج صاحبان کا تقرر کیا گیا تھا۔

عدالتی کاروائی چھٹی کے اگلے روز شروع ہوئی۔ جو وکلاء لڑکی کے خلاف مقدمات کی تیاری کر کے آئے تھے وہ اپنی شہرت کے لحاظ سے موثر ترین جانے جاتے تھے اور چند ہی پیشیوں میں اپنے مقدمات جیت جایا

کرتے تھے۔

انہوں نے بڑے شستہ اور منظم انداز سے لڑکی کے خلاف اپنے دلائل کی ابتداء کی:

وہ ایک ایک کر کے اپنے دلائل پیش کرتے رہے اور باری باری بڑی روانی اور مہارت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے جا رہے تھے کہ لڑکی کسی بھی طور معاف یا بری کیے جانے کے قابل نہیں۔

لڑکی اپنے پروقار لباس اور آدھے چہرے پر پردہ لیے کٹہرے میں کھڑی ان کے دلائل سنتی رہتی۔

اور جرح کے جواب میں کبھی کبھی کہہ دیتی کہ:

"یہ جھوٹ ہے" اور "غلط" ہے۔

البتہ زیادہ دیر وہ خاموش رہتی۔ جو گواہ اس کے خلاف پیش کیے گئے' انہوں نے بڑھ چڑھ کر ایسے ایسے فرضی بیانات دیے اور واقعات پیش کیے کہ لڑکی حیرت زدہ رہ جاتی۔ بعض مذہبی راہنماؤں نے بھی اس کے خلاف بیانات دیے اور اپنے بیانات کے دوران ہی بعض اوقات اس پر نفرین بھیجنے اور اسے دین' معاشرے اور حکومت کے خلاف فساد پھیلانے والی قرار دیتے۔ بعض اخبارات جن کی پالیسی بعض بااثر شخصیات کے حق میں تھی انہوں نے بڑی ہوشیاری سے لڑکی کے خلاف کالم لکھے۔

ایک اخبار نے اپنے تجزیاتی کالم کی سرخی لگائی کہ:

"لڑکی کا اصلی چہرہ"

اس کالم میں اس نے لکھا کہ:

"اگرچہ لڑکی کے خلاف مقدمات کی کاروائی جاری ہے اور اس کے بارے

میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ البتہ قرائن بتاتے ہیں کہ لڑکی اپنے کیے کی
سزا سے نہیں بچ سکے گی کیونکہ دیہاتی علاقے کے جن بھولے بھالے لوگوں
کو گمراہ کر کے اس نے وہاں کے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی ہے
وہ بذات خود کسی سے چھپی نہیں، حتیٰ کہ لڑکی نے نہ صرف اپنی دیدہ دلیری
سے وہاں کی درگاہ کے مقدس پیشوا کے خلاف مہم چلانے کی کوشش کی بلکہ
حکومت کی جانب سے علاقے کی فلاح و بہبود کے لیے مختص کی گئی رقم کو بھی
ایک سازش کے تحت واپس کروا دیا جس سے علاقے کے لوگ مزید خوشحالی
حاصل کرنے سے محروم ہو گئے۔ یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اگر اس
پاک سرزمین پر جو کہ اسلام کے نام پر حاصل کی گئی ہے اس پر ایسی خواتین
کی اس قسم کی سرگرمیوں کو پنپنے کا موقع دیا گیا تو پھر وطن عزیز کی سلامتی کا
خدا ہی حافظ ہے۔ پاکستانی عدالتوں کا نظام کیوں کہ کسی شک و شبہ سے بالا تر
ہے اس لیے عوام بڑی بے چینی سے ان مقدمات کے فیصلے کا انتظار کر رہے
ہیں۔"

عدالت میں سماعت کے روز ایک وکیل نے اخبار کا وہ تراشا بھی ثبوت کے
طور پر عدالت میں پیش کر دیا:

"مگر عدالت نے بجائے اس تراشے سے متاثر ہونے کے، اس کا سختی سے
نوٹس لیا اور اسے عدالت کی کاروائی میں مداخلت کے مترادف سمجھا"

اور تنبیہ کی کہ:

"جب تک مقدمات کی کاروائی جاری ہے اخبار والے اس قسم کے کالموں
کے لکھنے سے گریز کریں۔"

چند وکلاء کے دلائل سننے کے بعد اس روز عدالت نے اپنی کاروائی یہ کہتے

ہوئے ملتوی کر دی کہ:

"لڑکی اپنے اوپر الزامات کا جواب دینے کے لیے اپنے وکیل کو پیش
کرے۔"

جس دن سماعت شروع ہوئی تو عدالت نے آغاز ہی میں لڑکی سے استفسار کیا
کہ:

"آپ کی جانب سے وکیل صفائی کہاں ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا۔

جناب والا!

"میرے پاس پیسے نہیں ہیں کہ میں کسی وکیل کی فیس ادا کر سکوں اس لیے
میری جانب سے کوئی وکیل نہیں ہے۔"

عدالت نے کہا:

"اس سلسلے میں سرکاری وکیل آپ کا مقدمہ لڑے گا۔"

لڑکی نے کہا:

جناب والا! بعض قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے تو اس کا ہونا درست
ہے مگر وہ میرا موقف پیش نہیں کر سکے گا چنانچہ اس سلسلے میں میں اپنی
گزارشات خود پیش کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔"

عدالت نے کہا:

"وکیل بہتر طور پر موقف پیش کر سکتے ہیں۔"

لڑکی نے کہا:

"جناب والا! میرے مخالف وکلاء نے جو دلائل دیئے ہیں تو اگر میرے پاس
ان کی فیس ادا کرنے کے اخراجات ہوتے اور میں بڑھ کر ان کی فیس ادا کر

دیتی تو وہ میرے حق میں دلائل دیتے۔ مگر زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے میرے مخالفین سے جو سنا اسی کی بنیاد پر میرے خلاف دلائل تیار کر لیے لیکن وہ بذات خود تو ان حالات و واقعات کی روح سے آشنا ہی نہیں اور ان کے درد و احساس سے گزرے ہی نہیں جو انہیں سچا موقف پیش کرنے کی جانب راہنمائی کرتے۔ اسی لیے بھی میں اپنا موقف کسی وکیل کے ذریعے پیش نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں خود اپنا موقف پیش کروں اور وہ سچائی پیش کرنے کی کوشش کروں جو بعض اوقات الفاظ و دلائل کے الجھیڑوں میں دب کر رہ جاتی ہے۔"

عدالت نے اگرچہ سرکاری وکیل کو لڑکی کی معاونت کی ہدایت کی مگر لڑکی کے دلائل سے قائل ہو کر اسے اپنا موقف بذات خود پیش کرنے کی بھی اجازت دے دی۔

عدالت کی کاروائی کے دوران بعض بڑے بڑے حاضر رہتے تھے اور عدالت کی کاروائی بہت انہماک سے سنتے تھے۔ اب تک کی کاروائی میں صرف ان کی جانب سے ہی دلائل دیے گئے تھے اور گواہوں نے بڑی ہوشیاری سے بعض بڑوں کے موقف کو متاثر کن بنا دیا تھا۔

وہ بڑے اشخاص اس بات پر بہت زیادہ خوش تھے کہ لڑکی بے یار و مددگار رہ گئی ہوئی ہے اور اس کی جانب سے کوئی بڑا وکیل نہیں جو ان کے وکلاء کا مقابلہ کر سکے۔ انہیں اس بات سے بھی اطمینان تھا کہ لڑکی کی جانب سے کوئی بھی گواہ پیش نہیں ہو سکے گا کیونکہ علاقے کے لوگوں کے شدید احتجاج کے پیش نظر انہوں نے حکومت سے کہلوا کر اس علاقے میں بہت زیادہ پولیس کی نفری تعینات کروا دی ہوئی تھی تاکہ جب تک عدالت کی

کاروائی جاری رہے علاقے کے لوگ عدالت میں آ کر شور شرابہ نہ کر سکیں۔"

اسی طرح درگاہ کے پیر اور بعض نام نہاد مذہبی راہنماؤں نے لڑکی پر جو الزامات لگا رکھے تھے اس کے نتیجے میں ان کے بہت سے پیروکار نفرین بھیجتے نہیں تھکتے تھے اور وہ اتنے جذباتی ہو چکے تھے کہ اگر ان کا بس چلتا تو وہ لڑکی کو عدالت سے نکال کر سربازار سنگسار کر دیتے۔ وہ سبھی پیروکار لڑکی کے حق میں ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں تھے۔ ایک بار کسی اخبار نے لڑکی کے حق میں کالم لکھا تو انہوں نے اس کے دفتر کو باقاعدہ آگ لگانے کی بھی کوشش کی جو کسی طرح سرے نہ چڑھ سکی اور پولیس نے موقع پر پہنچ کر دفتر کو محفوظ کر لیا۔

جس دن لڑکی نے اپنا موقف پیش کرنا تھا' اس دن تو صبح ہی سے عدالت کے احاطے کے باہر ان پیروکاروں نے لڑکی کے خلاف نعرے بازی شروع کر رکھی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ تو بڑھ بڑھ کر لڑکی کے خلاف سزائے موت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس دوران اگرچہ پولیس نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر وہ کوئی موثر کاروائی نہ کر سکی۔

کاروائی شروع ہوتے ہی لڑکی نے عدالت سے استدعا کی کہ:

"وہ لوگ جو اس کے خلاف نعرے لگا رہے ہیں انہیں بھی کاروائی سننے کی اجازت دی جائے۔"

لڑکی نے اپنی استدعا جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"مسلمانوں کے بعض طبقوں کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ اپنے

مخالف فریق کو صفائی کا موقع دیے بغیر اس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور سزائے موت کا مطالبہ کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے تنگ و تاریک شعور کی بناء پر اس حد تک تنگ نظر اور متعصب ہو چکے ہوتے ہیں کہ جب وہ کسی کو برا سمجھ بیٹھتے ہیں تو پھر اس کے حق میں ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔

جناب والا!

"مجھے یقین ہے کہ میرے خلاف نعرے بازی کرنے والے ان سادہ و معصوم لوگوں میں سے ہیں جنہیں بعض نام نہاد مذہبی راہنما' شعلہ بیاں مقرر اور اس طرح کے دیگر لوگ اپنے مفادات کے بدلے جذباتی بنائے رکھتے ہیں۔ لہٰذا عدالت سے میری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو بھی عدالت کی کاروائی سننے کی اجازت دی جائے۔"

لڑکی کی جانب سے اٹھائے جانے والے نکات غور طلب تھے چنانچہ جج صاحبان نے غور و خوض کے لیے کچھ توقف کیا۔ اسی دوران بڑے اشخاص جو لڑکی کے خلاف مقدمات میں پارٹی تھے انہوں نے بھی اپنے وکلاء سے مشورہ شروع کر دیا کہ کیا ان لوگوں کا عدالت میں حاضرین کے طور پر موجود ہونا سود مند ہو گا؟"

وکلاء کا کہنا تھا کہ:

"لڑکی میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ وہ اپنا دفاع کر سکے کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے بڑے بڑے سر جھکا دیتے ہیں بلکہ لڑکی نے مخالفین کو عدالت میں حاضرین کے طور پر لانے کی اجازت حاصل کر کے ایک لحاظ سے اپنی ہی رسوائی کا سامان پیدا کیا ہے۔"

ایک دوسرے وکیل نے کہا:

"یہ درگاہ کے پیر کی کرامت ہے جس نے عین موقع پر لڑکی کی سمجھ مار کے رکھ دی ہے۔"

ایک اور وکیل نے سگار کا کش لگاتے ہوئے کہا:

"کمال ہے! یہ استدعا تو ہمیں کرنی چاہیے تھی کہ نعرے لگانے والوں کو بھی عدالت میں حاضری کی اجازت دی جائے کیونکہ ایک لحاظ سے وہ ہمارے ہی خاموش اور غیر نامزد گواہان ہیں۔"

بڑے اشخاص' درگاہ کے پیر اور گاڑی والے نے ان کی باتوں پر واہ وا کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے ایسے ہی چن کر آپ لوگوں کو اپنا وکیل نہیں کیا!"

پہلے والے وکیل نے ساتھ بیٹھے ہوئے چند نام نہاد مذہبی راہنماؤں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اصل میں یہ سارا کمال ان کا ہے کہ جن کے ایک اشارے پر باہر نعرے لگانے والے اپنی جانیں دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔"

ایک بڑے شخص نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"مر تو اس لڑکی نے ویسے بھی جانا تھا مگر عدالت سے ملی ہوئی سزائے موت زیادہ دلچسپ اور موثر ہو گی کیونکہ ہمارے علاقوں کے لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ:

"ہمارے خلاف بغاوت کا انجام کیسا ہوتا ہے۔"

عدالت کے جج صاحبان غور و خوص کے مطابق اس نتیجے پر پہنچے کہ:

"اگر لڑکی کے فریق مخالف کو اعتراض نہ ہو تو باہر کھڑے نعرے لگانے والے پیروکاروں کو عدالت میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔"

فریق مخالف نے کوئی اعتراض نہ کیا تو عدالت نے ان لوگوں کو بھی مشروط طور پر کاروائی سننے کی اجازت دے دی' یعنی یہ کہ ان کی موجودگی کسی طور بھی کاروائی میں مخل نہیں ہو گی اور جو کوئی عدالت کا تقدس پائمال کرنے کی کوشش کرے گا اسے چھ ماہ کی سزا دی جائے گی۔

عدالت کے ایک نمائندے نے احتجاج کرنے والوں کو عدالت کی اس رعایت سے آگاہ کیا۔ چنانچہ ان لوگوں کی جامہ تلاشی کے بعد انہیں پہلے سے عدالت میں بیٹھے ہوئے حاضرین میں بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی اور وہ پچھلی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ وہ سب لوگ کٹہرے میں کھڑی لڑکی کو قہر زدہ نظروں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔

عدالت کی باقاعدہ کاروائی شروع ہوئی تو عدالت نے لڑکی سے استفسار کیا کہ:

"آپ پر پہلا الزام یہ ہے کہ:

"آپ نے فلاں علاقے کے لوگوں کو گمراہ کر کے وہاں کے بڑے شخص کو رسوا کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں ایک پولیس کا سپاہی مارا گیا۔"

کاروائی سننے والے دم بخود بیٹھے تھے۔ یہ ایک ایسا الزام تھا جسے اگر لڑکی نہ جھٹلا سکی تو قتل یا اشتعال قتل کے الزام میں سزائے موت یقینی تھی۔ اس الزام کے سلسلے میں پہلے سے ہی بہت سے گواہان نے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ پولیس کے سپاہی کا قتل لڑکی کے لوگوں کو اشتعال دلانے کی بناء پر ہوا تھا۔

لڑکی نے تحمل سے الزام سنا اور بڑے اطمینان سے اس کا جواب دینے کی کوشش کی۔

لڑکی کا کہنا تھا کہ:

"اصل میں وہ سپاہی مجھے بستی کے لوگوں کی سنگ باری سے محفوظ کر لینا چاہتا تھا کیونکہ اس وقت تک وہ سبھی لوگ فلاں بڑے کے زیر اثر غلاموں کے طور پر جی رہے تھے اور اس کے اشارے پر ہر کام کر گزرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اگر وہ اس کی فرمانبرداری نہ کرتے تو انہیں ظلم کا نشانہ بننا پڑتا اور جس بیگار کیمپ میں مجھے رکھا گیا تھا اس میں ان سب کو دفن کر دیا جاتا۔"

بڑے وکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"لڑکی ایک فرضی داستان سے مقدمے کا رخ موڑنا چاہتی ہے اور ایسی داستان بیان کر کے عدالت کا قیمتی وقت ضائع کر رہی ہے۔"

لڑکی نے جواب دیتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"اس علاقے کے تمام لوگ اس واقعہ کے گواہ ہیں بلکہ اس وقت کی پولیس کی نفری جو وہاں موجود تھی وہ بھی اس حقیقت کی گواہ ہے۔"

وکیل نے پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"اس سلسلے میں پولیس کے مختلف لوگ پہلے ہی گواہی دے چکے ہیں اور رہا سوال علاقے کے لوگوں کی گواہی کا تو لڑکی عامیانہ بیان دے کر پورے علاقے کے لوگوں کو مشتعل کر کے پھر سے احتجاج کروا کر عدالت کے اندر اور باہر امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔"

لڑکی نے عدالت سے استدعا کی کہ:

"فاضل وکیل کو بار بار کی مداخلت سے باز رکھا جائے تاکہ وہ اطمینان سے
حالات و واقعات پر مبنی سچائیاں پیش کر سکے۔"

لڑکی نے عدالت سے یہ بھی استدعا کی کہ:

"اسے مخالفین کے گواہان پر جرح کی اجازت دی جائے۔"

اجازت ملنے پر لڑکی نے علاقے کے اسی بڑے شخص کے بیٹے کو
سوالوں کا سامنا کرنے کے لیے بلایا۔

لڑکی نے اس سے سوال کیا:

"آپ اپنے بیان میں کہہ چکے ہیں کہ آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر سچ کہیں
گے۔ یہ ایک بہت بڑا حلف ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا واقعی آپ نے عدالت
کے سامنے سچے بیانات دیے ہیں۔"

بڑے شخص کے بیٹے نے بلا تامل کہا کہ:

"ہاں"

لڑکی نے استفسار کیا کہ:

"کیا آپ اور آپ کے فلاں فلاں ساتھی فلاں تاریخ کو مجھے گھسیٹتے ہوئے
اپنے بیگار کیمپ میں نہیں لے گئے تھے حالانکہ میں نے آپ لوگوں کو صرف
اتنا کہا تھا کہ بے سہاروں پر ظلم نہ کیا کرو۔"

بڑے شخص کے بیٹے نے کہا:

"یہ جھوٹ ہے"

لڑکی نے پھر سوال کیا کہ:

"کیا آپ نے گورکن اور اس کی بیوی کو سزا کے طور پر زندہ جلانے کے
لیے ان کے گھر کو آگ نہیں لگا دی تھی کیونکہ آپ لوگوں کو شک تھا کہ

جس شخص کو آپ نے تاوان کے لیے اغوا کیا تھا اسے گورکن اور اس کی
بیوی نے فرار کروایا تھا۔"

بڑے شخص کے بیٹے نے کہا:

"یہ جھوٹ ہے"

لڑکی نے آنکھیں میچ لیں اور حیرت زدہ ہو کر کہا کہ:

"یہ لوگ اللہ کو حاضر ناظر جان کر بھی سچائی کو جھٹلاتے ہیں! یہ کس قسم کے
لوگ ہیں! اور کس قسم کے مسلمان ہیں؟"

وکیل نے پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"لڑکی اس گواہ کو خواہ مخواہ پریشان کر کے مختلف مقدمات میں ملوث کرنا
چاہتی ہے تاکہ یہ گھبرا کر اپنا بیان بدل دے۔"

لڑکی نے آنکھیں کھولیں اور پھر اسی سے استفسار کیا کہ:

"کیا بیگار کیمپ میں اگلے ہی روز فلاں تاریخ کو آپ نے کوڑوں
کے ساتھ مجھے مارنے کی کوشش نہیں کی؟ مگر میں نے اسی کوڑے سے آپ
کی پشت پر بے حساب ضربیں لگائیں"

بڑے شخص کے بیٹے نے کہا:

"یہ جھوٹ ہے۔"

لڑکی نے عدالت سے استدعا کی کہ:

جناب والا!

"اس کی پشت پر ابھی تک وہ نشانات موجود ہوں گے جنہیں دیکھا جا سکتا
ہے، بلکہ عدالت ان کا معائنہ کروا سکتی ہے۔"

وکیل نے پھر مداخلت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"لڑکی کی جانب سے یہ ایک اور لغو اور فرضی واقعہ گھڑنے کی کوشش ہے کیونکہ اگر ایسے نشانات ہوں بھی تو ان کا تعلق لڑکی سے نہیں۔"

حاضرین میں بہت سے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ لڑکی کے لہجے اور واقعات کے تسلسل میں سچائی محسوس ہوتی ہے جب کہ بڑے شخص کا بیٹا بغیر کسی دلیل کے صرف سیکھے سکھائے الفاظ یعنی "یہ جھوٹ ہے" کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

عدالت نے حکم دیا کہ:

"گواہ کی پشت کو دیکھا جائے"

معائنہ کرنے پر صاف نظر آیا کہ اس کی پشت پر بہت ہی ہلکے نشانات موجود تھے جو بظاہر کوڑوں کے ہی لگ رہے تھے۔

عدالت نے استفسار کیا کہ:

"ان نشانات کا پس منظر کیا ہے؟"

بڑے شخص کا بیٹا اور ان کا وکیل قطعی طور پر لڑکی کے اس سوال کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ انہیں اچانک اس سوال سے واسطہ پڑا تھا۔

بہرحال لڑکے نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ:

"یہ نشانات اس کے باپ کی ایک دفعہ دی گئی سزا کی وجہ سے موجود ہیں"

لڑکی نے پھر استفسار کیا کہ:

"مجھے ان نشانات کا علم کیوں کر ہے۔"

"عدالت نے لڑکی کے اس سوال کو بہت اہمیت دی۔"

بہت سے صحافی لڑکی کی جرح پر دل ہی دل میں عش عش کر اٹھے۔ بڑے شخص کا بیٹا اس سوال کا جواب تسلی بخش نہ دے سکا مگر عدالت نے اس کے جواب کو ریکارڈ کر لیا۔

پہلے ہی گواہ کے جھٹلائے جانے کی بناء پر صاف ظاہر تھا کہ لڑکی کے خلاف لگایا گیا الزام ہر لحاظ سے جھوٹ پر مبنی ہے بلکہ بڑا شخص اور اس کا بیٹا بذات خود اسی الزام کی گرفت میں آنے والے تھے۔

عام حاضرین حیران تھے کہ:

"ایک خاتون جتنے اعتماد اور سلیقے سے گفتگو کر رہی تھی اتنی متاثر کن تو مخالفین کے وکلا بھی نہ کر سکے تھے۔" لڑکی کے واقعات کے دہرانے سے بعض لوگوں کے دل میں کچھ بہتر قسم کا احساس بھی پیدا ہوا۔

مخالفین کے چوٹی کے وکلاء نے انہیں یقین دلایا کہ:

"گواہان نہ ہونے کی بناء پر لڑکی بہتر طور پر اپنا دفاع نہیں کر سکے گی کیونکہ وہ صرف ایک ہی مقدمے میں نہیں بلکہ بہت سے مقدمات میں ملوث ہے اور خاص کر جب اس کے خلاف مذہبی گمراہی کو ثابت کر دیا جائے گا تو پھر ملک میں اسے کہیں بھی پناہ نہیں مل سکے گی۔"

عدالت نے لڑکی کو پھر یاد دلایا کہ:

"اسے عدالت میں اپنے دفاع کے لیے گواہوں کو پیش کرنا پڑے گا لہٰذا ان کی فہرست عدالت کو فراہم کی جائے۔"

عدالت کی اس یاد دہانی پر بڑے اشخاص کے چہروں پر رونق سی آئی۔ ان کے وکلاء نے بڑھ بڑھ کر عدالت کی یاد دہانی کو عین قانون کے

مطابق قرار دیا۔

اور مطالبہ کیا کہ:

"جناب والا!

"ابھی تک لڑکی صرف زبانی جمع خرچ کا سہارا لیتی رہی ہے اور اپنے موقف کے حق میں کوئی مستند گواہ پیش نہیں کر سکی۔"

لڑکی بار بار سوچتی کہ:

"کس کس بات کے لیے کس کس کو گواہ کے طور پر پیش کرے۔ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ بستی کے لوگ اپنی سچائیوں کی بناء پر انتہائی معصوم ہیں اور یہ وکلاء چند لمحوں میں انہیں جھوٹا ثابت کر دیں گے۔ اسے بہت سے حکومت کے کارندوں کے چہرے یاد آئے جو حالات و واقعات سے پوری طرح آگاہ تھے مگر ان میں سے کوئی بھی ان مقدمات میں پیش ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ تنہا بے سہارا اس کٹہرے میں کھڑی آدھے چہرے پہ نقاب لیے اپنے دل میں اپنے اللہ کو پکار رہی تھی کہ:

اے پروردگار!

"اس سلطنت میں کتنے ہی لوگ عدالت میں تیرا نام لے کر باطل کی پرستش کرتے ہیں اور کامران رہتے ہیں۔ مگر اے عادلوں کے عادل! دنیا والوں کی نظر میں میں تو بالکل بے سہارا اور بے یارو مددگار ہوں وہ مجھے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ میری سچائیوں کی آواز ان کی روحوں تک پہنچتے پہنچتے راستوں میں ہی تحلیل ہو کے رہ جاتی ہے۔ اے جہانوں کے مالک! میرا سہارا تو تو ہی ہے"

اگلی سماعت کے دوران عدالت نے لڑکی کے سامنے اس پر لگائے گئے دیگر

الزامات بھی پڑھ کر سنائے۔

"جس میں حکومت کی فلاح و بہبود کے لیے دی گئی رقم کو واپس کرنے اور بغاوت جیسے مقدمات بھی تھے۔"

عدالت نے لڑکی کو اجازت دی کہ:

"وہ مخالفین کے مزید گواہوں پر جرح کر سکتی ہے اور اس کی تیاری کے لیے اسے مزید وقت دیا جا سکتا ہے۔"

اگلی کارروائی کے دوران بھی حاضرین انگشت بدنداں تھے اور بہت سے لوگ تذبذب کا شکار تھے۔ لڑکی کا وقار اور پاکیزگی اس کے اظہار اور سراپے سے عیاں تھی۔ لڑکی ابھی تک خاموش تھی۔

مخالفین کے ایک وکیل نے بڑھ کر کہا:

جناب والا!

"لڑکی کے پاس کہنے کے لیے اور کچھ نہیں۔ جتنا کچھ اسے کہنا تھا وہ کہہ چکی" اس لیے استدعا ہے کہ دو ایک تاریخوں کے بعد معزز عدالت اپنا فیصلہ سنا دے۔"

عین اسی دوران چند نشستیں چھوڑ کر پچھلی جانب سے ایک بزرگ سا آدمی اپنی چھڑی زمین پر ٹیکتے ٹیکتے آگے بڑھا اور عدالت کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا:

جناب والا!

"میں اس ملک کا ایک عام شہری ہوں اور ان مقدمات کی حقیقت سے واقف ہوں۔ میں کٹہرے میں کھڑی لڑکی سے بھی بہت زیادہ واقف ہوں۔ اگر عدالت اجازت دے تو وہ انصاف تک پہنچنے کے لیے رضاکارانہ طور پر

عدالت کی مدد کرنے کو تیار ہے۔"

حاضرین عدالت اس شخصیت کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور حیرت زدہ ہو گئے۔ اصل میں وہ شخصیت ملک کے بڑے بڑے سرمایہ داروں میں سے ایک تھی جو اپنے بہترین کردار و افعال کی وجہ سے ملک کے اچھے اور بڑوں کی نگاہ میں عزت و تکریم سے جانی پہچانی جاتی تھی۔

عدالت نے کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد اس شخص کو اجازت دے دی اور وہ چند لمحوں بعد خود گواہی کے کٹہرے میں آکھڑا ہوا۔

اس نے عدالت کو ادب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"فلاں سال اور فلاں تاریخ کو مجھے اغوا کیا گیا۔ اس اغوا کی ایف آئی آر فلاں شہر کے فلاں پولیس اسٹیشن میں لکھوائی گئی۔ اغوا کیے جانے کے بعد مجھے فلاں علاقے کے فلاں گھر میں رکھا گیا۔ اس وقت تک مجھے علم نہیں تھا کہ کن لوگوں نے مجھے اغوا کر رکھا تھا۔ وہ مجھ سے ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کرتے اور کہتے کہ "میں اپنے گھروالوں سے کہوں کہ یہ رقم انہیں ادا کر دی جائے۔" میرے لیت و لعل کرنے پر انہوں نے دو راتیں مجھ پر بہت زیادہ تشدد اور ظلم کیا۔ مجھ پر جو پہرے دار مقرر کیا گیا تھا وہ بہت طاقت ور نوجوان تھا۔ اسے حکم دیا گیا تھا کہ مار مار کر مجھے مار دیا جائے۔"

اسی دوران ایک وکیل نے مداخلت کرتے ہوئے عدالت سے استدعا کی کہ:

جناب والا!

"لڑکی پر بغاوت کا الزام ہے جس کا فاضل بزرگ کے اغوا سے کہیں دور کا تعلق نہیں۔ ہم فاضل بزرگ کا ہر طور احترام کرتے ہیں مگر

عدالت کا اغوا و تاوان کے مقدمے سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ یہ سراسر فاضل عدالت کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"فاضل بزرگ کا تعلق فلاں بڑے شہر سے ہے اور لڑکی کا تعلق سینکڑوں میل دور ایک ایسی بستی سے ہے جس کا اس شہر سے کسی بھی حوالے سے تعلق نہیں۔ چنانچہ عدالت کی مدد کرنے کی بجائے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ فاضل بزرگ ایسی داستان سنا بنا کر مقدمات کی نوعیت کو خراب کر سکتے ہیں۔ اور عدالت بجائے سچائی تک پہنچنے کے مزید الجھائی جا سکتی ہے۔ اس لیے معزز عدالت سے درخواست کی جاتی ہے کہ فاضل بزرگ کو مقدمے کی پیروی میں بے مقصد مداخلت سے باز رکھا جائے اور صرف لڑکی کو ہدایت کی جائے کہ اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتی ہے تو ضرور کہے' ورنہ خواہ مخواہ فاضل عدالت کا وقت نہ ضائع کیا جائے۔"

وکیل کے اعتراض پر عدالت نے استفسار کیا کہ:

"آپ کے اغوا اور تاوان کا مقدمہ زیر سماعت سے کیا تعلق ہے کیونکہ آپ کو اس کے لیے علیحدہ مقدمہ لڑنا چاہیے اور جو بھی حقائق ہوں انہیں مناسب وقت پر گواہان کے ساتھ عدالت کے روبرو پیش کرنے چاہئیں۔"

بزرگ نے جواب دیا:

جناب والا!

"لڑکی کے خلاف تمام مقدمات کا تعلق ہی میرے اغوا اور تاوان سے ہے۔ دراصل یہ اسی لمحے کا نتیجہ ہے جو یہ لڑکی آج اس کٹہرے میں

کمزری طاقت، ساز حق اور جھوٹ کے خلاف نبرد آزما ہے۔"

"بزرگ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے عدالت سے مزید استدعا کی کہ اسے اپنی بات کو ذرا تفصیل سے کہنے کا موقع دیا جائے تاکہ حقائق کو بہتر طور پر پیش کیا جا سکے۔"

عدالت کی اجازت کے بعد اس نے پھر سے کہنا شروع کیا:

جناب والا!

"تیسری رات کے شروع ہوتے ہی اس نوجوان نے مجھے پھر مارنا شروع کیا مگر کچھ ہی دیر بعد ایک خاتون چیتے کی طرح اندر داخل ہوئی اور اس نے مجھے مارنے والے نوجوان سے بندوق چھین کر اسے اتنا مارا کہ پچھلی دو راتوں کی کسر نکال دی۔ وہ نوجوان ادھ موا اس لڑکی کے قدموں پر پڑا رہا۔

لڑکی نے میری عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے بڑے ادب سے کہا:

"آپ فرار ہو جائیں۔"

میں نے اس سے پوچھا تھا:

"آپ کون ہو؟"

مگر اس نے مجھے اپنا اتہ پتہ بتانے سے انکار کر دیا۔

میں نے اس خاتون کو کہا تھا:

"کیا آپ جانتی ہو میں کون ہوں"

اس نے یہ کہتے ہوئے جاننے سے انکار کر دیا تھا کہ:

"میں جو کچھ کر رہی ہوں اللہ کی راہ میں کر رہی ہوں"

اور اس نے تقاضا کیا تھا کہ:

"میں فرار ہو جاؤں"

"میں باہر نکلا تو وہ علاقہ میرے لیے اجنبی تھا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا چلتا گیا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد معلوم ہوا کہ مارنے والے کو بھی لڑکی نے معاف کر دیا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر اس کی مجھ سے ملاقات ہو گئی اور پھر وہی نوجوان اپنی حفاظت میں مجھے کسی جگہ ایک گھر میں لے جا کر چھپ گیا۔

جب ہم چھپے ہوئے تھے تو اس نے بتلایا کہ:

"مجھے کس کے حکم سے اغوا کیا گیا تھا"

اس نے یہ بھی بتایا کہ:

"ہمیں فرار کرنے والی خاتون نتائج سے آگاہ نہیں کیونکہ ہمارے فرار کے نتیجے میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں گے"

"اسی دوران اس نوجوان نے علاقے کے لوگوں پر ہوتے ہوئے ایک ایک ظلم کی کہانی سنائی اور آگاہ کیا کہ بستی کا بڑا شخص کس کس طرح کمزور و بے آسرا اور غریب لوگوں پر ظلم کیا کرتا ہے۔"

اگلی صبح ہمیں خبر پہنچی کہ:

"بڑے شخص کے بیٹے نے اس گھر کو بھی جلا دیا ہے اور گھر کے مکینوں کو بھی مروا دیا ہے البتہ لڑکی کے مزاحمت کرنے کی وجہ سے اسے مارتے گھسیٹتے ہوئے ان کے اپنے بنائے ہوئے بیگار کیمپ میں لے جا کر پھینک دیا گیا ہے۔"

"میرے ساتھ چھپا ہوا نوجوان یہ سب کچھ سن کر بہت جذباتی و افسردہ ہو گیا۔

اس نے کہا کہ:

"ایک میں ہوں جو عمر بھر جانوروں کی طرح بڑے شخص کی غلامی کرتا رہا اور ایک وہ اجنبی لڑکی ہے جو سارا ظلم سہنے کے باوجود پہاڑ کی طرح ڈٹ گئی ہے "اس نوجوان نے بار بار مجھ سے بھی معاف کر دینے کی درخواست کی تھی۔"

ہم دونوں اس لڑکی کی طاقت' اعتماد' بہادری اور دانش سے بے انتہا متاثر ہوئے تھے۔ وہ نوجوان بار بار چاہتا کہ اپنے بعض ساتھیوں کو لے کر بیگار کیمپ تیار کرنے والوں کے پرخچے اڑا دے مگر وہ بڑے شخص کی طاقت کے سامنے بے بس تھا۔

حاضرین کے لیے یہ داستان بہت دلچسپ ہو چکی تھی اور ان میں سے بہت سے منتظر تھے کہ وہ بزرگ شخص اس لڑکی کا اتہ پتہ بیان کرے کیونکہ ان کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ سب لوگ اس تجسس میں تھے کہ:

"وہ اپنی داستان کا تعلق کٹہرے میں کھڑی لڑکی کے ساتھ بھی بتائے۔ کیونکہ اگر اس کی کہانی سچی تھی اور اس کا تعلق سامنے موجود لڑکی سے بھی تھا تو پورا مقدمہ اور عدالت کی کارروائی کوئی نیا رخ لے سکتی تھی اور وہ رخ یقیناً بستی کے بڑے شخص اور بیٹے کے خلاف ہوتا۔

ایک دوسرے بہت ہی شہرت یافتہ وکیل نے پرزور مداخلت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"فاضل بزرگ کو باور کرایا جائے کہ وہ اس وقت معزز عدالت کے سامنے خصوصی اجازت کی بناء پر مقدمے کی کارروائی میں اہم نکات

پیش کرنے کا وعدہ کر چکا ہوا ہے۔ جن کا کہ براہ راست تعلق صرف اور صرف اس مقدمے کی اسی کارروائی سے ہونا چاہیے۔ لیکن محترم بزرگ کی داستان خاصی طویل ہے۔ یہ اپنے طور پر بچوں کے لیے الف لیلیٰ داستان تو ہو سکتی ہے مگر اس اہم مقدمے کی آج کی اہم ترین کارروائی کے لحاظ سے ناکارہ و بے کار ہے۔"

اس لیے' جناب والا!

"معزز بزرگ کو جس نے کہ اپنے آپ کو ایک اہم ترین گواہ کی حیثیت سے پیش کر رکھا ہے ہدایت کی جائے کہ براہ راست اپنی گفتگو کا مطلب اور مقصد بیان کرے ورنہ فاضل عدالت دفعہ فلاں کے تحت کارووائی کر کے محترم بزرگ کے خلاف از خود مقدمہ دائر کر کے اسے عدالت کو گمراہ کرنے اور عدالت کی توجہ درست سمت سے ہٹانے کے جرم میں قرار واقعی سزا دے تاکہ اس جیسے کسی اور شخص کو عدالت کا وقت ضائع کرنے کی جرات نہ ہو۔"

"بعض حاضرین اس وکیل کی زبان دانی اور روانی سے کافی خوف زدہ ہوئے کیونکہ ان کی رائے تھی کہ اگر عدالت اس کے اظہار سے متاثر ہو گی تو وہ بزرگ کو مزید کہانی سنانے سے منع کر دے گی جس سے وہ ایک اہم معاشرتی المیہ سے آگاہی حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔

دوسرا یہ کہ:

"اگر اس کی کہانی کا تعلق کٹہرے میں کھڑی لڑکی سے بھی ہوا تو پھر شاید اک طرفہ فیصلہ ہو جائے اور عدالت کے سامنے حقائق نہ آ سکیں۔"

عدالت نے وکیل کے نکات کے جواب میں کچھ دیر غور و خوض

کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ:

"بزرگ جو داستان پیش کر رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اسی جانب بڑھ رہی ہے جس کا کہ مقدمے سے براہ راست تعلق ہے' اور یہ تمام پس منظر جو اس نے بیان کیا ہے ضروری ہے تاکہ عدالت حقائق کی بنیادوں کو سمجھ کر کوئی منطقی نتائج اخذ کر سکے۔ اس لیے عدالت' بزرگ گواہ کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنا بیان تسلسل اور تفصیل سے جاری رکھے۔"

حاضرین میں سے بہت سے لوگوں کے چہرے کھل اٹھے اور انہیں عدالت کی ہدایات بہت متوازن اور مبنی بر انصاف لگیں۔

پیروکاروں میں سے ایک نے کہا:

"لڑکی کے خلاف چلنے والا مقدمہ خاصا الجھا ہوا لگتا ہے۔"

بہرحال بزرگ نے بڑے اطمینان سے توقف کر کے اپنے بیان کا پھر سے تسلسل شروع کیا کہ:

"بڑے شخص نے علاقے کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا اور ہماری تلاش کے لیے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے۔ اسی دوران خبر آئی کہ حکومت نے بڑے شخص کو کسی بڑے عہدے سے سرفراز کر دیا ہے۔ اور میرے دل میں اس کے خلاف کارروائی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ تاہم چند ہی روز بعد اس نے جشن منایا اور اس لڑکی کو جشن میں موجود دوستوں اور ساتھیوں کی تفریح طبع کے لیے اور وہاں پہ موجود بڑے بڑے اشخاص کے سامنے باندھ دیا گیا۔ اس لڑکی کے خلاف مختلف الزامات لگا کر اس نے اپنی خود ساختہ عدالت سے فیصلے بھی حاصل کر لیے ہوئے تھے جن کی بناء پر گاؤں والوں کے ہاتھوں اسے سنگسار کروانا مقصود تھا اور اسی لیے اسے تمام جشن

میں موجود لوگوں اور محفل کے تمام انسانوں کے سامنے باندھا گیا تھا۔"

آخر تیاری مکمل کرنے کے بعد بڑے شخص نے گاؤں والوں کو حکم دیا کہ اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی خونخوار کتے بھی لائے گئے تھے جو اسے چیر پھاڑ ڈالیں۔

جس جگہ ہم چھپے ہوئے تھے وہاں سے یہ منظر دور تھا اور اس نوجوان کی ایک عزیزہ ہمیں سب کچھ آ آ کر بتلا رہی تھی۔ لڑکی نے اس وقت بھی جھکنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ:

"وہ صرف خدا کے سامنے جھکتی ہے۔ اس کی باتوں کا پولیس والوں پر اتنا اثر ہوا کہ جب بڑے شخص کے حکم پر لوگوں نے سنگ باری شروع کی تو ایک بزرگ سپاہی اس لڑکی کے آگے تن گیا اور یوں پتھروں سے مارا گیا۔"

اسی دوران ایک پیروکار اتنا جذباتی ہو گیا کہ اس نے روتے ہوئے نعرہ لگا دیا:

"پولیس زندہ باد"

عدالت نے فوری طور پر نوٹس لیتے ہوئے اسے تنبیہہ کی کہ کارروائی میں کسی قسم کی مداخلت کی بناء پر چھ ماہ کی سزا ہو سکتی ہے چنانچہ آئندہ ایسی ہر حرکت کا خیال رکھا جائے۔"

مگر اس نعرے سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ حاضرین میں بہت سے اتنے جذباتی ہو چکے تھے کہ وہ بذات خود لڑکی کی مدد کو پہنچنا چاہتے تھے۔

تاہم عدالت نے ہدایت کی کہ بزرگ اپنا بیان جاری رکھے اس نے کہانی کے پس منظر کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

"کچھ ہی دیر بعد گاؤں والے بھی اس لڑکی کی باتوں سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے اور انہوں نے اسے چھڑا لیا۔ گاؤں والوں نے لڑکی کو اپنا سربراہ منتخب کر لیا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگ گئے اسی دوران میں اسی نوجوان کو لے کر واپس چلا گیا اور تہیہ کر لیا کہ اگر "اللہ نے موقع دیا تو وہ اس لڑکی کی ہر طرح مدد کرے گا اور بہتر موقع ملنے پر اس بڑے شخص کے ظلم کو سامنے لائے گا۔"

جناب والا!

"وہ لڑکی جس کا کہ میں ذکر کرتا آ رہا ہوں اس وقت آپ کے سامنے کٹہرے میں کھڑی ہے اور انہی ستم گروں کی سازشوں سے بھرے نئے مقدمات اور نئی چالوں کا سامنا کر رہی ہے۔ "اور جن لوگوں نے مجھے اغوا کیا تھا اور ظلم روا رکھے تھے وہ لوگ عدالت کے اسی کمرے میں سامنے والی اگلی نشستوں پر براجمان ہیں"

حاضرین کے لیے یہ انکشاف انتہائی حیرت انگیز تھا اور لوگ انگشت بدانداں رہ گئے۔ اگلی نشستوں پر بیٹھے بہت سے انسانوں کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ یہ اتنا حیران کن انکشاف تھا کہ عدالت میں کچھ دیر تک سناٹا چھایا رہا اور لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

استغاثہ کے ایک وکیل نے پرزور الفاظ میں عدالت کو مخاطب کیا کہ:

جناب والا!

"بزرگ گواہ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ایک دلچسپ افسانہ ہے جسے انہوں نے اپنے ساتھ منسلک کر کے ایک ہیرو بننے کی کوشش کی ہے۔ اور جناب والا! ایسے لوگوں کو فرضی اور من گھڑت کہانیاں پیش کر کے بستی

کے عزت دار لوگوں کی پگڑیاں اچھالنے سے باز رکھا جائے۔ اور اس گواہ کی جانب سے ملک کے ایک محترم شہری کے خلاف سوائے انتقام کے کچھ نہیں کیونکہ آج کے ان جیسے سرمایہ دار سیٹھ وطن کے عظیم زمینداروں کو جن کو کہ یہ لوگ جاگیردار کہتے ہیں کے خلاف سازشوں کے جال بن رہے ہیں۔ حالانکہ عوام اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ وطن عزیز کا مفاد اور مستقبل صرف انہی سے وابستہ ہے۔"

بزرگ گواہ نے ایک بار پھر عدالت سے استدعا کی کہ:

جناب والا!

فاضل وکیل کو مداخلت سے باز رکھا جائے اور مجھے اپنا بیان مکمل کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور میں عدالت کی توجہ فاضل وکیل کی جانب سے اٹھائے گئے اس نکتے کی طرف بھی دلاتا ہوں کہ میرا اشارہ صرف سامنے بیٹھے جاگیردار ہی کی جانب نہیں بلکہ اس کی مدد کرنے والے اسی کے ساتھ بیٹھے ہوئے سرمایہ دار کی جانب بھی ہے چنانچہ مقدمے کی حدود کا خیال رکھتے ہوئے فاضل وکیل کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ عام سچائی کو ملکی سطح کے نظام کے مضمرات سے منسلک کر کے الجھا دیا جائے تاکہ عدالت حقائق تک نہ پہنچ سکے۔"

بہرحال عدالت نے اسے اپنا بیان جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ اس نے ذرا تفصیل بتلاتے ہوئے کہا کہ:

"اس لڑکی نے اعلان کر کے' قرآنی قوانین کے مطابق انتہائی جانفشانی اور جہد مسلسل سے بستی کے لوگوں کی راہنمائی کرتے کرتے انتہائی مختصر عرصے میں علاقے کی کایا پلٹ دی اور انہیں خوشحال و کامران کر کے رکھ دیا۔ یہ

لڑکی نہیں جانتی مگر میں نے خود دن رات اسے بھی علاقے کے لوگوں کے ساتھ مٹی میں مٹی ہوتے دیکھا ہے۔

جناب والا!

"میں نے ایک روز بغیر اپنا پتہ ظاہر کیے اسی گاؤں کی خدمت کے لیے کروڑوں کا چیک پیش کیا تھا لیکن اس لڑکی نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ:

"جس دولت کی بنیاد کی خبر نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔"

چند ہی دنوں بعد حکومت نے چند لاکھ روپے گاؤں والوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کے لیے مختص کر دیے مگر انہیں بھی اس لڑکی نے یہ کہہ کر واپس کر دیا تھا کہ:

"بستی والوں نے اپنی محنت سے جینا سیکھ لیا ہے لہٰذا یہ رقم ان لوگوں میں تقسیم کی جائے جو محنت کے قابل نہیں۔"

جناب والا!

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس علاقے کے دیگر سینکڑوں گاؤں کو چھوڑ کر حکومت نے اسی گاؤں یا بستی کے لیے رقم کیوں مختص کی۔"

"میرے اس سوال کا جواب مخالفین کے پاس کیا ہے؟"

عدالت نے بزرگ گواہ کے استفسار پر مخالفین کو جواب دینے کی ہدایت کی۔

نگران کے وکیل نے کہا:

جناب والا!

"یہ حکومت کی مرضی ہے جس کسی کے لیے بھی رقم مختص کرے۔"

لیکن بزرگ نے تفصیل بتلاتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"درگاہ کے پیر اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے سردار نے سازش کر کے حکومت سے وہ رقم مختص کروائی تھی تاکہ اس بستی کے نام پر اسے خود ہڑپ کر لیا جائے"

بزرگ گواہ نے دنوں اور تاریخوں کے ساتھ وہاں پر رونما ہونے والے ایک ایک واقعہ کو پیش کر دیا اور اس نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ کس طرح وہاں کے بڑے بڑے ڈاکوؤں کے گروہوں نے لڑکی سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر رکھا ہے اور جس کی سچائی کی عدالت بذات خود تحقیق کر کے خبر حاصل کر سکتی ہے"

بیان دیتے دیتے بزرگ گواہ کی اشکوں سے آواز بھرا گئی'

اس نے کہا:

جناب والا!

"یہ ایک پاکیزہ و محترم دختر اسلام ہے میں نے ملک کے سب سے بڑے وکیل کو اس سے رابطے کے لیے بھیجا تھا تاکہ یہاں پہ موجود فاضل وکلاء کا بہتر طور پر سامنا ہو سکے اور اسے بے سہارا جان کر عدالت میں رسوا کرنے کی کوشش نہ کی جائے مگر لڑکی نے اس وکیل کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ

"جس سچائی کے احساس سے آپ خود نہیں گزرے اس کا بہتر اظہار بھی آپ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا آپ کی منطق اور دلائل میرے درد اور احساسات کی ترجمانی نہیں کر سکیں گے۔"

جناب والا! اس وکیل نے مجھے آ کر بتایا تھا کہ:

"زندگی میں پہلی بار کسی نے بڑی ہی سادہ و سچی منطق سے میری دانش کو مسترد کر کے رکھ دیا ہے اور میری وکالت کا سہارا لینے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ لوگ لاکھوں روپے دے کر میری ایک ایک پیشی کا انتظام کرتے ہیں اور مجھ سے وقت لینے کو ترستے ہیں۔"

جناب والا! اس ایک بات کی گواہی کے لیے فلاں وکیل گواہی دے سکتا ہے۔"

بزرگ گواہ نے اپنے بیان کے اختتام پر کہا:

جناب والا!

"یہ ہیں وہ حقائق جن کو اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جانا ہے۔ اور جو اس کی ذات پر بیتے ہیں۔ البتہ جہاں تک لڑکی پر لگائے گئے مذہبی گمراہی کے الزامات کا تعلق ہے تو ان کا جواب وہ خود بہتر طور پر دے سکتی ہے۔"

عدالت نے اس شخص کے بیان کا ایک ایک حرف ریکارڈ کیا اور مزید تحقیق و تفتیش کے لیے بڑے شخص، اس کے بیٹے، درگاہ کے پیر اور گاڑی والے کو پولیس کی حراست میں رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی عدالت نے اس دن کی کارروائی چند روز کے لیے ملتوی کر دی۔

(33)

ہوسٹس اور تیسرا ساتھی گھات لگا کر عدالت کے باہر کہیں چھپے بیٹھے تھے تاکہ جوں ہی لڑکی کو عدالت سے باہر لایا جائے اس پر فائر کھول دیا جائے۔

حاضرین جو عدالت میں موجود تھے اور وہ پیروکار جو ہر سماعت سے پہلے صبح کے وقت لڑکی کے خلاف نعرے لگایا کرتے تھے، وہ سبھی عدالت کی کارروائی سننے کے بعد عجیب کش مکش کا شکار ہو گئے۔ ان میں جو زیادہ پڑھے لکھے تھے مگر کچھ دانش بھی رکھتے تھے ان کی لڑکی کے خلاف نفرت میں خاصی کمی آ گئی۔ لیکن جو کٹر اور بہت زیادہ متعصب تھے ان کا کہنا تھا کہ:

"ہمیں بہرحال ایسی خواتین کی سرکوبی کرنی چاہیے کیونکہ اسلام کسی خاتون کو دین کے خلاف فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا۔"

کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ:

"اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اس لیے یہ خاتون ابھی تک مقدمات میں بے گناہ ہونے کے باوجود سزا بھگت رہی ہے اور جیلوں میں بند ہے۔"

کچھ پیروکار کہہ رہے تھے کہ:

"پچھلے مقدمات میں تو لڑکی کو سہارا مل گیا ہے کیونکہ مقدمات دائر کرنے والے کچھ زیادہ دانش مند ثابت نہیں ہوئے۔ مگر ہم جن کے پیروکار ہیں اور جنہوں نے لڑکی کی گمراہی کو طشت ازبام کیا ہے وہ انتہائی ذہین و فطین اور علم والے ہیں۔ وہ بغیر ثبوت کے کوئی بات کرتے ہی نہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے مناظروں میں اپنے مخالف فرقے والوں کو لاجواب کر کے رکھ دیا ہے۔"

کچھ پیروکاروں کا کہنا تھا کہ:

"لڑکی کی گمراہی کی وجہ سے ہی اس بستی کے ہمارے فرقے والوں نے اپنے فرقے کی رسمیں چھوڑ دی ہیں جو ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے' اور وہ تو ہم عدالت کے ادب کی وجہ سے لڑکی کی بات سننے پر مجبور ہیں ورنہ کب کا اس کا کام تمام کر چکے ہوتے کیونکہ ایسے لوگوں کو بولنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہیے اور ہم جن علماء کے پیروکار ہیں اگر کوئی ان کو جھٹلانے کی کوشش کرے تو ہم ویسے ہی اسے زندہ نہیں چھوڑتے چہ جائیکہ وہ لوگوں کو گمراہ بھی کر رہا ہو۔"

یہ محض اتفاق تھا یا شعوری اتحاد کہ لڑکی کے خلاف متضاد فرقے کے علماء نے مشترکہ علم مخالفت بلند کر رکھا تھا۔

ایک شخص نے کہا:

"یہ تو اسی ملک میں زندہ ہے اگر کسی اور مسلم ملک یا ریاست میں ہوتی تو اسے کب کا چوراہے میں پھانسی پر لٹکا دیا ہوتا۔"

یہ سب لوگ عدالت کے احاطے سے باہر آہستہ آہستہ اپنی رائے

پیش کرتے آ رہے تھے مگر لڑکی کو ابھی تک کمرۂ عدالت سے باہر نہیں آنے دیا گیا تھا کہ مبادا کوئی جذباتی شخص اس پر حملہ آور ہو۔

کمرۂ عدالت میں ہی بزرگ نے لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اس نے کہا:

"میری بیٹی!

تمہارے ایمان پر میرے جیسے ہزاروں قربان۔ میرے جیسے تو ہزاروں پیدا ہو سکتے ہیں مگر تمہارے جیسا کبھی کبھی پیدا ہوتا ہے۔ تمام عمر کے بعد مجھے موقع ملا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مالی جہاد کروں اور اپنی دولت کو اسی کی راہ میں خرچ کر ڈالوں۔ آپ دیکھنا کہ ان مقدمات میں میں ان سب کا زمین کی آخری حدوں تک پیچھا کروں گا۔

اس نے لڑکی کو یاد دلایا کہ:

"بعض مواقع پر اس نے اقبال یا بعض دیگر شعراء کے اشعار اسے لکھ لکھ کر بھیجے تھے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ آپ اسلام کی ایک عظیم خاتون ہیں اور وہ سب کچھ ایک لحاظ سے آپ کو خراج عقیدت ہے۔"

اس نے لڑکی کو یہ بھی یاد دلایا کہ:

"گاڑی والے کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا اس سلسلے میں وہ لڑکی کے تربیت یافتہ جانبازوں سے بہت متاثر ہوا تھا جو علاقے میں شہبازوں کی طرح بکھرے رہتے تھے اور سربازار جب بھی کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو بجلی کی طرح اس کی مدد کے لیے پہنچتے مگر حیرانی ہے خود ان کے ہاتھوں سے کبھی قتل ہوا نہ کسی پر بے جا جبر و ستم۔"

لڑکی بہت دیر تک خاموشی سے اس بزرگ شخصیت کی جانب دیکھتی رہی تا آنکہ پولیس نے اسے واپس جیل جانے کے لیے کہہ کر چونکا دیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئی۔ اسی دوران بہت سے صحافیوں نے لڑکی کا انٹرویو لینے کی کوشش کی مگر وہ بغیر کچھ کہے پولیس کے ساتھ چلتی گئی۔

ہوسٹس اور تیسرا ساتھی اسی تاک میں تھے کہ لڑکی عدالت سے باہر آکر پولیس کی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے آئے اور وہ اپنا کام شروع کریں کہ ایک چھوٹا سا لڑکا انہیں ایک لفافہ دے کر چلا گیا۔ انہوں نے اسے کھولا تو اس میں چونکا دینے والی تحریر تھی کہ:

"دیرینہ ہمسفرو!

"آپ جانتے ہیں کہ میں سچے دل سے مسلمان ہو چکی ہوں اور اس لحاظ سے میری اور آپ کی راہیں جدا ہو چکی ہیں لیکن آپ نے اسی دن سے میرا پیچھا کرنا شروع کر رکھا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ مایوس ہو کر واپس چلے جائیں گے اور یوں یہ سلسلہ عافیت پر ختم ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے میری ذات سے ہٹ کر اس ملک کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دیں جو میرے لیے ناقابل برداشت ہے اس لیے کہ یہ ملک میرا اب وطن بھی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ چند روز پیشتر کسی نے آپ کو مسلمان ہونے کی دعوت دی تھی جس کے جواب میں آپ نے کہا تھا کہ " آپ پہلے سے ہی مسلمان ہیں" حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ پیغام میری جانب سے تھا۔ اصل میں میں آپ کو آخری موقع دینا چاہتی تھی۔' اس لیے کہ اسلام کسی پر کسی بھی قسم کا ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے۔ لیکن اب میں سمجھتی ہوں کہ

آپ کا براہ راست اور ہر طریقے سے مقابلہ کرنا جائز ہے۔ پاکستان کے خلاف آپ کی تیار کردہ رپورٹیں میری تحویل میں ہیں جو اس ملک کی امانت ہیں۔ اگر ہم زندہ رہے اور آپ اسی ملک میں ہوئے تو پھر یقین رکھنا کہ تمہارا اور تم جیسوں کا پیچھا کرنے کی باری اب میری ہو گی۔"

وہ دونوں اس خط کو لپیٹ کر ابھی محفوظ بھی کرنے نہ پائے تھے کہ ان پر ذرا دور سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ اگرچہ وہ خط پڑھتے ہی محتاط ہو کر زمین پر لیٹ گئے تھے مگر ایک گولی تیسرے ساتھی کی ٹانگ کے آر پار ہو گئی۔ ہوسٹس صاف بچ گئی۔ اس نے فوراً خط کو لپیٹ کر چھپا لیا اور اپنے ساتھی کو گھسیٹ اٹھا کر ایک طرف ذرا دور لے گئی۔ جس وقت تک پولیس موقع واردات پر پہنچی اس وقت تک گولی چلانے والے اور جن پر گولی چلائی گئی تھی۔ بغیر کوئی نشان چھوڑے منظر سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ کچھ دور تک چھوٹی سی خون کی لکیر تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ زخم پر کوئی بڑا کپڑا لپیٹ کر خون بند کرنے کی کوشش کی گئی ہو گی اور بعد میں فوراً غائب ہونے کے لیے کسی پہلے سے موجود گاڑی کا سہارا لیا گیا ہو گا۔

گولیوں کی آواز سن کر عدالت کے علاقے میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وکلاء اپنے اپنے چیمبرز میں جا دبکے۔ اگرچہ اس قسم کا واقعہ معمول نہیں تھا لیکن کبھی کبھی عدالت کا احاطہ ضرور قتل گاہ بن جاتا تھا اور قاتل و انتقامی لوگ اپنے اپنے حریفوں کو ہلاک کرنے کے لیے عدالت کو ہی محفوظ مقام سمجھتے تھے۔ لوگوں کو حیرانی تھی کہ گولیوں کی ایک ہی بوچھاڑ کے بعد پھر ویسی کوئی آواز نہ آئی تھی۔ ان سب کو زیادہ حیرانی اس پر بھی تھی کہ دونوں پارٹیوں میں سے عینی شاہدوں کو کوئی بھی رکتے' چھپتے یا فرار ہوتے

نظر نہیں آیا تھا۔ بہرحال پولیس نے اپنی گاڑی جس میں کہ لڑکی سوار تھی اسے ایک جانب کر کے کھڑے کر لیا ہوا تھا اور گاڑی پر لگی ہوئی گارڈ چوکس ہو گئی تھی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پولیس لڑکی کو لے کر واپس چلی گئی۔

اگلے روز اخباروں میں نہ صرف لڑکی کے مقدمات کی کارروائی چھپی بلکہ گولیاں چلنے کے واقعہ کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ ملک کے اکثر اخباروں نے قیاس آرائی کی کہ بعض لوگ لڑکی کو قتل کرنے کے درپے ہیں تاکہ بعد میں وہ ان کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کرنے کا دعویٰ و ہرجانہ حاصل کرنے کا مقدمہ نہ کر سکے۔ بعض اخباروں نے اس واقعہ کو توڑ مروڑ کر بڑوں کے حق میں لکھا اور اسے کئی مختلف رنگ دیے۔

ہوسٹس تیسرے ساتھی کو لے کر کسی نامعلوم مقام پر چلی گئی۔ گولی کی وجہ سے اس کی ٹانگ پر بہت گہرا زخم آ چکا تھا اور اسے صحت یاب ہونے میں کافی دن درکار تھے۔ ہوسٹس نے ایک ماہر سرجن سے رابطہ کر کے اس کو جلد از جلد صحت یاب کروانے کی کوشش کی مگر پھر بھی زخموں کے بھرنے کو کچھ اور مدت درکار تھی۔

ایک روز تیسرے ساتھی نے ہوسٹس سے کہا کہ:

"وہ لڑکی ہماری توقعات سے بڑھ کر ہوشیار اور ذہین ہے۔ اس لیے جتنی جلد ممکن ہو ہمیں پاکستان چھوڑ دینا چاہیے۔"

ہوسٹس بذات خود نہ صرف حیران و خوف زدہ تھی بلکہ بہت پریشان تھی کہ پاکستان سے نکلا کیسے جائے۔ اس نے تیسرے ساتھی کو اپنے بہت سے خدشات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے بہت پہلے اسرائیل میں اپنے خفیہ ادارے کو مطلع کر دیا تھا کہ یہ لڑکی وہی ہے اور اسے کسی تیسرے ملک کے حوالے سے واگزار کروا لیا جائے۔ حیرانی ہے کہ اسرائیل نے ابھی تک ہمارے پیغام پر کوئی توجہ نہیں دی اور لڑکی اطمینان سے اپنے خلاف مقدمات کا سامنا کر رہی ہے۔"

ہوسٹس نے اپنے خوف کو دباتے ہوئے اظہار کیا کہ:

"میں نے رپورٹوں کو انتہائی خفیہ جگہ پر چھپا رکھا تھا مگر لڑکی پھر بھی انہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔"

ان دونوں پر بہت زیادہ گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔ تیسرے ساتھی کا تقاضا تھا کہ:

"ہمیں جلد از جلد ملک چھوڑ دینا چاہیے"

اپنی گھبراہٹ میں وہ روزانہ جگہیں بدلنے لگ گئے۔ ایک روز وہ رات کے کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ان کے کمرے میں کوئی لفافہ پھینک کر چلا گیا۔

ہوسٹس نے اسے کھولا تو تحریر کیا ہوا تھا کہ:

"اسلام کسی زخمی کو ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں آپ کے صحت یاب ہونے کا انتظار کروں گی۔ ہوسٹس کو فی الحال زندہ رہنا چاہیے تاکہ تمہاری تیمار داری ہوتی رہے۔ یاد رہے کہ تمہارے لیے پاکستان سے زیادہ اسرائیل غیر محفوظ ہو گا۔"

خط پڑھتے ہی دونوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ انہیں چاروں طرف اندھیرا نظر آنے لگا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کیا جائے اور

آخر وہ کس گوشہ عافیت میں چلے جائیں۔ اپنی تمام تر ذہانت کے باوجود وہ لڑکی سے اوجھل ہونے میں ناکام رہے تھے۔ انہیں اپنے کمرے کے اندر اور باہر ہر جگہ موت نظر آ رہی تھی۔

تیسرے ساتھی نے کہا:

"ہم نے بہت خطرناک مشن چن رکھا ہے اور مجھے اب جا کے احساس ہو رہا ہے کہ صرف ایک لڑکی کے لیے ہم نے کتنی طویل اور الجھی ہوئی منصوبہ بندی کر ڈالی تھی۔ کچھ بھی ہو اب یہ لڑکی ہمیں زندہ نہیں رہنے دے گی۔

ہوسٹس اپنے ساتھی سے بھی کہیں زیادہ خوف زدہ ہو چکی تھی اور وہ فوری طور پر پاکستان سے نکل جانا چاہتی تھی۔

اس نے کہا کہ:

"لڑکی جیل میں ہے اور اس کو پل پل کی خبر ہے کہ ہم کہاں ہیں۔"

اس نے مزید کہا کہ:

"وہ اپنی ٹریننگ کے دوران ہی سب پر حاوی ہوتی تھی۔ کاش خبر ہوتی کہ وہ اپنی ذہانت کو صرف اسلام کے حق میں استعمال کرے گی۔ تو اس کا اسی وقت قلع قمع کروا دیا جاتا۔"

تیسرے ساتھی نے کہا کہ:

"کاش ہم اس قابل رہ گئے ہوتے کہ اس ذہانت کو ختم کر سکتے۔" ان پر یہ ایک ایک لمحہ بھاری تھا اور رات ان پر قیامت کی طرح گزرتی تھی۔ انہیں کوئی صبح صبح نہیں بلکہ تیرہ و تار شب نظر آتی تھی۔

ہوسٹس اور تیسرا ساتھی دعا کرتے تھے کہ:

"زخم ٹھیک نہ ہو اور ان کی موت لڑکی کے ہاتھوں ملتوی ہوتی رہے۔"

دونوں گھبرائے اور خوف زدہ ایک نئی جگہ پر سمٹے سمٹائے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک تیسرے ساتھی کو خیال آیا۔

اس نے ہوسٹس سے کہا کہ:

"پاکستان میں آپ کے بعض ایسے لوگوں سے تعلقات ہیں جنہیں اپنے وطن سے ذرا بھی محبت نہیں اور وہ اپنی ذرا سی تکلیف پر پاکستان کے کسی بھی دشمن ملک سے مدد کی درخواست کر دیتے ہیں آپ ان سے کسی بھی طرح رابطہ قائم کیجئے اور کوئی بھی لالچ دے کر انہیں کہیں کہ وہ ہمیں کسی بھی طرح فلاں سفارت خانے تک پہنچا دیں"

ہوسٹس کو یہ تجویز اچھی لگی۔ کچھ ہی دیر سوچنے کے بعد اس کی آنکھوں میں جیسے چمک آ گئی ہو۔

اس نے تیسرے ساتھی کے کان میں کہا کہ:

"فلاں شخص سے اگر ملاقات ہو جائے تو وہ ہمارے مسائل حل کر دے گا۔"

اس نے مزید کہا کہ:

اس کا بہت اثر و رسوخ ہے اور وہ پاکستانی ہو کر بھی ہم سے بڑا پاکستان کا دشمن ہے۔ اسے ذرا سا بھی لالچ دیا جائے تو وہ اپنے اثر و رسوخ کو استعمال میں لا کر نہ صرف ہمیں بچا سکتا ہے بلکہ لڑکی کو جیل میں ختم بھی کروا سکتا ہے"

تیسرے ساتھی نے غمگین ہوتے ہوئے کہا کہ:

"اب لڑکی کے خلاف سازش کرنا اور کسی طرح کسی تک رسائی حاصل کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نہ صرف ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہنا چاہتے

بلکہ اپنے لیے بدترین موت کو دعوت دے رہے ہیں۔ اس نے ذرا سخت
لہجے میں ہوسٹس سے کہا کہ:

"اس وقت کوئی بڑے سے بڑا جو پاکستانی ہوتے ہوئے ہماری مدد کرے گا وہ
لڑکی کے ہاتھوں مسلا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ بے یار و مددگار ہوتے
ہوئے بھی انہیں ان کے علاقوں میں شکست دے چکی ہے اور اب تو چند
بہترین لوگ بھی اس کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔"

ہوسٹس نے کچھ دیر توقف کے بعد تیسرے ساتھی کو اپنی ایک اور
تجویز سے آگاہ کیا۔

اس نے کہا کہ:

"بستی میں جب سے لڑکی نے فرقے ختم کیے ہیں اور لوگوں نے
فرقوں کی رسمیں ختم کی ہیں تب سے بعض فرقوں کے کرتا دھرتا پیروکاروں
نے شدید احتجاج کر رکھا ہے کیونکہ وہ کسی صورت اپنے فرقوں کو ختم ہوتا
ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ میرا خیال ہے ان میں سے کسی ایک کو ساتھ ملایا جائے
اور انہیں اپنے بارے میں کچھ بتائے بغیر ان سے مدد حاصل کی جائے۔"

تیسرے ساتھی نے آہ بھر کر کہا:

اے نادان عورت!

"وہ جذباتی ضرور ہیں مگر بے وقوف نہیں۔ یاد رکھو! ان میں بکنے والے
لوگ نہیں ہوتے۔ یہ صرف جاہل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے فرقوں سے
چمٹے ہوتے ہیں۔ انہیں اگر لڑکی کے بارے میں ذرا سی بھی سچائی کا علم ہو گیا
تو نہ صرف یہ خود اپنے فرقے سے توبہ کر لیں گے بلکہ ہمارے ٹکڑے
ٹکڑے کر کے عبرت کے لیے چوراہے پہ لے جائیں گے۔ جب تک ہم

زندہ ہیں ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ان کی نفرت لڑکی سے بڑھتی جائے
اور بڑھ بڑھ کر اپنے اپنے فرقے کی حمایت کریں۔"

اس نے اپنی بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا کہ:

"آپ کی پہلے والی تجویز میں ذرا سی دانش ہے' کہ فلاں شخص جو
اثر و رسوخ والا ہے اور جو آپ کو جانتا بھی ہے اسی سے مدد لی جائے اور
ہمیں کسی طرح سفارت خانے پہنچا دے"

ہوسٹس نے کہا کہ:

"فلاں ملک کے سفارت خانے سے میرا پہلے سے رابطہ ہے۔ ہمیں کسی
طرح صرف وہاں پہنچنا ہے جو مشکل ترین ہے کیونکہ دو روز پہلے جب میں
ڈاکٹر کو آپ کے پاس لینے گئی تھی تو میرا ارادہ بنا تھا کہ وہاں اطلاع دے
آؤں مگر راستے میں مجھ پر دوبارہ حملہ ہوا اور میں بال بال بچ گئی اور ٹیکسی
والا بھگا کر مجھے یہاں تک لے آیا۔"

تیسرے ساتھی نے کہا کہ:

"بہرحال وہی پاکستانی جو بڑے اثر و رسوخ والا ہے، وہی ہماری مدد کر سکتا
ہے۔ آپ آج کسی بھی طرح اس سے رابطہ کریں تاکہ وہ ہمیں اسی ملک
کے سفارت خانے تک پہنچا دے۔"

اگلی صبح تک اسی شخص نے انہیں ان کے پسندیدہ سفارت خانے
میں پہنچانے کا اہتمام کر دیا۔ مگر اس دوران ہوسٹس سمیت وہ سبھی بری
طرح زخمی ہو چکے تھے۔ اثر و رسوخ والا تو انتہائی شدید طرح سے مضروب
ہو چکا تھا۔ اسے توقع ہی نہیں تھی کہ پاکستان میں کوئی اس سے ٹکرا سکتا ہے
مگر چوٹیں لگانے والوں نے اسے چن چن کر زخمی کیا تھا اور سفارت خانے

تک کے راستے میں اس کے کئی ساتھی بے کار ہو ہو کر سڑک کے کناروں پر جا گرے تھے۔ تاہم وہ ہوسٹس اور تیسرے ساتھی کو سفارت خانے پہنچا سکا اور نہ ہی انہیں موت کے منہ میں جانے سے بچا سکا۔

اثر و رسوخ والے کے لئے یہ معمہ ہی رہا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زخمی کرنے والے کون تھے؟ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کی شخصیت کے اندر سے کہہ رہا ہے کہ:

"اگر تم جیسے پاکستانی ہو کر پاکستان کے خلاف کام کرنے والے ہیں تو اسی ملک میں اسی ملک کی حفاظت اور عزت کے لیے اپنی جانیں دینے والے بہت ہیں۔"

البتہ مرنے سے پہلے تیسرے ساتھی اور ہوسٹس نے اسرائیل کے خفیہ ادارے کے سربراہ کو ایک خط کے ذریعے تمام حالات و واقعات سے آگاہ کر دیا تھا۔

ادارے کے سربراہ نے کہا کہ:

"تیسرے ساتھی اور ہوسٹس کی رپورٹ پر ہی جو کہ انہوں نے بہت پہلے ہمیں دی تھی ہم نے ایک ایسی طاقت سے رابطہ کر رکھا ہے جو پاکستان سے لڑکی کو لے کر ہمارے حوالے کر دے گی۔ پچھلے دنوں انہوں نے ہم سے رابطہ کیا تھا تاکہ لڑکی کے بارے میں ان کو مزید تفصیلات سے آگاہ کیا جائے۔ ہم نے انہیں تمام تفصیلات بہم پہنچا دی ہوئی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ وہ بہت جلد لڑکی کو پاکستان سے لانے میں کامیاب ہو جائے گی کیونکہ اس طاقت کو انکار کرنا پاکستان کے بس میں نہیں۔"

34

کچھ دنوں بعد جب عدالت کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو اس بار کارروائی سننے والے لوگ پچھلی دفعہ سے کہیں زیادہ تھے اور کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حاضرین میں وکلاء بڑی بڑی پڑھی لکھی خواتین' سکالر' طالب علم راہنما' مزدور' علماء غرض کے یوں لگتا تھا کہ زندگی کے بے حساب شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کا جم غفیر ہے جو لڑکی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔ اخباروں میں لڑکی کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ کارروائی سننے والے بہت دیر سے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ کئی لوگوں کی رائے لڑکی کے حق میں تھی اور بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے دوسروں کی آراء سے اپنی رائے بنا لی ہوئی تھی اور لڑکی کے سخت خلاف ہو چکے تھے۔ اگرچہ ایسے لوگ باقاعدہ پیرو کار نہیں تھے لیکن اپنے تعصب کی بنا پر ان کی آراء بھی پیروکاروں سے مختلف نہ تھیں۔

ایسی خواتین جو ماڈرن تھیں وہ دینی طرز کی زندگی کو چنداں پسند نہیں کرتی تھیں اور ایسے لوگوں کو جو ذرا باپردہ لباس کے حق میں ہوتے وہ انہیں بنیاد پرست سمجھتیں۔ ان میں زیادہ تر سیکولر نظریات کی حامل تھیں' اور آزاد ترین سوسائٹیوں کے لوگوں کی طرح رہن سہن اپنا چکی تھیں۔ یعنی شراب'

سگریٹ نوشی اور جواء وغیرہ ان کے پسندیدہ مشاغل تھے۔

پچھلی دفعہ کی کارروائی جن لوگوں نے دیکھ رکھی تھی ان میں بعض ایسے بھی تھے جو اپنی پڑھی لکھی جوان بیٹیوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے تاکہ ان میں بھی اس لڑکی جیسا حوصلہ و تدبر پیدا ہو اور اس جدید و مادر پدر آزاد سوسائٹیوں اور نظریات کے دور میں وہ کسی ایسی اسلامی عورت کو دیکھ سکیں جو بڑے بڑے مسائل اور مشکلات کا تن تنہا مقابلہ صرف اللہ کے سہارے کرتی جا رہی تھی۔

وہ لوگ دلوں میں سوچتے کہ:

"کاش ان کی بیٹیوں میں اس لڑکی جیسی ہمت و جرات ہو اور ان کی دانش میں بھی ویسی ہی پختگی ہو۔"

طلباء کے جو راہنما آئے ہوئے تھے ان میں بعض ایسے تھے جو پڑھائی سے زیادہ ہنگامہ خیز سیاست کو پسند کرتے تھے اور آئے دن ہڑتالوں کے لیے ڈٹے رہتے تھے۔ جن سیاسی پارٹیوں سے ان کا تعلق تھا وہ ان سے ہنگاموں اور ہڑتالوں کے عوض اچھا خاصا پیسہ وصول کرتے تھے۔ اخباروں میں اپنی زیادہ سے زیادہ پہچان کروانے کے لیے وہ مخالف فریق کے طلباء کو زدو کوب اور زخمی کرنے کے طریقے استعمال کرتے۔ یہ راہنما بڑے دھڑلے سے عدالت کے کمرے کی بہترین نشستوں پر براجمان تھے۔

کچھ ہی دیر بعد جج صاحبان عدالت میں تشریف لائے اور لڑکی کو مقدمے کی سماعت کے لیے پکارا گیا۔ پولیس لڑکی کو پہلے ہی ساتھ والے کمرے میں لیے بیٹھی تھی چنانچہ جب اسے آواز دی گئی تو وہ اپنی فطری متانت، نظریاتی اعتماد اور قوت ایمانی کے وقار و حوصلے سے سرشار کمرۂ عدالت میں داخل ہوئی۔ جو پچھلی دفعہ اس سے بہت زیادہ متاثر ہو چکے تھے وہ غیر شعوری طور پر اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ سب لوگ اس پر نظریں جمائے ہوئے تھے اور بلا تفریق اس کے اطمینان اور وقار سے متاثر تھے۔ مگر مخالف آراء رکھنے والے بہرحال اس کا برا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سب کچھ کے

باوجود بلاشبہ تمام لوگ اس کے باحیا لباس اور سراپے سے متاثر تھے مگر آج بھی اس کا صرف آدھا چہرہ ہی نظر آ رہا تھا۔

لڑکی بڑے سکون اور ملکوتی شان سے کٹہرے میں جا کھڑی ہوئی۔ معمول کے مطابق عدالت نے لڑکی کے خلاف دائر کیے گئے مقدمے کی عبارت پڑھ کر سنائی، جو کچھ یوں تھی:

"لڑکی اپنے قول و فعل سے فلاں فلاں علاقے میں ایسی گمراہی پھیلا رہی ہے جو سراسر اسلام کے خلاف ہے اور وہاں کے لوگ اپنی معصومیت اور زیادہ علم نہ ہونے کی وجہ سے متاثر ہو رہے ہیں۔ لڑکی کی یہ حرکت قوم، ملک اور خصوصاً" مذہب کے خلاف سازش ہے جس کی بنا پر اسے کافر و مرتد قرار دے کر سزائے موت دی جائے اور اس کے لیے ملکی قوانین کی فلاں فلاں دفعات کے تحت کارروائی کی جائے"

الزام پر جو دفعات لاگو ہو سکتی تھیں انہیں عدالت نے طریقہ کار کے مطابق دہرایا اور الزامات کے بارے میں قانونی دفعات کو مدنظر رکھتے ہوئے لڑکی سے باقاعدہ اقرار یا انکار کے سلسلے میں استفسار کیا:

لڑکی نے بڑے ادب سے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"میں اپنے اوپر لگائے گئے تمام مذکورہ الزامات سے انکار کرتی ہوں کیونکہ میں نے اپنی زندگی دین اسلام کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ میں عدالت کے ریکارڈ کے لیے حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ "میں اللہ کو لاشریک مانتی ہوں" میں محمد ﷺ کو ہر لحاظ سے آخری نبیؐ" آخری رسولؐ اور آخری پیغمبرؐ تسلیم کرتی ہوں۔" اور "میں قرآن کو ہر شک و شبہ سے پاک مکمل اور آخری کتاب مانتی ہوں۔"

عدالت نے استفسار کیا کہ:

"آپ نے اپنے فلاں لیکچر میں، جس کی ٹیپ عدالت میں موجود ہے یہ کہا تھا کہ:

"اسلام مذہب نہیں"

لڑکی کے مخالف وکیل نے عدالت کی اعانت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"لڑکی کا یہ بیان صریحاً" تمسخر اڑانے کے مترادف ہے۔" مگر عدالت نے وکیل کو بے جا مداخلت کرنے پر تنبیہہ کر دی۔

تعصبات سے بھرے ہوئے بعض پیروکار ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور ان کی نظریں ایک دوسرے کو کہہ رہی تھیں 'ایسے ہی ہم نے اپنے فرقے کے عالم کو جید نہیں مانا' وہ جب کسی کو ہاتھ ڈالتا ہے تو پکا ہاتھ ڈالتا ہے۔ جواب میں حمایت کرنے والوں کی نظریں کہہ رہی تھیں:

"اس میں کیا شک ہے اس نے بڑے بڑوں کو کافر قرار دے دیا ہوا ہے۔"

"بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی تذبذب میں مبتلا تھے کہ لڑکی نے اپنے لیکچر میں یہ کیوں کہہ دیا۔" بہرحال اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

لڑکی نے کہا:

جناب والا!

"میں آج بھی اپنے موقف پر قائم ہوں کہ "اسلام مذہب نہیں دین ہے" عدالت نے ہدایت کی کہ وہ اس کی تشریح کرے اور فرق بیان کرے۔

لڑکی نے کہا:

جناب والا!

"میرے مطالعہ اور علم کے مطابق یوں ہے کہ "اللہ نے اپنے رسولوں کے ذریعے مختلف ادوار میں لوگوں کو اپنی ہدایات' احکامات اور قوانین سے آگاہ کیا۔ لیکن ان رسولوں کی رحلت کے بعد ان کی اقوام کے چالاک' ہوشیار راہنماؤں نے اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر ان تمام احکامات کو اس طرح تبدیل کر دیا کہ ان کی اصل صورت ہی مسخ ہو گئی۔ بعد کے لوگ ان مسخ شدہ ہدایات و احکامات پر ہی عمل کرتے رہے اور وہی ان کے عقائد بن گئے۔ اس طرح ان کے کئی کئی مسلک اور فرقے بن گئے اور ہر ایک کا دعویٰ رہا کہ وہی اصلی ہے۔ حالانکہ وہ سب مسخ شدہ تھے۔ چنانچہ یہ ہی ان کا مذہب کہلایا

یعنی مسخ شدہ دین۔"

جناب والا!

"میرا یقین ہے کہ آج اسلام کے سوا کوئی دین اپنی اصلی حالت میں میسر نہیں کیونکہ قرآن اپنی اصلی و بنیادی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ لیکن بالکل دیگر مذاہب کی طرح مسلمانوں کے بعض مذہبی راہنماؤں نے بھی اپنے اپنے مفادات کے مطابق "اللہ کے احکامات کو مختلف اشکال عطا کر رکھی ہیں اور ان کے پیروکار ان بدلی ہوئی شکلوں کو ہی اسلام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے دیگر مذاہب کی طرح مسلمانوں میں بھی فرقے' مسلک اور تعصبات پیدا ہو چکے ہوئے ہیں۔"

حاضرین میں سے ایک کافی پڑھا لکھا شخص مگر جو ذرا جذباتی تھا نہ رہ سکا اور باواز بلند غیر شعوری طور پر کہہ اٹھا:

"واہ! مزا آ گیا' آج پتہ چلا ہے مذہب اور دین میں کیا فرق ہے" عدالت نے فوراً نوٹس لیتے ہوئے اس شخص کو تنبیہہ کی کہ عدالت کے تقدس کو ملحوظ رکھا جائے ورنہ چھ مہینے کے لیے جیل بھی بھیجا جا سکتا ہے۔"

وکیل استغاثہ نے سوال کیا کہ:

خاتون!

"آپ کن بنیادوں پر دین اور مذہب میں فرق کرتی ہیں۔"

لڑکی نے کہا:

جناب والا!

☆ "مذہب صرف ایک باطنی واردات ہے اور فرد کا اللہ کے ساتھ نام نہاد تعلق کا صرف نجی معاملہ ہے جبکہ دین ظاہری و باطنی ایک مستند حقیقت ہے اور اجتماعی زندگی کا نظام ہے۔"

☆ "مذہب کے پیروکار کا مقصد صرف ذاتی نجات ہوتا ہے۔ جبکہ دین انسان کا مقصد انسانیت کی ترقی و فلاح ہوتا ہے مذہب سائنسی تحقیقات و تجسس اور دانش و خرد کو مسترد کر دیتا ہے تاکہ اس کے

پیروکار بلا سوچے سمجھے تعمیل کرتے چلے جائیں۔ جبکہ دین انسان کو سوچنے، پرکھنے اور تحقیقات کی مکمل آزادی عطا کرتا ہے تاکہ جو بھی دین کو اختیار کرے وہ مکمل طور پر اپنی عقل و خرد کو استعمال کر کے اطمینان حاصل کر لے۔

مخالفین کے ایک بڑے وکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"میں عدالت کی توجہ لڑکی کی جانب سے پیش کی جانے والی بے مقصد تفصیلات کی جانب دلانا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے عدالت کا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے اور یہ کہ لڑکی خواہ مخواہ مختلف الفاظ کا سہارا لے کر عدالت کے اصل سوال کو الجھا رہی ہے۔"

حاضرین کو اس وکیل کی مداخلت اور دلیل قائل نہ کر سکی۔ لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگ گئے اور بہت سوں کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ:

"لڑکی کا ہی موقف درست ہے اور وہ نام نہاد علماء سے کہیں زیادہ باعلم اور بہتر مسلمان ہے۔"

"خود عدالت نے بھی فاضل وکیل کو ہدایت کی کہ لڑکی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے موقف کی کھل کر وضاحت کرے لہٰذا مداخلت سے گریز کیا جائے۔"

لڑکی نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"بس اتنا ہی نہیں بلکہ مذہب اپنے پیروکاروں میں تعصبات اور اوہام بھر دیتا ہے۔ یہ ہر دور میں عقیدت کے نئے بت تراشتا ہے اور مختلف ہستیوں کو بتوں جیسی تقدیس عطا کر دیتا ہے اور پیروکاروں کے دماغوں میں مستقل خوف بھر دیتا ہے، یہ مادی زندگی کو نفرت سے دیکھتا ہے بہترین آرٹ کو بھی جہنم قرار دیتا ہے جبکہ دین انسان کو حقائق و مشکلات کا سامنا کرنے کا حکم دیتا

ہے چاہے اسے کتنی ہی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے اور ذہن و شعور سے سوائے اللہ کے خوف کے ہر ہستی کا خوف ختم کر دیتا ہے اور یوں ہر عقیدت کا بت پاش پاش ہو جاتا ہے۔ دین مادے سے گریز و نفرت کی بجائے اسے تسخیر کرنے کا حکم دیتا ہے اور آرٹ کو اللہ کی حسین نعمتوں میں شمار کرتا ہے نہ صرف اتنا ہی بلکہ یہ مزید اللہ کے قوانین کے مطابق دنیا و آخرت کی زیادہ سے زیادہ مسرتیں حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

مخالفین کے بعض علماء نے ایک وکیل کو آہستہ سے کچھ سمجھایا اور اس نے کھڑے ہو کر عدالت سے باقاعدہ مداخلت کی اجازت چاہی۔

اس نے کہا:

جناب والا!

"لڑکی کو دین کی ایسی تشریح کرنے سے باز رکھا جائے جس سے دین کے بارے میں مختلف عقائد رکھنے والے مسلمانوں کی دل آزاری ہو، کیونکہ لڑکی نے ابھی تک اپنے موقف کی جو وضاحت کی ہے وہ عمومی طور پر مسلمانوں کے مروجہ عقائد کے منافی ہے لہٰذا عدالت سے استدعا ہے کہ وہ اسے ہدایت کرے کہ الفاظ کے پیچ و خم میں الجھے بغیر اپنے نظریے کا دو ٹوک اظہار کرے۔"

وکیل کی اس درخواست پر نہ صرف عدالت بلکہ وہاں پہ موجود بہت سے باشعور لوگ حیران رہ گئے۔ عدالت نے فاضل وکیل کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ:

"لڑکی کی رہائی یا سزا کا تعلق ہی اس بات سے ہے کہ وہ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کا جواب دے۔ اگر وہ عدالت کو اپنے موقف کی وضاحت سے قائل نہ کر سکی تو یقیناً سزا کی مستحق ہو گی اور اگر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی تو بری ہونا بھی اس کا حق ہو گا۔ عدالت کو اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ کسی کی دل آزاری ہوتی ہے یا نہیں عدالت انصاف تک پہنچنے کے لیے حقائق و نظریات کے کھوج کی خاطر مدعی اور ملزم کو اپنا اپنا موقف بیان

کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنا ضروری سمجھتی ہے' اور لڑکی کو اجازت ہے کہ اپنا بیان جاری رکھے۔"

لڑکی نے اپنی وضاحت جاری رکھتے ہوئے کہا:

جناب والا!

☆ "مذہب اپنے پیروکاروں میں تقدیر پرستی کے عقائد کو مضبوط کر دیتا ہے' جس سے وہ عمل و حرکت کی زندگی سے نہ صرف دور رہ جاتا ہے بلکہ وہ اپنی شخصیت کی نشوونما سے بھی منہ موڑ لیتا ہے جبکہ دین انسان میں ایسی قوت بھر دیتا ہے جس سے وہ تقدیر کو چیلنج کرتا ہے اور اپنی شخصیت و زندگی کی ترقی و نشوونما کے لیے عمل کرتا چلا جاتا ہے۔

اور جناب والا!

☆ مذہب کمزوروں' بے سہاروں اور ظلم سہنے والوں کو اس عقیدے پر قائم رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے کہ اس دنیا کے معاملات جو ان پر طاری ہیں وہ اللہ کی مشیت اور مرضی کے مطابق ہیں لہٰذا انہیں جوں کا توں قبول کر لینے سے اللہ کی رضا اور خوشی حاصل ہو جاتی ہے۔

جناب والا!

"اس طرح کا عقیدہ پیدا کر دینے سے سب سے زیادہ وہی مذہبی راہنما اور علماء فائدے میں رہتے ہیں جو اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے کی تگ و دو میں بغیر کسی رکاوٹ کے لگے رہتے ہیں۔ جبکہ دین ہر قسم کے ظلم و ستم اور دباؤ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینے کا حکم دیتا ہے' اور انسان کو تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے احکام پر مبنی ایسا سماجی و قومی نظام رائج کیا جائے جس میں ہر قسم کے ظالم اور ستم گر عدل کے پابند ہو کے رہ جائیں۔"

لڑکی قرآن کی آیات کے حوالے سے اپنے موقف کو مزید واضح کرتی چلی گئی

اور اس نے مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"مذہب پرستش اور عبادات کے نام پر مراقبوں میں غرق رہنے کی تلقین کرتا ہے جو اس کے پیروکاروں میں خود فریبی کو جنم دیتا ہے جبکہ دین حکم دیتا ہے کہ آدمی مکمل فرماں برداری کے ساتھ اللہ کے قوانین و احکام کے مطابق اثر انداز ہونے والے طریقہ زندگی کو اپنائے اور وہ اسے ہی عبادت قرار دیتا ہے۔"

اور جناب والا!

"مذہب ہر نئی شے اور دریافت کو گناہ قرار دیتا ہے جبکہ دین اس حقیقت پر یقین پیدا کرتا ہے کہ وقت اور ادوار کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی ضروریات اور احتیاجات بدلتی رہتی ہیں اس لیے تغیر اور دریافتیں ضروری ہیں۔ البتہ صرف اللہ کے قوانین اور احکام ہی ناقابل تغیر ہیں۔"

لڑکی نے اپنے دلائل سمیٹتے ہوئے کہا کہ:

جناب والا!

"اس تجزیے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مذہب اور دین میں بنیادی فرق کیا ہے۔ یعنی' زندگی کے حوالے سے دیکھا جائے تو دین یعنی اسلام کا مطلب "اقرار" ہے اور مذہب کا رد عمل "انکار" ہے۔ اس لحاظ سے اسلام مکمل دین ہے اور قطعی طور پر مذہب نہیں۔"

عدالت میں موجود حاضرین پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔ لوگ اپنے ذہن و شعور میں عجیب سی ہلچل محسوس کرنے لگے۔ ان میں بہت سے لوگ جو کل تک کٹر تھے اور لڑکی کی کسی بات کو سننا بھی گناہ سمجھتے تھے انہیں اپنے راہنما بڑے خالی خولی اور مفاد پرست محسوس ہونے لگے۔ انہیں رہ رہ کر اپنے راہنماؤں کے اطوار یاد آنے لگے کہ کس طرح وہ انہیں مخالف فرقے والوں کے خلاف بھڑکاتے اور بندوقوں کی گولیوں کے سامنے کھڑا ہونے کی تلقین کرتے۔ انہیں اپنے راہنماؤں کی بے علمی بھی یاد آنے لگی

کہ جب دین کے بارے میں ان سے سوالات کیے جاتے تو وہ سوالات اور جستجو نہ کرنے کی تلقین کرتے۔

سب سے زیادہ دلچسپ حالت ان خواتین کی تھی جو اس سے پہلے دین کے طریقہ زندگی کو جھٹلانے میں فخر محسوس کرتیں اور عام پڑھے لکھے مذہبی آدمی کے علم کا مذاق اڑاتیں وہ لڑکی کے دلائل سن کر بذات خود لاجواب ہوئی بیٹھی تھیں اور ان کے اپنے قلب و شعور میں دین کے بارے میں چاہت پیدا ہو رہی تھی۔ جو لوگ اپنی بیٹیوں کو سیکھنے کے لیے لائے تھے وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں کہہ رہے تھے کہ:

"تم بھی اس لڑکی جیسا بننا اور ویسا ہی علم حاصل کرنا اور ویسا ہی اطمینان و حوصلہ پیدا کرنا۔"

عدالت کے جج صاحبان بذات خود بڑے انہماک سے اس کے دلائل سنتے جا رہے تھے اور انہیں قانون کے مطابق ریکارڈ کر رہے تھے۔

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد بڑے وکیل نے لڑکی سے پھر استفسار کیا کہ:

"آپ نے فرقوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی اور اس طرح ان کے پیروکاروں کو گمراہ کیا جس سے انہوں نے اپنے اپنے فرقوں کی رسومات کو ترک کر دیا مگر اس طرح آپ نے ان کے بنیادی عقائد پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جس سے ان جیسے دیگر پیروں کاروں میں اشتعال پیدا ہوا اور اس کی بناء پر قومی زندگی کا امن و امان خطرے میں پڑ سکتا تھا اور اس طرح قوم کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا۔"

لڑکی نے بڑے ادب سے عدالت کو مخاطب کیا کہ:

جناب والا!

"میں اپنے اس موقف پر قائم ہوں کہ دین اسلام کے حسن کو ہر فرقے کے پرستاروں نے برباد کرنے کی کوشش کی ہے' اور میرا چیلنج یہ ہے کہ یہ لوگ اگر اپنے اپنے فرقے کی رسموں' رواجوں' عقائد اور طریق حیات کو دیکھیں کہ کیا آخری نبیؐ کے بھی انداز زندگی' رواج' رسمیں اور

عقائد یہی تھے جو انہوں نے اپنا رکھے ہیں تو وہ خود ہی فرقوں کو چھوڑ دیں گے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ یہ لوگ غور ہی نہیں کرتے۔"

جناب والا!

"اگر میں انسانوں کو قرآن کے حکم کے مطابق "غور و فکر" کرنے کی جانب مائل کرتی ہوں تو یہ جرم کیوں کر ہوا؟ کیا قرآن کے حکم کے بعد بھی اب مسلمانوں کے ہی ہاتھوں "غور و فکر" کرنے کی پاداش میں زہر کے پیالے پینے پڑیں گے؟

جناب والا!

"اگر اس عمل کے لیے یہ سزا لازمی ہے تو پھر مسلمان اک مستقل زوال کے لیے تیار رہیں۔ اور مجھے اس سلسلے میں بس یہی کچھ کہنا ہے۔"

لڑکی کی اس تشریح سے بہت سے وہ لوگ جو عدالت میں حاضر تھے اور اپنے اپنے فرقے کو سچا اور آخری سمجھتے تھے ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے دلوں میں پر مسرت سی روشنی جنم لے رہی تھی اور وہ آہستہ آہستہ اس اعتماد کی طرف بڑھ رہے تھے کہ وہ واقعی اپنے فرقے کے عقائد اور طریق کار کو آخری نبیؐ کے انداز زندگی کو سامنے رکھ کر پرکھیں گے اور ہر اس عقیدت کو مسترد کر دیں گے جو کسی فرقے کے وسیع لٹریچر سے پیدا ہوئی۔

وہاں پہ موجود بعض لوگوں کو لڑکی کی یہ مثال بھی بہت دلنشین لگی کہ بلالؓ یا دیگر صحابہؓ کا تو کوئی فرقہ نہیں تھا اور نہ ہی فرقوں پر مبنی کوئی اتنا وسیع لٹریچر ان کے پاس تھا چنانچہ وہ لوگ اسی وجہ سے انتہائی کامیاب و کامران ہوئے۔ انہیں اس کی اس دلیل نے بہت متاثر کیا کہ آئمہ اکرام کی تمام تحقیقات چاہے وہ کسی بھی شعبے میں ہوں ہمیں راہنمائی تو فراہم کر سکتی ہیں مگر وہ حرف آخر نہیں' چنانچہ مزید جستجو' اور تحقیق جاری رہنی چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ حقائق آشکار ہو سکیں اور بہتر سے بہتر طریق زندگی اختیار کیے جا سکیں ورنہ قلب و شعور جامد ہو کے رہ جاتا ہے اور نہ پرکھی

جانے والی تحقیقات اپنے محقق سمیت اپنے پیروکاروں کی زندگیوں میں بتوں کی طرح عقیدتوں کا مرکز بن جاتی ہیں۔

بعض حاضرین کو جو کسی نہ کسی کے بڑے پکے پیروکار تھے انہیں لڑکی کی تشریح و تعبیر فوری طور پر پسند نہ آئی اور انہیں اپنے عقیدے میں ایک دھچکا سا محسوس ہوا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ وہ کتنی خوف زدہ اور متعصب زندگی گزار رہے ہیں کہ اپنے مسلک میں ہر بات کو ہی آخری اور ہر حکایت کو ہی آخری اور ہر ہستی کو ہی آخری سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ آخری نبی تو صرف محمد ﷺ ہی کی ذات اقدس ہے۔

انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ عجیب طرح کے زندہ لوگ ہیں کہ کبھی اپنے مسلک اور اپنے مسلک کی تحقیقات کو تنقید کے ہتھیار سے پرکھتے ہی نہیں۔

لڑکی کے تمام دلائل حاضرین کے دلوں میں گھر کر رہے تھے یہاں تک کہ جب اس نے کہا کہ "بلالؓ جنہیں تپتی ریت پر دشمنان اسلام گھسیٹتے تھے اور وہ تب بھی "احد احد" پکارتے تھے تو ان کی رحلت کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی نے بھی ان کی یاد کا جشن اس طریقے سے نہیں منایا جیسے کہ آج کے مسلمان مناتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان کی کوئی ایسی درگاہ یا مزار بنایا جو خاص و عام کے لیے وجہ عقیدت ہو" تو سننے والوں میں سے چند پیروکار بے ساختہ کہہ اٹھے "اللہ اکبر" جس کے لیے عدالت کو پھر نوٹس لینا پڑا تھا۔

عدالت نے اگلی چند کاروائیوں میں مدعیان کو دائر کیے گئے مقدمات کے حوالے سے لڑکی پر مزید جرح کا موقع فراہم کیا اور پھر کچھ روز بعد فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔

عدالت کی اجازت سے اس کاروائی کی روداد اخباروں میں شائع ہو رہی تھی اور ملک کا دانش مند طبقہ اسے بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا۔

بہت سے تجزیہ نگاروں کا کہنا تھا کہ:

"لڑکی حق پر ہے مگر اسے جمود پرستوں نے اتحاد کر کے بے مقصد اور بے معنی مقدمات میں ملوث کیا ہے۔"

بعض تجزیہ نگار یہ رائے رکھتے کہ:

"لڑکی کے نظریات باغیانہ اور مشتعل کرنے والے ہیں۔ جنہیں غلامانہ ذہنیت رکھنے والے جمہوری یا غیر جمہوری اہل اقتیار برداشت نہیں کر سکتے۔" البتہ کالم نگاروں میں کچھ ایسے بھی تھے جو ابھی تک لڑکی کو ہی مجرم و گناہ گار گردانتے تھے اور اپنے مؤقف کے حق میں وہ کسی بھی قسم کی دلیل دینے کے لیے اپنے آپ کو پابند نہیں سمجھتے تھے۔

بہرحال ایسے سب لوگوں کے درمیان بہت دیر تک بحث و تمحیص چلتی رہی۔ لڑکی پر جو گزری سو گزری مگر ان سب احوال و مناظر کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ:

"معاشرے میں مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ ابھرنے لگا۔ جس نے اپنے عقائد کو "تنقید اور غور و فکر" کے ہتھیاروں سے پرکھنے کی ٹھان لی اور سوائے آخری نبی ﷺ کے کسی بڑے سے بڑے کا مقلد و پیروکار ہونے کی بجائے انہوں نے اپنی ذات و شخصیت کے اندر سے ہی امام و مرشد کی جستجو شروع کر دی۔"

(35)

جب سے اسرائیل کو لڑکی کے پاکستان میں قیام کرنے کی خبر ملی تھی تو اس نے ایک بڑی طاقت کی وساطت سے لڑکی پر بعض الزامات لگا کر پاکستان میں اس وقت کی حکومت پر دباؤ بڑھا دیا تھا کہ لڑکی کو سرکاری طور پر اس طاقت کے حوالے کر دیا جائے۔ اسرائیل کے خفیہ ادارے کا منصوبہ یہ تھا کہ جیسے ہی وہ ملک لڑکی کو حاصل کر لے گا تو ان کا خفیہ ادارہ خود ہی لڑکی کو وہاں سے اسرائیل منتقل کر دے گا۔

اسی دوران وہ تمام اہل اختیار اور بڑے اشخاص جو کہ لڑکی کے خلاف دائر کیے گئے مقدمات میں فریق تھے۔ انہیں بھی کسی نہ کسی طرح خبر ہو گئی کہ لڑکی نے پاکستان میں سیاسی پناہ کی درخواست دے رکھی ہے۔ اور پاکستانی قومیت حاصل کرنے کی بھی استدعا کر رکھی ہے۔ ان سب کے لیے یہ خبر کسی اچنبھے سے کم نہیں تھی۔ ایک لحاظ سے ان میں بہت سے خوشی سے پھولا نہ سماتے تھے۔

وہ کسی ایک جگہ پر اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا:

"شکر ہے کہ ہونی ٹل گئی۔ میں تو شروع سے ہی تذبذب میں تھا کہ طوفانی عقل رکھنے والی یہ لڑکی پاکستانی کیسے ہو سکتی ہے؟ جب کہ ہم نے اسی وجہ سے ہی

عورت پر انقلابی تعلیم حاصل کرنے کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ کیوں کہ پھر وہ دلائل دینے لگ جاتی ہے اور جس نسل کو پرورش کرتی ہے۔ تب وہ جوان ہو کر ہمارے ہی نظام کو الٹنے کی بات کرتی ہے۔"

ایک بڑے شخص نے اس عہدے دار کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"جناب عالی!

"پورے پاکستان کا تو پتہ نہیں مگر ہمارے علاقے میں کوئی عورت دم مار کر تو دیکھے۔ ہم اس کی زبان کھینچ لیتے ہیں۔ یہ تو اس لڑکی نے ہمیں الجھا دیا ورنہ ایسی جراتیں تو ہم بچپن سے ہی ختم کر دیا کرتے ہیں۔"

ایک مذہبی راہنما نے کہا:

"اسی لیے میں نے شروع سے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ اسلام سے بے خبر ہے اور جو دلائل وہ دیتی تھی وہ تو سراسر جہالت پر مبنی تھے۔"

ایک وکیل نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"ویسے ایک لحاظ سے آپ لوگ اسے اپنے خوش قسمتی ہی سمجھیں کہ وہ سیاسی پناہ کے سلسلے میں حکومت کی کڑکی میں ہے ورنہ اس کا وجود آپ لوگوں کے اثر و رسوخ اور آپ کے علاقوں میں آپ کے نظام کو برباد کر کے رکھ دیتا۔ اور یہ سچ ہے کہ اس کا سامنا کرنا ہماری ٹیم کے وکلاء میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔"

ان لوگوں سے تھوڑی ہی دور بیٹھا ہوا ایک شخص جو غالباً بستی میں لڑکی کا پاسبان ہوا کرتا تھا۔ وہ بڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھا شاید رو رہا تھا۔ اور اس کی بھیگی ہوئی پلکیں بتا رہی تھیں کہ وہ کافی دیر تک اشک بہاتا رہا ہو گا۔ ان کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ جب اس سے رہا نہ گیا تو وہ بڑے وقار سے اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بڑے اعتماد سے ان سے مخاطب ہوا کہ:

"میرے وطن کے بڑے انسانو!

○ اگر ہم زندہ رہے تو اس لڑکی کا وجود ختم نہیں ہونے دیں گے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس کے بدلے میں کتنے ہی

ستارے روشن ہو جاتے ہیں۔ یہی ہے نہ کہ! تم اپنی طاقت اور اختیار کا سہارا لے کر ہمیں اور ہم جیسوں کو برباد کرنے کی کوشش کرو گے اور وہ لڑکی ہماری مدد کو نہیں آ سکے گی۔ لیکن ہم نے بھی "اللہ اکبر" کہنا سیکھ لیا ہے۔ یہی ہے نا کہ اب وکیل بڑھ بڑھ کر ہمیں جھٹلائیں گے اور ہم لڑکی جیسے جوابات نہیں دے سکیں گے اور ہمیں تاعمر جیلوں میں بند کر دیا جایا کرے گا۔ لیکن ہمیں مسخ شدہ اور بے بنیاد آزادی سے زیادہ ان قید خانوں میں اطمینان ہوگا۔ اور یہی ہے نا کہ تم ہمارے اتحاد کو ختم کر کے ہم میں سے بکنے والوں کو خرید لو گے اور فرقہ فرقہ کر دو گے اور ایک دوسرے کو قتل کرواؤ گے۔ اور ہمارے بچوں سے کتابیں چھین لو گے اور انہیں بے گھر کر کے رکھ دو گے اور وہ لڑکی تم سے ٹکرانے کے لیے نہیں آ سکے گی۔ لیکن ہم نے اپنے بچوں کی روحوں میں قرآن پاک کا پیغام بھر دیا ہے۔ اب وہ تمہارے سامنے کبھی سر نہیں جھکائیں گے۔ چاہے تم ان کے معصوم چہروں کو لہولہان کر دو۔ اور یہی ہے نا کہ تم ہمارے علاقوں کی دولت کو لوٹ لیا کرو گے اور تمہیں کوئی روکنے والا نہیں ہوگا مگر

ایک بڑا شخص جو اس کی باتوں سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس پر پستول تان کر کہنے لگا۔

"تم جیسوں کو مٹی میں ملانا میرے لیے ایک لمحے کا کام ہے۔" اس شخص کے بالکل دائیں طرف سے قریب ہی آتے ہوئے شخص نے ذرا قدم بڑھا کر بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پستول کا رخ آسمان کی جانب کرتے ہوئے کہا:

"آپ ہمارے ساتھ ایک نئی کشمکش کا اعلان کر رہے ہیں۔"

ایک بااختیار شخص نے کرخت لہجے میں کہا کہ:

"پہلی کشمکش ختم کب ہوئی ہے؟"

ایک دوسرے بڑے شخص نے بات بڑھاتے ہوئے کہا:

"فی الحال تو ہم لڑکی کے انجام کے منتظر ہیں۔ لیکن ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ

لڑکی کے لیے ہم یہ زمین تنگ کر دیں گے اور اسے پاکستان میں نہیں رہنے دیں گے۔"

اس شخص نے پستول والے کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا:

"تب وہ وقت جلد آئے گا کہ تم لوگ خودکشی کے بہانے ڈھونڈو گے اور یہ سرزمین تمہیں قبر کے لیے بھی جگہ نہ دے گی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دونوں ان کے پاس سے ہٹ کر کہیں اور چلے گئے۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ان میں سے جو زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ اس نے مشورہ دیا:

"لڑکی کو اسرائیل کا ایجنٹ قرار دے کر بدنام کیا جائے۔ اور نہ صرف اس طرح اس کے چاہنے والوں کی رائے اس کے خلاف کر دی جائے بلکہ اگر مقدمات میں وہ بری بھی ہو جائے تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے۔"

مگر ایک سیانے نے انہیں مشورہ دیا:

"لڑکی مسلمان ہو چکی ہے اور اس نے باقاعدہ سیاسی پناہ اور قومیت حاصل کرنے کے لیے جو درخواستیں دے رکھی ہیں۔ تو ان کی بناء پر سارا پراپیگنڈہ اس کے حق میں جائے گا۔ اور لوگوں کی مزید ہمدردیاں اس کے ساتھ ہو جائیں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عوام کا دباؤ حکومت پر بڑھ جائے کہ اسے بڑی طاقت کے حوالے نہ کیا جائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ خاموشی سے اس کی درخواستوں کو مسترد کروانے کی کوشش کی جائے۔ اور جہاں تک بڑی طاقت کے دباؤ کا تعلق ہے تو حکومت کسی صورت بھی اس کا سامنا نہیں کر سکے گی۔ اور تب ہر حال میں لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

جیل میں لڑکی نئے پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ لیتی رہی۔ وہ اکثر خاموش رہنے لگی۔ جیل کی قیدی عورتیں اور چھوٹا عملہ بدستور پروانوں کی طرح اس کے اردگرد رہتا اور مسائل حیات کے بارے میں اس سے راہنمائی حاصل کرتا۔

اسرائیل کے خفیہ محکمے کے سربراہ کو ایک دن خط موصول ہوا۔ جسے پڑھ کر وہ

کچھ چونکا۔ مگر اس نے جلد ہی کوئی نئی حکمت عملی تیار کر لی۔ خط میں تحریر تھا کہ:

محترم!

"آپ کے خفیہ محکمے کے کارندوں کو میں نے جان بوجھ کر کچھ مہلت دے کر زندہ رکھا۔ تاکہ ان کی زبانی آپ کو علم ہو سکے کہ میں واقعی سچے دل سے مسلمان ہو چکی ہوں۔ یہ کسی بھی انسان کا پیدائشی حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کا دین اور نظریہ اختیار کر سکے۔ سو میں نے اسلام کو چن لیا۔ اس لحاظ سے اب آپ کے پاس کوئی جواز نہیں کہ آپ کسی سازش کے تحت مجھے گرفتار کروا کر طلب کریں یا قتل کروائیں۔

لیکن آپ نے مجھے مسلمان ہونے کے ناطے سے برباد کرنے کی راہ چن لی ہے۔ اگرچہ آپ بے پناہ ذرائع کے مالک ہیں اور اس لحاظ سے میں بالکل بے ذریعہ و بے آسرا ہوں۔ لیکن اگر مجھے کہیں پناہ مل گئی اور میں زندہ رہی تو مجھے آپ ایک بہتر دشمن پائیں گے۔ کیوں کہ میرے لیے آپ کو اسرائیل کے کسی بھی گوشے میں تلاش کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہو گا۔ اگرچہ میری یہ جدوجہد دیئے اور طوفان کی کشمکش کے مترادف ہے۔ لیکن بہرحال اب یہ ایک حقیقت تو ہے۔ اس لیے میرا دین خطرات سے گھبرا کر فرار کی اجازت نہیں دیتا۔ اور دین کے دشمنوں کا آخری حدوں تک پیچھا کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

وہ شخص بہت دنوں تک اس کے خط کے اقتباسات پڑھتا رہا اور ہر لفظ کا تجزیہ کرتا رہا۔ اس نے کافی دنوں کی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ لڑکی والے کیس کا پیچھا کرنا آہستہ آہستہ کم کر دیا جائے اور اپنی توانائیاں مزید نئی اسرائیلی بستی بنانے میں صرف کی جائیں۔ مگر اسی دوران اس کی ریٹائرمنٹ آ گئی اور ایک نئے بہت تربیت یافتہ کسی آفیسر کو اسی خفیہ ادارے کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ اس نے آتے ہی لڑکی کے کیس کے بارے میں تمام حالات و واقعات کو جاننے کے بعد اپنی حکومت کی جانب سے لڑکی کو واپس لانے کے سلسلے میں بڑی طاقت کے ساتھ رابطہ تیز کر دیا۔

عدالت نے اپنی اگلی کاروائی میں مقدمات کے فیصلے کا اعلان کرنا تھا۔ زیادہ تر لوگوں کی ہمدردیاں لڑکی کے ساتھ تھیں۔ علاقے کے لوگوں نے اس کے لیے بے حساب دعائیں مانگی تھیں۔ جیل کی قیدی عورتوں نے الگ رو رو کر اس کی عافیت اور بری ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے التجائیں کی تھیں۔ بہت سے صحافیوں کے دل کی دھڑکنیں خود لڑکی کو بے گناہ قرار دے چکی تھیں۔ بڑے بڑے کٹر پیروکار خود اپنے راہنماؤں سے منحرف ہو کر لڑکی کے لیے دعاگو تھے۔ لوگ صبح ہی سے عدالت کی جانب رواں تھے اور جب تک عدالت نے کاروائی شروع کی۔ عدالت کے باہر لوگوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ کمرہ عدالت لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عدالت نے اپنے مخصوص وقت پر ہر طرح کی ساعت مکمل ہونے کے بعد فیصلے کا یوں اعلان کیا۔

"مقدمات کی نوعیت، گواہان کے بیانات، وکلاء کے دلائل و جرح اور لڑکی کے دلائل و وضاحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ لڑکی پر لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد اور بدنیتی پر مبنی ہیں۔ لڑکی ہر لحاظ سے ایک سچی مسلم اور قابل قدر نظریات کی حامل ہے۔ لہٰذا عدالت اسے باعزت طور پر بری کرتی ہے اور اسے مخالفین کے خلاف ہتک عزت کا ہرجانہ وصول کرنے کا مقدمہ دائر کرنے کا حق دیتی ہے۔"

یہ فیصلہ سنتے ہی لوگ بلند آواز میں لڑکی کے حق میں نعرے لگانے لگے۔ لوگ بہت جذباتی ہو چکے تھے اور چلا چلا کر اس کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ بستی کے لوگ آگے بڑھ بڑھ کر اپنی محسنہ کا استقبال کرنا چاہتے تھے۔ بستی کے لوگوں نے عدالت کے حاضرین کو بتایا کہ لڑکی سوائے "نعرہ تکبیر" کے کوئی اور نعرہ پسند نہیں کرتی۔ یہ سنتا تھا کہ فضا "نعرہ تکبیر" کی فلک شگاف صداؤں سے گونج اٹھی۔

جب مقدمے کا اعلان ہو رہا تھا اور عدالت لڑکی کو بری کر رہی تھی تو لڑکی تصورات میں ہی جیسے پرواز کرتی ہوئی واپس اپنی بستی میں پہنچ چکی ہو اور لوگوں کو اور آگے اور آگے بڑھنے کا درس دے رہی ہو۔ وہ ان چند لمحوں میں

ہزاروں خواب دیکھ رہی تھی کہ کیسے وہ ساری بستیاں قرآن پاک کی ضوفشانی سے جگمگا اٹھی ہیں۔

اور وہ سوچ رہی تھی کہ:

"اب کے بار کون کون سے منصوبوں پر پہلے عمل کیا جائے گا۔ اس نے تصورات میں یہ بھی پروگرام بنا لیا کہ ہتھیار ڈالنے والے ڈاکوؤں کی کس کس طرح قانون کے مطابق مدد کی جائے گی۔ تاکہ ان میں جو بے گناہ ہیں۔ انہیں بہتر زندگی گزارنے کے مواقع دلائے جائیں۔ اسی بے خودی میں نجانے اس نے کتنے خواب دیکھ ڈالے۔ کہ ایک زوردار "نعرہ تکبیر" کی صدا نے اسے جگا دیا۔"

اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو حاضرین کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں اور مقدمات دائر کرنے والے خوفزدہ اور زرد چہروں کے ساتھ حاضرین کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ سر جھکائے کہیں سے بھاگ کر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہے تھے کہ لڑکی نے عدالت کو بڑی متانت سے مخاطب کیا کہ:

جناب والا!

"میں اللہ کی راہ میں ان تمام لوگوں کو معاف کرتی ہوں۔ جنہوں نے اسے ان مقدمات میں ملوث کیا تھا۔"

لڑکی ہزاروں مسرتیں اور لاکھوں خواب لیے جونہی کمرۂ عدالت سے باہر نکلی تو ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر نے کسی متعلقہ محکمے کی جانب سے کچھ کاغذات بڑے رازدرانہ طور پر اسے دکھائے اور فوری طور پر گرفتار کر کے خاص پولیس کی مدد سے پچھلے دروازے سے کسی نامعلوم مقام پر لے جا کر بند کر دیا۔

اعلیٰ آفیسر نے لڑکی کو بتایا کہ:

"اس کی سیاسی پناہ اور قومیت حاصل کرنے کے لیے دی گئی درخواستیں مسترد ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اسے فلاں ملک کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

مگر اسی دوران کسی نے ہجوم کو بتا دیا کہ لڑکی کو پھر سے گرفتار کر کے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ ہجوم قابو سے باہر ہو گیا اور

بڑے بڑے اشخاص کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی گئی۔ لوگ بے حساب افسردہ و غمگین تھے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا کہ لڑکی کو کہاں لے جایا گیا ہے؟ ورنہ وہ ہر طرح کی جیل کو تباہ کر دیتے۔ صحافیوں سمیت کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ لڑکی کو کن جرائم کی بنیاد پر دوبارہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ بعض صحافیوں نے بعض اعلیٰ افسران سے رابطہ کر کے کسی نہ کسی قسم کی خبر لینے کی کوشش کی مگر انہیں کوئی سراغ نہ مل سکا۔

اگلے روز کے بعض اخبارات نے سرخی لگائی کہ:

"کسی سرکاری محکمے کے ہاتھوں لڑکی کا پراسرار اغواء"

لیکن لڑکی کے بارے میں اصل حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد وکلاء برادری کے بہت سے اہل ایمان اور درد دل رکھنے والے وکلاء نے عدالتی فیصلہ حاصل کر لینے کے بعد لڑکی کے حق میں "سیاسی پناہ اور قومیت" کے لیے از خود عدالت میں رٹ دائر کر دی۔ ایسے ہی وکلاء کی بعض تنظیموں نے آئندہ ہر محاذ پر لڑکی کا ساتھ دینے اور اس کی مدد کرنے کی قراردادیں پاس کیں۔

لڑکی کو جس جگہ بند کیا گیا۔ وہ ایک شہر کے باہر کسی ریسٹ ہاؤس کی عمارت تھی۔ ریسٹ ہاؤس کے باہر جو پولیس کی نفری تعینات کی گئی۔ وہ کافی مستعد تھی۔

انہیں ہدایات دی گئی تھیں کہ:

"نئے احکامات تک لڑکی سے کسی کو نہ ملنے دیا جائے۔"

لڑکی اس غیر متوقع حالات میں بھی نہایت مطمئن تھی اور صرف اللہ کی یاد میں مگن رہی۔

وہ جانتی تھی کہ:

"اسرائیل اسے واپس لینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اور وہاں لے جا کر چند روز کی تفتیش کے بعد گولی مار دی جائے گی۔ اسے اپنی موت کا ذرا بھی دکھ نہ تھا۔ اگر کوئی صدمہ تھا تو وہ یہ کہ دنیا کی ایک اسلامی ریاست جو اہل اسلام کی سب سے بڑی پناہ گاہ کے طور پر معرض وجود میں آئی۔ وہ ایک مسلم لڑکی کے لیے

ایک بڑی غیر مسلم طاقت کا سامنا نہ کر سکی۔ اسے رہ رہ کر ولید بن عبدالمالک، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم یاد آئے۔ اس کی آنکھوں میں پاکستان کے عظیم لوگوں کی بے پناہ محبت اور خاص کر اس بستی کے لوگوں کی بے حد چاہت و وفاداری کی یاد سے آنسو آ آ کر منڈلانے لگے۔"

وہ سوچتی رہی کہ:

"کاش اس نظریاتی اسلامی مملکت کو کوئی عمر فاروقؓ جیسا حکمران میسر آ جاتا تو یہ اقوام عالم کا محور ہوتی کیوں کہ اس کے لوگ بہترین دلوں کے مالک ہیں۔"

لڑکی نے کمرے کی ایک کھڑکی سے سورج کے غروب ہونے کا نظارہ کیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے رات ستاروں سے بھر گئی۔ اور وہ دیر تک ان کے جگمگاتے جھرمٹوں کو دیکھتی رہی۔ اس نے اپنے یقین و ایمان کے مطابق اپنی تمام الجھنیں، مسائل اور مشکلات رب العلمین کی بارگاہ میں ڈال دیں۔

اس کا پختہ ایمان تھا کہ:

"جب انسان اپنی محنتوں اور دانش کے باوجود عاجز آ جائے اور اسے مشکلات کے حل کا کوئی راستہ بھائی نہ دے رہا ہو تو پھر سب الجھنیں پروردگار دو عالم کے حوالے کر کے اس کی یاد اور ذکر لیے اطمینان میں آ جانا چاہیے۔ اس نے اپنے متوقع انجام کو اپنے ذہن سے محو کرنے کی کوشش کی۔"

وہ محسوس کر رہی تھی کہ:

اس رات کے بعد شاید وہ کھلے آسمان کو کبھی نہ دیکھ سکے۔ اسی لیے وہ جی بھر کر نظارہ کر لینا چاہتی تھی۔

اسے یقین تھا کہ:

"اس کا اتہ پتہ مل جانے کے بعد اسرائیل اس سے محروم ہو جانے کو تیار نہیں ہوگا۔" اسرائیل کے بارے میں اس کے اندازے منطقی طور پر غلط نہ ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یقیناً یہی تھی کہ وہ ایک عمر تک انہیں میں رہی تھی اور ان کی درسگاہوں سے لے کر تربیت گاہوں تک کے ہر راز سے واقف تھی۔

مسلمان ہو جانے کے بعد اگرچہ اس کی زندگی کا مقصد صرف اسلام کی

سربلندی کے لیے کام کرنا تھا۔ اور اس بات سے اسرائیل کے خفیہ اداروں کو خبر مل چکی تھی۔ مگر نئے آنے والے سربراہ نے پہلے والے سربراہ سے بھی کہیں بڑھ کر لڑکی کو واپس اسرائیل لانے کے لیے کسی ملک کے حوالے سے جدوجہد تیز کر دی تھی۔

اس ملک کے خفیہ ادارے نے لڑکی کو متعدد الزامات کے سلسلے میں طلب کیا تھا۔ تمام الزامات میں اہم ترین الزام ایسا تھا۔ جس کے لیے پاکستان پر دباؤ بڑھایا جا سکتا تھا۔ ان کی جانب سے جو مؤقف بار بار اختیار کیا جا رہا تھا۔ اگرچہ وہ چنداں قائل کرنے والا نہیں تھا۔ پھر بھی نشہ طاقت میں وہ اپنا تقاضا مسترد ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پاکستان میں سیاسی حالات پہلے ہی دگرگوں تھے اور بہت سے منتخب نمائندوں کو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر پارٹیوں سے وفاداریاں بدلنے کی لت پڑ چکی تھی۔ ملک کے بینکوں سے بڑی بڑی رقوم قرضوں کے طور پر لے کر حکمرانوں کی ملی بھگت سے معاف کروا لینا ان کے لیے نہایت آسان تھا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے بڑے بڑے معاشی ادارے، کمپنیاں اور بینک تباہ ہو کر رہ گئے۔ بکنے والے منتخب نمائندوں کی بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگتی تھیں۔ اس پس منظر میں اس ملک کے لیے پاکستان سے جائز و ناجائز شرائط و مطالبات منوانا بالکل مشکل نہ تھا۔ نئے اسرائیلی سربراہ نے اس ملک کے خفیہ ادارے کا ذاتی دورہ کیا اور لڑکی کو واپس لائے جانے کے انتظامات کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ واپس آ کر اس نے اپنے ادارے کے ذہین افسران سے لڑکی کی قسمت کے بارے میں مشورہ کیا۔ کیوں کہ اگلے چند دنوں میں اس کے واپس لائے جانے کی توقع تھی۔

افسران کو لڑکی کے انجام کا فیصلہ کرنے میں ذرا مشکل پیش نہ آئی تھی اور ان میں سے کسی کی رائے بھی ایک دوسرے سے مختلف نہ تھی۔ ان سب کا یک زبان فیصلہ تھا کہ "لڑکی کو گولی سے اڑا دیا جائے" ورنہ اسی طرح کے بعض ایجنٹ لڑکی جیسا ہی راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ البتہ دو ایک افسران ایسے بھی

تھے۔ جن کی رائے کے مطابق "اسے ہلاک کرنے سے پہلے اس کے پاکستان میں روابط کے بارے میں معلومات حاصل کر لی جائیں۔"

نئے سربراہ نے افسران کو ان انتظامات سے بھی آگاہ کیا۔ جو اس ملک نے لڑکی کو لائے جانے کے لیے کیے تھے۔

اس نے بتایا کہ:

"اس ملک نے لڑکی کو لانے کے لیے کمانڈو بھیجے ہیں اور اس کے لیے ایک سپیشل طیارہ بھی گیا ہے۔ جس کا خرچ ہمارا ادارہ برداشت کرے گا۔"

سربراہ نے اپنے ماتحتوں سے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"لڑکی کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ وہ نہایت چونکا دینے والی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ میں ایسی ذہین و فطین لڑکی کو اپنے ہی ادارے میں رہتے ہوئے نہ دیکھ سکا۔"

ایک ماتحت آفیسر نے کہا کہ:

سر!

"جن دنوں آپ فرانس میں تھے۔ یہ لڑکی انہی دنوں میں اغوا کی گئی تھی۔ اور یوں بھی اپنے شعبے کے لحاظ سے یہ اتنی اہم نہیں تھی کہ آپ کی توجہ میں آ سکتی۔"

نئے سربراہ نے کہا:

"پھر بھی اس کی تربیت کرنے والوں کو تو اس کی صلاحیتوں سے باخبر ہونا چاہیے تھا۔ حیرت ہے کہ ان کی رپورٹوں میں سے اسے ایک عام سی لڑکی ظاہر کیا گیا ہے۔ جب کہ حالات و واقعات اس کی شخصیت کے بارے میں ایسی گواہی دیتے ہیں کہ اس جیسی لڑکی ہمارے تمام اداروں میں کوئی نہیں۔"

ایک دوسرے ماتحت آفیسر نے کہا:

سر!

"میرا خیال ہے کہ اسے اس کے اختیار کیے جانے والے مذہب نے غیر معمولی بنا دیا ہوگا۔" سربراہ کو اس کی یہ بات انتہائی ناگوار گزری۔

اس نے ماتحت آفیسر کو کرخت لہجے میں کہا:

"گفتگو سے پہلے الفاظ پر غور کر لیا کرو۔ کیوں کہ اکثر اوقات یہ ذہنیت اور نیت کا پتہ دیتے ہیں۔" اگرچہ وہ آفیسر یہ وارننگ سن کر سہم گیا۔ تاہم سربراہ نے اگلے روز انتہائی خفیہ طور پر ایک آفیسر کو اس کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔

اس ملک کے جن کمانڈو افسران اور سپاہیوں کو لڑکی کو لانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ انہیں ان حالات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ جن میں لڑکی کو بعض جذباتی قسم کے مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو سکتی تھی۔ اور وہ سخت قسم کی رکاوٹ ثابت ہو سکتے تھے۔

ایک کمانڈو آفیسر نے لڑکی کا تمسخر اڑاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"ایک ننھی سی جان کے لیے مجھ جیسے آفیسر کو کس لیے بھیجا گیا ہے؟"

دوسرے نے اس کی بات کو مزید الفاظ دیتے ہوئے کہا:

"یوں سمجھ لو کہ ایک چڑیا سات عقابوں کے پنجوں میں ہے۔"

ایک جونیئر آفیسر نے کہا:

سر!

"میرا خیال ہے کہ بعض لوگ لڑکی کی حمایت میں ہمارے لیے خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

پہلے والے آفیسر نے کہا:

"ناممکن ہے۔ وہ ایسے ریسٹ ہاؤس میں بند ہے۔ جہاں تک عام لوگوں کی رسائی نہیں ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری جن کو سونپی گئی ہے۔ ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بذات خود نگرانی میں ہیں۔ تاکہ ان سب میں سے کوئی کسی کو فریب نہ دے سکے۔"

ریسٹ ہاؤس میں جانے سے پہلے ان سب کو ایک ہوٹل میں رکھا گیا۔ یہ سب کمانڈو زیادہ تھکے ہوئے نہیں تھے۔ اس لیے انہوں نے زیادہ آرام کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس شہر میں گھوم پھر کر حالات اور جگہوں سے شناسائی حاصل کرنے کو ترجیح دی۔

انہوں نے خاص طور پر [illegible] کے آس پاس کے علاقوں کا جائزہ لیا اور دور و نزدیک سے وہاں پر متعین گارڈ والوں کا جائزہ لیتے رہے۔

اسی شام کو بڑے کمانڈو آفیسر نے گارڈ آفیسر سے ملاقات کر کے پروگرام کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔ اسے بتایا گیا کہ نئے احکامات کے مطابق اگلی صبح کو لڑکی کو ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اور وہ اپنے پروگرام کے مطابق اگلی رات کے کسی بھی حصے میں مخصوص طیارے کے ذریعے اسے لے جا سکیں گے۔

اس رات تک لڑکی کو روکے جانے کی وجہ وہ تفتیشی رپورٹ تھی۔ جس کے بارے میں متعلقہ محکمے نے اجازت نامہ جاری کرنا تھا۔ حکم نامے کے مطابق بتایا گیا تھا کہ باقاعدہ اجازت نامہ اگلی صبح کو جاری کر دیا جائے گا اور اس پر دیئے گئے وقت کے مطابق نامزد افسران کی گواہی میں لڑکی کو اس ملک سے آنے والے کمانڈو افسران کے حوالے کر دیا جائے گا۔

کمانڈو آفیسر تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد ہوٹل میں واپس اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور انہیں نئے احکامات سے آگاہ کیا۔ گارڈ والے پچھلے دو تین دن سے پہرہ دیتے دیتے اور بے حساب احتیاط کرتے یوں بھی مضمحل ہو چکے تھے اور وہ بہت جلد اس ڈیوٹی سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

گارڈ کے ممبران کو اس بات کا بے تابی سے انتظار تھا کہ کب خلاصی ہو اور وہ واپس اپنی اپنی جگہوں پر پہنچیں کیوں کہ انہیں آپس میں میل جول اور زیادہ گفتگو کی اجازت نہیں تھی مبادا کہ وہ حکومتی فیصلے کے خلاف کوئی سازش کریں۔

بستی والوں کو ایک دن لڑکی کی جانب سے جو خط ملا۔ اس میں بڑی مختصر مگر دلدوز تحریر تھی۔

خط میں لکھا تھا کہ:

"جان سے زیادہ عزیز انسانو!

اپنی جدوجہد جاری رکھنا اور اسلام کے قوانین کے مطابق ہی زندگی گزارنا۔ آپ جس راہ وفا پر چل پڑے ہیں' یہ بہت ہی روشن منزلوں پر لے

جاتی ہے۔ میرا انتظار نہ کرنا۔

دعاگو!

تمہاری بہن

بستی کے لوگوں کو جب یہ خط ملا تو ان میں کئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ وہاں پر ایک سوگ کا سماں طاری ہو گیا۔ ان میں سے چند جری نوجوانوں نے جو کچھ کہا' اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

عظیم بھائیو اور بہنو!

سنو کہ بہت کچھ ہمارے بس میں نہیں۔ لیکن اگر کچھ بس میں ہے تو وہ یہ کہ ہم اسی راہ پر چلتے رہیں جو کہ اس نے دکھائی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ بڑے بڑے ہمارا شکار کرنے کے لیے دوڑے آئیں گے لیکن ہماری عافیت اسی میں ہے کہ ہم اپنا اتحاد ختم نہ ہونے دیں اور ہم میں سے کوئی بھی کسی بھی قیمت پر نہ خریدا جا سکے۔ اور صرف آخری نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق زندگی گزاریں۔"

(36)

ریسٹ ہاؤس کے اوپر والے جس کمرے میں لڑکی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کی مشرقی جانب والی کھڑکی سے آسمان کی وسعتیں تاحد نظر دکھائی دیتی تھیں۔ جب انسان زنداں میں ہوتا ہے تو وسعتوں کا یہ سماں بہت ہی روح پرور اور راحت افزا لگتا ہے۔ ذوق و احساس رکھنے والے محسوس کر سکتے ہیں کہ جب ریشمی و ملائم چاندنی آموں کے پیڑوں کی پناہوں میں ہو اور خاموشی اجالوں اور اندھیروں کے سینکڑوں نغموں کی امین ہو تو دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اس رات کا چاند آدھے سے کچھ زیادہ تھا۔ لڑکی نے اسے اپنی تنہائی کا ساتھی جانا اور اقبالؒ کی زبان میں دیر تک اس سے گفتگو کرتی رہی کہ:

چاند!

زندگی کی راہ میں سرگرداں ہے تو' حیراں ہوں میں
تو فروزاں محفل ہستی میں ہے' سوزاں ہوں میں
میں رہ منزل میں ہوں تو بھی رہ منزل میں ہے
تیری محفل میں جو خاموشی ہے میرے دل میں ہے
تو طلب خو ہے تو میرا بھی یہی دستور ہے

چاندنی ہے نور تیرا عشق میرا نور ہے
پھر بھی اے ماہ مبیں! میں اور ہوں تو اور ہے
درد جس پہلو سے اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے
جو میری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چمک وہ ہے' جبیں جس سے تیری محروم ہے

رات ڈھلنے لگی تھی۔ کمانڈو آفیسر اور اس کے ساتھیوں نے ٹوٹتی رات کے سایوں میں لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے دستاویز پر دستخط کرنے کی غرض سے اس خیمے کی جانب قدم بڑھا دیے۔ جہاں اس تقریب کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ خیمہ اس کھڑکی کے بالکل سامنے کی جانب تھا۔ جہاں لڑکی کھڑی دور فلک کی پہنائیوں میں عظیم اسلامی ہستیوں کی یادوں کو ستاروں کی مانند جھلملاتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ وہ سوچتی رہی کہ:

"ایک وہ تھے کہ جن کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے اپنے" وہ بھی اسی دین مبین کے امین تھے اور یہ بھی اسی دین کا نام لینے والے ہیں۔ وہ تھے تو دنیا کے سبھی بے یار و مددگار انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ ظلم کہیں پر بھی ہوتا تھا تو دھڑکنیں ان کی تیز ہو جایا کرتی تھیں۔

اور ایک یہ ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے اغیار چیلوں کی طرح بازو پھیلائے ہوئے منڈلاتے ہوئے انہی کی آبرو' رعنائی اور دولت لوٹتے سمیٹتے چلے آتے ہیں۔

اسے احساس تھا کہ اس کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ اسے جہاں زمین و آسمان ملتے ہیں وہاں تک فضائیں خالی خالی نظر آ رہی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دیر تک دل میں اللہ کی مدد کو پکارتی رہی۔

اسے سنے سنے سے الفاظ پھر یاد آنے لگے کہ:

خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر
فکر جب عاجز ہو اور خاموش آواز ضمیر
وادی ہستی میں کوئی ہم سفر تک بھی نہ ہو

جادہ دکھلانے کو جگنو کا شرر تک بھی نہ ہو
مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

(اقبالؒ)

اس نے اپنی نجات کے لیے بہت سی حکمت عملیوں پر غور کرنا شروع کیا۔ لمحوں پر لمحے گزرتے جا رہے تھے۔ اور یوں وقت پوری رفتار سے دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ اسے دور دور تک کوئی راہ سجھائی نہ دیتی تھی مگر اچانک اس کے قلب و شعور میں ایک تدبیر جگمگائی۔ جس پر آخرکار اس نے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

لڑکی کو اس کے دشمنوں کے حوالے کیے جانے کے لیے تقریب کا اہتمام بڑے منظم انداز میں کیا گیا تھا۔ خصوصی ہدایات کے مطابق لڑکی کے خلاف فیصلہ کرنے والے بھی اسی تقریب میں موجود تھے۔ کمانڈو آفیسر اپنے ساتھیوں سمیت جب اس خیمے کے قریب پہنچا تو فیصلہ سازوں میں سے ایک آفیسر نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس آواز نے لڑکی کو چونکا دیا۔

چند لمحوں کے بعد ہی خیموں کے باہر جہاں پر انتظام کیا گیا تھا۔ وہ دستاویز لائی گئی جس پر کمانڈو آفیسر نے دستخط ثبت کرنے تھے۔ تاکہ ریکارڈ رہے کہ لڑکی کو زندہ حاصل کر لیا گیا ہے۔

پاکستانی فیصلہ سازوں نے وہ دستاویز آنے والے آفیسر کے سامنے بڑھائی تاکہ کاروائی مکمل ہو سکے۔ عین اسی وقت لڑکی نے بڑی متانت سے پاکستانی آفیسر کو مخاطب کیا۔

معزز آفیسر!

"ایک مسلمان بیٹی کو عظمت اسلام کے لیے کام کرنے کی پاداش میں غیر مسلموں کے ہاتھوں سزا دلوانے کے لیے کیا آپ کا انتخاب کیا گیا ہے؟"

اس نے سامنے اوپر کی جانب دیکھا تو لڑکی بڑے اطمینان سے کھڑکی میں سے ان کی کاروائی کا جائزہ لے رہی تھی۔

فیصلہ ساز آفیسر نے جواب دیا:

"میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا:

آفیسر!

"پوچھو اپنے دل سے کہ کیا ایسی ہی دستاویزات کو غیر مسلموں کے حوالے کر کر کے امت اسلامیہ رسوا و برباد نہیں ہوئی؟ کیا اسلام کے بیٹوں کا یہی فرض رہ گیا ہے کہ جوان ہو کر اور اختیار و طاقت حاصل کر کے اپنی رسوائی کے لیے دستاویزات پر دستخط غیر مسلموں سے حاصل کیا کریں۔ اور کیا مسلم مائیں اپنے بیٹوں کو بہادری، جہاد، پاکیزگی، علم و دانش اور شہادت کی اس لیے لوریاں سناتی رہتی ہیں کہ وہ صاحب اختیار ہو کر بھی غیروں کے غلام و محکوم بن کر رہ جائیں۔ اور وقت آنے پر بھی ان میں سے کوئی بھی سر اٹھا کر نہ للکار سکے کہ:

آج سے بیٹیوں کو رسوا کیے جانے کے تماشے نہیں ہونے دیئے جائیں گے اور آج سے بے انصافیوں کو محترم نہیں جانا جائے گا اور آج سے بے سہاروں کو بے آسرا نہیں کیا جائے گا۔

آفیسر!

کاش آپ لوگوں نے واقعی اپنا فرض پہچانا ہوتا۔ اور سنو کہ کیا سقوط بغداد پر بھی یوں ہی دستخط نہیں ہوئے تھے؟ کیا سقوط ڈھاکہ پر بھی یہی کہانی نہیں دہرائی گئی تھی؟ کیا میر جعفر و میر صادق کے ایسے ہی انداز نہ تھے؟ ان داستانوں کو دہرانے والوں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

آفیسر!

دیکھو اپنے وطن میں بھی اور پوچھو اس کی فضاؤں سے کہ اس کی رونقوں کو میلا کرنے والے اور غریب و بے نوا انسانوں کے حق کی دولت کو لوٹ لوٹ کر بار بار عروج و شہرتیں حاصل کرنے والے جب اس کی زندگی کا لہو پی رہے ہوتے ہیں۔ تو کیا وہ بھی یہ ہی نہیں کہہ رہے ہوتے کہ ہم اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ اور جب مریض اپنی بے چارگی کی بناء پر دم توڑ رہے ہوتے ہیں اور ان

کی زندگی کے بدلے طبیب و مسیحا اپنی تجوریاں بھر رہے ہوتے ہیں تو کیا وہ یہی آواز نہیں دیتے کہ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اور جب کمزوروں اور طاقتوروں کے لیے الگ الگ تعلیم و عدل کے نظام و پیمانے بنانے والوں سے پیچھے رہ جانے والے بے گناہ، بے خانماں اور بے روزگار اپنے کپکپاتے ہونٹوں سے پوچھتے ہیں کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو کیا وہ بھی یہی نہیں کہتے کہ ہم اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہیں؟

معزز آفیسر!

سنو کہ! جس طرح ہر کمزور، کاہل اور بزدل کے پاس اپنی مظلومیت اور فراریت کا جواز ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر درندے کے پاس اس کی درندگی کا جواز ہوتا ہے۔

آفیسر!

لیکن تم بے قصور ہو۔ کیوں کہ تم نے جس نظام حیات میں پرورش پائی ہے۔ وہ افراد کی رگوں سے غیرت و حمیت کا رس نچوڑ لیتا ہے اور ان کو فیصلہ سازی کے اختیارات عطاء کرتا ہے جو مجرموں کو محترم اور بے گناہوں کو رسوا کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جو روشنی کے مینار بلند کرنے والوں کو بے حیثیت اور روشنیاں گل کرنے والوں کو معتبر قرار دیتے ہیں۔

محترم آفیسر!

تم تو صرف اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ تمہیں کیا خبر کہ کن کن لوگوں کے کس کس فیصلے سے یہ وطن کہاں کہاں سے مفلوج ہو رہا ہے؟ اور تمہیں کیا خبر کہ ان کے بنائے گئے قوانین کے تضادات کتنی نسلوں کی روحوں کو بے نور کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اور آفیسر سنو کہ!

"تم نہ سہی مگر اس وطن کی جوان ہوتی ہوئی نسلیں اس نظام زندگی کو مسترد کر دیں گی جو بے عدل معیاروں کا صحیفہ بن کر رہ گیا ہے۔ پھر دیکھ لینا کہ کوئی ایسے فیصلے نہیں کروا سکے گا جو کمزوروں کو کمزور تر اور طاقتوروں کو ظالم بنا دیں۔ پھر

دیکھ لینا کہ ان کی دنیا میں کسی بزدل، کاہل و جاہل اور مسکینی و دلگیری رکھنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ پھر دیکھ لینا کہ وہی اس سرزمین کے گوشے گوشے کو دین مبین کی رحمتوں سے سرشار کر دیں گے اور تب کوئی بیٹی آواز دے گی تو سینکڑوں ہاتھ اس کی مدد کے لیے اٹھیں گے اور تب کسی کی فریاد نکلے گی تو ہزاروں افراد اس کے آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے دوڑیں گے۔"

کمانڈو آفیسر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

آفیسر!

"ہمارے پاس وقت کم ہے۔ ہم یہ آواز زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں زندہ و مردہ ہر حالت میں اسے گرفتار کر کے لے جانا ہے۔ اس لیے براہ مہربانی اس آواز پر توجہ نہ دی جائے اور کارروائی کے کاغذات مکمل کر کے ہمارے حوالے کیے جائیں۔"

لڑکی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ مگر کھڑکی سے دائیں جانب والے دروازے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے اس نے کمانڈو آفیسر سے بڑی پروقار آواز میں کہا:

میرے نادان دشمن!

"میری آواز تم لوگوں کے لیے نئی نہیں مگر پھر بھی سنو کہ جسم کتنا بھی زخمی و مضمحل سہی مگر تم روح امت اسلامیہ کو کبھی گرفتار و مقید نہ کر سکو گے۔ جو ہمیشہ سے ہی جوان و جاوداں، نورانی و تابناک اور ناقابل شکست ہے۔"

وہ دروازے سے نکل کر پچھلی جانب چھت پر جھکی ہوئی آموں کی شاخوں کے پاس جا کھڑی ہوئی اور دیر تک اپنے ذہن و شعور کی تہوں سے ابھرنے والے کشمکش سے لبریز سوالوں کے جواب چنتی رہی۔

وہ اسی خاموش گفتگو میں محو تھی کہ کسی نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا:

"تو یہ وہی مہربان بزرگ گواہ تھا جسے کبھی لڑکی نے رہائی دلوائی تھی۔" اس نے

لڑکی کو خاموشی سے اپنے قریب ہی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ لڑکی نے حیرانگی سے اس کی جانب دیکھا۔ جیسے اس کی نگاہیں پوچھ رہی ہوں کہ

"آپ یہاں تک کیسے آ سکے ہو؟" بزرگ نے مختصر جواب دیا کہ:

"صرف تم جیسے صاحب ایمان ہی نہیں خریدے جا سکتے۔ ورنہ دنیا میں سب کے سینوں پر لگی ہیں قیمتوں کی تختیاں"

اس لیے مجھے آپ تک پہنچنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔"

بزرگ نے بڑے رازدارانہ لہجے میں لڑکی سے مزید کہا:

"مجھے علم ہو چکا ہے کہ آپ کون ہو اور اب یہاں کیوں نظربند کر دی گئی ہو؟"

اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جس طاقت نے آپ کو گرفتار کر کے حوالے کیے جانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کا سامنا کرنا غلاموں جیسا دل و دماغ رکھنے والے اہل اختیار کے بس کی بات نہیں۔

آپ یقین رکھو کہ:

"میں آپ کے لیے سب کچھ کر گزرنے کا تہیہ کر کے آیا ہوں اور اس کے لیے مجھے اپنی پوری دولت بھی داؤ پر لگانی پڑی تو وہ لگا دی جائے گی اور اگر اب میری جان بھی تمہارے کام آ سکے تو بھی تمہاری رہائی کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں۔"

اس نے مزید کہا:

میری بیٹی!

"میں تمہاری رہائی کے انتظامات مکمل کر کے آیا ہوں۔ میری راہنمائی کرو کہ میں تمہیں تمہاری منزل تک پہنچا سکوں۔ مگر ہمیں کوئی لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس ملک کی جانب سے کمانڈو آ چکے ہیں اور چند گھنٹوں بعد طلوع ہونے والی صبح کو تمہیں ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

لڑکی حیران و تذبذب سے اسے دیکھتی رہی!

تب اس نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

"ہر گزرنے والا پل قیمتی ہے اور مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار ہے۔" لڑکی نے پھر بھی مزید کچھ دیر تک آنکھیں بند رکھیں۔ جیسے وہ کسی مراقبے میں چلی گئی ہو۔

مگر چند لمحوں بعد اٹھ کھڑی ہوئی اور کچھ دیر تک اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ بہت تھوڑی دیر تک بہت ہی آہستہ لہجے میں اس کے ساتھ محو گفتگو رہی۔

اس نے بزرگ کو اپنی کسی قابل عمل حکمت عملی کے بارے میں آگاہ کیا۔ بزرگ اس کی تدبیر سن کر اپنی ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے مسکرا دیا۔

اسی دوران ستارے مدہم ہونے لگے تھے۔ لگتا تھا کہ قافلہ سحر دور نہیں۔ مگر ایسے میں زنجیروں کی جھنکار بھی آ رہی تھی۔ معلوم نہیں وہ ٹوٹ رہی تھیں یا کسی کو پہنائے جانے کے لیے تیار کی جا رہی تھیں۔

(37)

ایک دن بوڑھا کریم بیٹھا بیتے دنوں کی یادوں میں محو تھا اور اسے اس روز اپنی بیٹی بہت یاد آ رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ اس کی برسی تھی۔ کریم کے رہ رہ کر آنسو نکل آتے۔ اس کا وہی چھوٹا سا کٹیا نما گھر یوں تو چھوٹے سے باغیچے اور گھر سے باہر جنگل نما بہت بڑے درختوں کی جھنڈ کی وجہ سے خوب صورت بھی تھا مگر تنہائی نے اسے اداس و ویران کر رکھا تھا۔

اسرائیلیوں کی قید سے واپس آکر اسے وہ گھر اور بھی ویران و تنہا لگتا تھا۔ اگرچہ اپنی نوجوانی کے دور میں اس نے بہت سے ممالک کی سیر کر رکھی تھی مگر ابھی تک وہ اپنے آبائی ملک پاکستان کو نہیں بھولا تھا۔ اسے کبھی کبھی یہ سوچ کر پچھتاوا ہوتا کہ:

"اگر وہ پاکستان نہ چھوڑتا تو شاید اس کی بیٹی بچ رہتی اور وہ عمر بھر کے جدائی والے صدمے سے نہ گزرتا۔"

مگر پھر یہ سوچ کر کہ:

"موت کی گھڑیاں تو مقرر ہیں۔ وہ خاموش ہو رہتا۔"

اپنی بیٹی کی یاد کے ساتھ ہی اس لڑکی کا خیال آگیا جسے پناہ دینے کے بعد

وہ اپنی بندوق سے اس کا پیچھا کرنے نکلا تھا مگر اس کے پاکیزہ و مسلم دل کو پہچان سکا تھا اور نہ ہی اس پر یقین کر سکا تھا۔ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہوتا اور کئی بار وہ اس کی یاد میں بھی رو دیتا۔

وہ سوچتا کہ:

"لڑکی عظیم تھی جس نے دنیا کی حسین ترین و آسان سہولیات کو خیرباد کہہ کر کانٹوں بھری راہ چن لی تھی۔

مگر مطمئن تھا کہ:

"وہ راہِ جمیل و عظیم منزل کی جانب لے جاتی ہے۔"

اسے یقین تھا کہ اسرائیل نے اپنے خفیہ ادارے کی وساطت سے اسے گرفتار کر کے اذیت خانے میں رکھا ہوا ہوگا یا اس کی نظریاتی تبدیلی کی وجہ سے اسے ختم کر دیا ہوگا۔

کئی بار اس کی شبیہہ اس کی آنکھوں کے سامنے چلی آئی اور اس کے لکھے ہوئے الفاظ کسی پاکیزہ و نورانی روح کے نغموں کی طرح اس کی اپنی روح میں اترنے لگے جو کہ اس کے تاریک تہہ خانے میں اس نے قرآن کریم کی گواہی میں لکھے تھے۔ وہ تمام لمحے ایک ایک کرکے اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ خاص طور پر لڑکی کا اسرائیلی آفیسروں سے 'ٹکرانا' بوڑھے کریم کو عجیب عظمت بھری داستان لگتا تھا۔

اپنی یادوں کے جھرمٹ میں اسے خیال ہی نہ رہا کہ دوپہر بھی ڈھل چکی تھی اور سرد رات تیزی سے آنے کو تھی۔ اس کا ایک پرانا دوست جو کل ہی بڑی دیر کے بعد اسے ملنے آیا تھا۔ وہ صبح ہی سے شہر سے کھجوریں اور شہد لینے گیا ہوا تھا۔ مگر اس نے بتایا تھا کہ وہ بعض کاموں کی بناء پر جلد واپس نہ آ سکے گا۔ لیکن پھر بھی اس کا اندازہ تھا کہ وہ شام تک تو بہرحال واپس آ جائے گا۔ بوڑھا کریم اور زیادہ متفکر اس لیے بھی ہوئے جا رہا تھا کہ بارش نے شام سے پہلے ہی آ لیا تھا اور اس بارش نے تو بغیر کسی تمہید کے دو اڑھائی سال پہلے والی بارش کی یاد تازہ کر دی تھی۔

یہ اتنی شدید بارش تھی کہ اس نے رات کے پہلے پہر کو تاریک تر کرکے مغرور کر دیا تھا۔ یہ بارش بس صبح سے ہی کچھ تھمی تھی ورنہ اس پورے علاقے کا اس نے پچھلے دو تین دنوں سے برا حال کر دیا تھا۔ سردی اور اولوں نے تو جوانوں کو مضمحل کرکے رکھ دیا تھا چہ جائیکہ کوئی بوڑھا گھر سے باہر ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں کا سامنا کرتا۔

یوں ہی انتظار کرتے کرتے رات کافی گزر گئی اور بوڑھا کریم خشک روٹی کے شہد کے ساتھ چند لقمے کھاکر سو رہا۔ اگرچہ انتظار تو تھا مگر یہ سوچ کر کہ اس کا دوست موسم کی شدت کی بناء پر کہیں رک گیا ہوگا یا سیدھا اپنے گاؤں چلا گیا ہوگا۔ کریم نے بھی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ دن بھر یادوں کے اندھیروں اور اجالوں سے کھیلنے کے بعد یوں بھی بوڑھے کریم کی آنکھوں نے زیادہ وقت نہ لیا اور زمانوں کے خواب لیے بہت جلد لگ گئیں۔

لیکن چند ہی لمحوں بعد اس نے اپنے دروازے پر ایک مضمحل دستک سنی۔ نیند کی شدت کی وجہ سے اس نے اس دستک کو خواب جانا۔ مگر دو ایک بار پھر سے ہوتی ہوئی دستک نے اسے جاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بہت کم لو والا لیمپ لیے بھیگے ہوئے اندھیرے میں ہی دروازہ کھولنے چلا گیا۔ اس نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ وہ لڑکی اس کی بیٹی کا وہی لباس پہنے کھڑی تھی۔ بوڑھے کریم نے فرط مسرت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

لڑکی نے کہا:

بابا!

"مجھے ایک بار پھر اپنے اسی تاریک تہہ خانے کا دیدار کرنے دو کہ جہاں سے یہ دل روشنی لے کر آیا۔"

بابا!

وہی نورانی منزل کہ جس کا سراغ مجھے وہیں سے ملا تھا اور جس کی جانب مجھے بڑھتے ہی رہنا ہے۔"

بوڑھے کریم نے بھرائی ہوئی آواز میں عبدالودود کے دونوں بیٹوں کو

آواز دی۔ جو اس کے گھر میں موجود تھے اور لڑکی کی بتائی ہوئی حکمت عملی پر گامزن تھے۔

یہ عجیب دلفریب منظر تھا۔ دونوں بھائیوں نے اپنی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں سے کہا:

اے ہماری محسنہ!

"اب کی بار ہمیں اپنا ادنیٰ جاں نثار جانو جو اپنی جان سے بھی زیادہ تمہاری حفاظت پر مامور رہیں گے۔"

اگلی رات آسمان کے ستاروں نے دیکھا کہ:

لڑکی ان سب کو ساتھ لیے کسی نئی منزل کی جانب جا رہی تھی اور فضائیں اقبال کی زبان میں یوں نغمہ ریز تھیں کہ ۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

"ختم شد"